پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل بیت

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات

Marfat.com

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
اور
اہل بیت رض

227376

حکیم محمود احمد ظفر

نشریات
۴۰ اُردو بازار، لاہور۔ فون: ۴۵۸۹۴۱۹۔۰۳۲۱

Marfat.com

297.9921
127097

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۱ء

نام کتاب : پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل بیتؓ
مصنف : حکیم محمود احمد ظفر
اہتمام : نشریات، لاہور
مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884

Marfat.com

ترتیب

- پیش آہنگ ____ ۱۳
- پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل بیت ____ ۳۱
  - اہل بیت کون ہیں؟ ۳۱
  - لفظ آل کے معنی لغت میں ۳۲
  - آل اور اہل کے استعمال میں فرق ۳۸
  - لغت اور عرف میں ''اہل'' کا مفہوم ۴۴
- امت کی جنتی مائیں ____ ۵۰
  - ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد ۵۱
  - غیر قریشی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ۵۳
  - غیر قریشی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا ۵۳
  - ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نکاح کی ترتیب ۵۴
  - ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق مہر کی مقدار ۵۷
  - ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نفقہ ۵۷
  - قرآن حکیم سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان ۵۸
  - حضور ﷺ کا اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کو اختیار دینا ۶۱
  - ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حسن سلوک ۶۸
- ام المؤمنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ____ ۷۵

Marfat.com

- نام ونسب ٧٥
- نکاح ٧٦
- رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں ٧٧
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بعثت نبوی ﷺ ٨٢
- سب سے پہلے ایمان لانے والی ٨٩
- نبوت کی غم گسار ٩٠
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شعب بنو ہاشم میں ٩١
- وفات ٩٢
- خصائص وفضائل ٩٤
- اولاد ١٠١

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ________ ١٠٤
- سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ایک اہم فضیلت ١١٢
- ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ١١٤
- سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نفاست پسند خاتون ١١٦
- اولاد ١١٦
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت ١١٩
- وفات ١٢١
- تکفین ١٢٣
- تدفین ١٢٣

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ________ ١٢٥
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح ١٢٧
- ہجرت حبشہ ١٢٩
- دو ہجرتوں کا اعزاز ١٣٢

Marfat.com

◆ اولاد ۱۳۳
◆ جنازہ اور تدفین ۱۴۲
◆ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی خانگی زندگی ۱۴۲
◆ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری ۱۴۳
◆ وفات ۱۴۴

◆ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ۱۴۷

◆ نکاح ۱۴۹
◆ انتقال ۱۵۳
◆ نماز جنازہ ۱۵۴
◆ ایک شبہ اور اس کا جواب ۱۵۵
◆ دامادی رسول ﷺ سے انکار ۱۶۰
◆ ایک اشکال اور اس کا جواب ۱۶۵

◆ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ۱۶۸

◆ ہجرت ۱۷۰
◆ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تزویج ۱۷۱
◆ زرہ کی رقم سے کیا کچھ خریدا گیا ۱۷۳
◆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا میں گواہی ۱۷۴
◆ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حصہ ۱۷۵
◆ خانگی کاموں کی تقسیم کار ۱۷۹
◆ غزوہ احد میں خدمات ۱۸۱
◆ دینی مسائل کی تعلیم ۱۸۲
◆ میاں بیوی میں شکر رنجی ۱۸۴
◆ وفات نبوی ﷺ سے قبل سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رازدرانہ گفتگو ۱۸۷

Marfat.com

- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علالت ۱۹۱
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ ۱۹۳
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ۱۹۴

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ ______ ۱۹۶

- نام ونسب ۱۹۶
- نکاح ۱۹۷
- حریم نبوت ﷺ میں داخلہ ۱۹۷
- عام حالات ۱۹۹
- وفات ۲۰۱
- اولاد ۲۰۲
- خصائص وفضائل ۲۰۲
- آپ ﷺ کی مرویاتِ حدیث ۲۰۲
- سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق ۲۰۳

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ______ ۲۰۶

- نام ونسب ۲۰۶
- پیدائش اور نکاح کے وقت عمر ۲۰۸
- حریم نبوت میں داخلہ ۲۱۸
- ہجرت ۲۲۱
- رخصتی ۲۲۳
- تعلیم وتربیت ۲۲۴
- عائلی زندگی ۲۲۸
- واقعۂ افک ۲۳۸
- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور تیمم کا حکم ۲۵۲

Marfat.com

- واقعہ شہد ۲۵۳
- واقعہ ایلاء ۲۵۵
- انتقال سید المرسلین ﷺ کے بعد ۲۵۹
- ایک اشکال اور اس کا جواب ۲۶۴
- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اصلاح کے مقصد سے نکلی تھیں ۲۶۶
- سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک غلط روایت ۲۶۹
- وفات ۲۷۶
- فضائل ومناقب ۲۷۷
- علم حدیث اور سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کی مرویات ۲۸۳
- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک الزام ۲۹۹
- خصوصیات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ۳۰۱

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمرؓ ۳۱۸

- نام ونسب ۳۱۸
- اسلام ۳۱۸
- ہجرت ۳۱۹
- حریم نبوت میں داخلہ ۳۱۹
- وفات ۳۲۳

ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ ۳۳۲

- نام ونسب ۳۳۲
- حریم نبوت میں داخلہ ۳۳۲
- وفات ۳۳۴

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۳۳۵

- نام ونسب ۳۳۵

Marfat.com

- اسلام ۳۳۶
- حریم نبوت میں داخلہ ۳۳۹
- عام حالات زندگی ۳۴۵
- وفات ۳۴۹
- اولاد ۳۵۰
- حلیہ ۳۵۱
- مناقب وفضائل ۳۵۲
- آیت تطہیر کا مصداق ۳۵۶
- قرآن سے اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا ۳۸۷
- احادیث میں بھی ''اہل'' میں ازواج اور اولاد دونوں کا شامل ہونا ۳۸۷
- شیعہ علماء کا اہل بیت کی عصمت کو ثابت کرنا ۳۸۸
- آیت تطہیر میں مذکر ضمائر کا استعمال ۳۹۰
- سیدہ ام سلمہ کی پابندی شریعت اور تمسک بالسنۃ ۳۹۷
- سیدہ رضی اللہ عنہا کے چند متفرق خصائص ۳۹۸

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحشؓ ________ ۴۰۱

- نام ونسب ۴۰۱
- حریم نبوت میں داخلہ ۴۰۱
- ولیمہ ۴۰۹
- وفات ۴۱۳
- فضائل ومناقب ۴۱۵

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث الخزاعیہ ________ ۴۱۹

- نام ونسب ۴۱۹
- حریم نبوت میں داخلہ ۴۱۹

Marfat.com

- وفات ۴۲۳
- فضائل ومناقب ۴۲۳
- ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان ____ ۴۲۵
- نام ونسب ۴۲۵
- حریم نبوت میں داخلہ ۴۲۵
- وفات ۴۳۸
- فضائل ومناقب ۴۳۹
- ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی ____ ۴۴۳
- نام ونسب ۴۴۳
- حریم نبوت میں داخلہ ۴۴۳
- وفات ۴۴۷
- فضائل ومناقب ۴۴۷
- ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث ____ ۴۵۳
- نام ونسب ۴۵۳
- حریم نبوت میں داخلہ ۴۵۵
- وفات ۴۵۹
- فضائل واخلاق ۴۶۰
- سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ____ ۴۶۲

Marfat.com

Marfat.com

پیش آہنگ

اس کائنات ارض وسما میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے دو ماخذ ہیں، کتاب اللہ اور رجال اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی کوئی کتاب بھیجی وہاں اس کی تفصیل وتشریح اور اس پر عمل کا نمونہ بتانے کے لیے کسی نہ کسی نبی کو ضرور بھیجا۔ بعض نبی بغیر کتاب کے اس دنیا میں تشریف لائے لیکن کوئی کتاب بغیر نبی کے نہیں آئی۔ نبی کا لفظ نبوۃ، نباوۃ اور نبوۃ سے مشتق ہے جس کے معنی بلند و بالا کے ہوتے ہیں۔ گویا کہ نبی قوم میں سب سے اونچے درجے کا فرد ہوتا ہے کیونکہ اس نے پوری امت کے لیے اور بلکہ ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ بننا ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پوری دنیا کے لیے قیامت تک کے لیے نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۳۳:۲۱)

"بے شک تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔"

اس وجہ سے آپ ﷺ نے کئی وجوہات کی بنا پر متعدد شادیاں کیں، ان میں سے ایک وجہ اسوہ اور نمونہ بننے کی بھی تھی تا کہ اگر کوئی شخص ایک سے زائد شادیاں کرے تو وہ اپنی بیویوں کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جب شادی کی تو ان کے انتقال تک پھر آپ ﷺ نے دوسری کوئی شادی نہیں کی تا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے نمونہ بن سکیں جن کی صرف ایک بیوی ہو۔

ایک عام انسان کی طرح آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بھی دو پہلو تھے۔ ایک بیرونی زندگی اور دوسری اندرونی زندگی، جس کو خانگی زندگی بھی کہا جاتا ہے۔ بیرونی زندگی کو آپ ﷺ

Marfat.com

کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے جو گیارہ نکاح کیے ان کی غرض و غایت یہی تھی کہ عورتوں کی ایک کثیر تعداد آپ ﷺ کی خانگی زندگی کو دنیا کے سامنے پیش کر سکے کیونکہ جس قدر شوہر کے رازوں سے اس کی بیوی واقف و آشنا ہو سکتی ہے اتنا کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ اس اندرون خانہ زندگی کو اگر ایک عورت بیان کرتی تو وہ شاید دنیا والوں کی نگاہ میں اتنی یقینی بات نہ ہوتی لیکن جب گیارہ عورتوں پر مشتمل ایک جماعت نے اس کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تو آپ ﷺ کے وہ حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے اور ان پر یقین کیے بغیر اور کوئی چارہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں شریعت کے بعض احکام وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق خاص مستورات سے ہوتا ہے اور مردوں سے بیان کرنے میں حجاب اور حیاء مانع ہوتی ہے، لہٰذا عورتوں کے وہ خاص مسائل بھی انھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعے عورتوں سے بیان کیے گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے متعدد نکاح کرنے کی ایک وجہ عورت کے مقام اور درجہ کو بھی دنیا میں اجاگر کرنا تھا۔ اسلام سے قبل عورت کا معاشرہ میں کوئی مقام نہ تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ عورت کا درجہ اسلام میں وہی ہے جو مرد کا ہے۔ حیثیت اور حقوق اور آخرت کے انعامات میں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ اسلام کے نزدیک مرد مرد ہے اور عورت عورت۔ اگر یہ دونوں صنفیں آپس میں گڈمڈ ہو جائیں تو زندگی کا نظام خصوصاً عائلی زندگی اسی طرح تباہ و برباد ہو جائے گی جس طرح آج ہو رہی ہے کیونکہ انسانیت کو مرد اور عورت کی صنفی تقسیم کے ساتھ پیدا کرنا حق تعالیٰ شانہ کی مشیت بالغہ پر مبنی حکیمانہ منصوبہ بندی ہے اور اس تقسیم کو باقی رکھنے ہی میں انسانی زندگی کی بقا اور ترقی ہے۔ اسلام میں مرد اور عورت ایک دوسرے کا مثنیٰ (Duplicates) نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کا تکملہ (Complement) ہیں کیونکہ ان دونوں میں ناقابل عبور حیاتیاتی فرق پائے جاتے ہیں۔ یہ فرق ان دونوں کی تقسیم کار کی حکمت پر مبنی ہیں۔ وہ اس لحاظ سے ہیں کہ مرد کی کمی کی تلافی عورت کرے اور عورت کی کمی کی تلافی مرد کے ذریعے ہوتا کہ زندگی کا توازن قائم رہے۔

آج بعض مغرب زدہ عورتیں اور مرد اپنے ذہنی بگاڑ کی وجہ سے گھر سنبھالنے کو بیرونی کام سے کم تر درجہ کا کام سمجھتے ہیں لیکن اسلام گھر سنبھالنے کے کام کو بھی اتنا ہی عزت کا درجہ دیتا ہے جتنا دفتر میں کام کرنے کو۔ اسلام کے نزدیک دونوں یکساں اہمیت کے کام ہیں۔ ان میں

Marfat.com

کسی فریق کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس وجہ سے اس احساس برتری میں مبتلا ہو اور نہ ہی کسی فریق کو احساس کمتری کا شکار ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایک صحابیہ سیدہ نسیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! مرد اجر میں بڑھ گئے۔ وہ جمعہ اور دوسرے اجتماعات میں اور جہاد میں شریک ہوتے ہیں، پھر ہم عورتوں کے لیے کیا باقی رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نسیبہ رضی اللہ عنہا! تم میں سے ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ بہتر طریقہ سے رہے اور اس کی مرضی کو پورا کرے، یہ ان تمام اعمال کے برابر ہے جن کا تم نے مردوں کے سلسلہ میں ذکر کیا۔

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ کیا سلوک کیا اور آپ ﷺ کی خانگی اور گھریلو زندگی کس قسم کی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی گھریلو زندگی کا نمونہ ہر مسلمان گھرانے کے لیے پیش کیا اور اس کے ساتھ آپ ﷺ نے عورت کی حیثیت کا بھی تعین فرمایا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی پہلی اہلیہ محترمہ تھیں۔ انھوں نے نزول وحی سے لے کر آخر تک ہر مشکل وقت میں ایک بہترین ساتھی کی طرح آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ غار حراء میں آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا اور آپ ﷺ وہاں سے اپنے گھر پر آئے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ ﷺ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر و مدارات کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور حق کے معاملہ میں ہمیشہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔'' (سیرۃ ابن کثیر: ۱/۳۸۶)

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اسلام میں عورت اور مرد کے دائرۂ عمل کو الگ الگ رکھا گیا ہے۔ عورت گھر کے لیے ہے اور مرد باہر کے لیے۔ یہ تقسیم نہ صرف حیاتیاتی اور عضویاتی اعتبار سے دونوں صنفوں کے لیے درست ہے بلکہ اس میں بہت سے اجتماعی فوائد بھی مضمر ہیں۔ ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس تقسیم کے ذریعے دونوں صنفوں کو ایسے قابل اعتماد ساتھی اور رفیق کار مل جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے لیے بہترین مشیر بن سکیں۔ جب ان میں ہر صنف اپنے اپنے شعبہ میں مصروف ہوتی ہے تو ہر فریق اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ دوسرے فریق کے معاملہ میں غیر متاثر ذہن کے ساتھ سوچے اور اپنے بے لاگ مشوروں سے اس کی مدد کر سکے۔

Marfat.com

اس کی ایک مثال وہ ہے جو معاہدۂ حدیبیہ کے موقع پر ظہور میں آئی۔

معاہدہ حدیبیہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں ایسا تھا جو بظاہر دب کر کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس میں کئی باتیں صریح طور پر مخالفین کے حق میں جاتی تھیں۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس بارے میں سخت بے چینی تھی۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد جب آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اپنے ساتھ لائے ہوئے قربانی کے جانور یہیں ذبح کر دو اور قصر یا حلق کر لو تو ایک شخص بھی اس کے لیے نہ اٹھا۔ آپ ﷺ نے تین بار اپنے اس حکم کو دہرایا، پھر بھی سب خاموش رہے اور کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آپ ﷺ رنج وغم کی حالت میں اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ کی رائے یہی ہے تو آپ ﷺ میدان میں تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ کہے بغیر اپنا قربانی کا جانور ذبح کریں اور سر منڈا لیں۔ آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دیکھا تو سب نے اٹھ کر اپنی اپنی قربانیاں ذبح کر دیں، اگرچہ ان کے رنج وغم کا عالم یہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کو کاٹ ڈالیں گے۔

(بخاری، حدیث: ۲۷۳۱، مسند احمد: ۴/۲۲۳)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس نازک موقع پر جو قیمتی بات سوجھی وہ اس لیے سوجھی کہ وہ اصل معاملہ سے الگ تھیں اور اس پوزیشن میں تھیں کہ غیر متاثر ذہن کے ساتھ اس معاملہ میں درست رائے قائم کر کے آنحضور ﷺ کے سامنے پیش کر سکیں۔

اسلام نے عورت کو عملی میدان میں آنے سے روکا نہیں ہے لیکن اس طرح کہ اس کی خانگی اور عائلی زندگی متاثر نہ ہو۔ مدینہ طیبہ میں عورتیں نہ صرف گھر بلکہ باہر کا بھی اکثر کام کرتی تھیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مرد زیادہ تر جہاد اور تبلیغ دین میں مشغول ومصروف رہتے تھے۔ ان کو موقع نہیں ملتا تھا کہ گھر کی بعض ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں۔ چنانچہ ان کی عورتوں نے گھر کے کاروبار کو سنبھال لیا تھا۔ حتیٰ کہ زراعت، باغبانی اور جانوروں کی دیکھ بھال بھی کرنے لگی تھیں۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ جب یہ دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اس وقت ان کا جو معاشی حال تھا وہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی زبان سے یوں نقل ہوا

Marfat.com

ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب میرا نکاح زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ جائداد اور نہ کام کرنے کے لیے کوئی خادم اور نہ کوئی اور چیز۔ صرف ایک اونٹ پانی لاد کر لانے کے لیے تھا اور ایک گھوڑا۔ میں ہی اونٹ کے لیے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی۔ میں ہی پانی بھر کر لاتی تھی اور پانی کا ڈول جب پھٹ جاتا تو خود ہی اس کو سیتی تھی۔ گھوڑے کی بھی ساری خدمت مجھے کرنی پڑتی تھی۔ اس کے ساتھ گھر کا سارا کام کاج بھی مجھی کو انجام دینا ہوتا تھا۔ ان سب کاموں میں گھوڑے کی دیکھ بھال میرے لیے گراں بار تھی۔ روٹی البتہ مجھ کو اچھی طرح پکانا نہ آتی تھی۔ اس لیے روٹی پکانے کے لیے میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصاری عورتوں کے پاس لے جاتی۔ وہ نہایت مخلص اور نیک دل عورتیں تھیں، وہ میری روٹیاں بھی پکا دیتیں۔''

زبیر رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک قطعۂ زمین جاگیر کے طور پر دے دیا تھا۔ میں وہاں کام کے لیے جایا کرتی تھی اور واپسی پر وہاں سے اپنے سر پر کھجوروں کی گٹھلیاں لاد کر لاتی۔ ایک دفعہ میں وہاں سے گٹھڑی سر پر لادے آ رہی تھی۔ راستہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے۔ وہ انصار کی ایک جماعت کے ساتھ اونٹ پر تشریف فرما تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے دیکھ کر اپنا اونٹ ٹھہرایا اور مجھے اشارہ کیا تاکہ میں اس پر بیٹھ جاؤں لیکن مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ خیال بھی آیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ بہت غیرت والے ہیں، ان کو یہ بات ناگوار گزرے گی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے انداز سے سمجھ گئے کہ مردوں کی موجودگی میں مجھے اونٹ پر بیٹھتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔

میں گھر پہنچی تو زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ مجھے مردوں کے ساتھ اونٹ پر بیٹھتے ہوئے شرم محسوس ہوئی اور تمھاری غیرت کا بھی خیال آیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، بخدا! تمھارا گٹھلیوں کا گٹھا سر پر رکھ کر لانا میرے لیے اس سے بھی زیادہ گراں ہے۔''

اسلام نے علم کے میدان سے بھی عورت کو محروم نہیں رکھا۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے تذکرہ میں آپ پڑھیں گے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے علمی میدان

Marfat.com

میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات کی تعداد ۲۲۱۰ تک شمار کی گئی ہے اور ان سے قریباً ایک سو صحابہ اور تابعین نے روایت کیا ہے اور بڑے بڑے جلیل القدر حضرات ان کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم لوگوں کو جب بھی کسی حدیث میں اشکال پیش آتا تو ہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرتے۔ ان کے ہاں ضرور ہمیں کوئی علم مل جاتا۔'' (ترمذی)

اسلام نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صلاحیتوں کو اس حد تک ترقی دی کہ انھوں نے اہم سیاسی اور سماجی خدمات انجام دیں۔ موجودہ دنیا کی مشہور علمی کتاب انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (۱۹۸۴) میں ان کی خدمات کا ان الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے:

Aisha, the third wife of the Prophet Muhammad, who played a role of some political importance after the Prophet`s deeth.

(Vol. 1, P.167)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی تیسری زوجہ تھیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ ایسے رول ادا کیے جو نہایت سیاسی اہمیت کے حامل تھے۔

تاریخ کے اوراق پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل معاشرہ میں عورت کا کوئی مقام نہ تھا۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی عورت کی زندگی میں انقلاب آیا کیونکہ اسلام نے عورت کے بارے میں انقلابی اصلاحات کیں۔ چنانچہ دہلی ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس مسٹر راجندر سچر نے ایک مرتبہ دہلی کی ایک تقریب میں کہا تھا کہ:

Islam had been very liberal and progressive in granting property rights to women. The fact that there were no property rights to Hindu women until 1956, when the Hindu Code Bill was pssed whereas Islam had granted these rights to Muslim women over 1400 years.

(The Statesman, Dehli, April 26,1986)

Marfat.com

''تاریخی طور پر اسلام عورتوں کو جائیداد اور پراپرٹی کے حقوق عطا کرنے میں بہت زیادہ فراخ دل اور ترقی پسند واقع ہوا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ۱۹۵۶ء تک ہندو کوڈ بل کی منظوری سے قبل ہندو عورتوں کا جائداد میں کوئی حصہ نہ تھا جب کہ اسلام مسلم عورتوں کو یہ حقوق چودہ سو سال قبل دے چکا تھا۔

اسلام نے عورت کو اتنے زیادہ حقوق دیئے کہ کوئی مذہب آج تک وہ حقوق نہ دے سکا لیکن پھر بھی اسلام کو بدنام کرنے کے لیے مستشرقین نے یہ لکھ دیا کہ:

The fatal point in Islam is the degradation of women.

(Edward William Lane, Selection from Koran, London, 1982 Page XC)

''اسلام کا تباہ کن پہلو عورت کو حقیر درجہ دینا ہے۔''

یہ بات صرف اسلام کو بدنام کرنے کے لیے کہی گئی جبکہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام سے قبل تمام مذاہب میں تجرد (Celibacy) کو پارسائی اور اخلاقی پاکیزگی کا اعلیٰ معیار سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کو حقیر اور گناہ کا سرچشمہ سمجھتے تھے لہٰذا عورتوں کو اپنی زندگی میں شامل کرنا ان کی نگاہ میں ایک نہایت گھناؤنا گناہ سمجھا جاتا تھا اور اس گناہ کا ارتکاب کرنے والا شخص لوگوں کی نظر میں کم تر اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے برعکس تجرد پسند آدمی نہایت مقدس اور پاکیزہ تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا میں مرقوم ہے کہ:

Celibacy has existed in some form of another throughout man`s religions history and has appeared in virtually all the major religious traditions of the world. (Vol.3,P 1040)

''تجرد کسی نہ کسی شکل میں پوری مذہبی تاریخ میں موجود رہا ہے۔ عملی طور پر وہ دنیا کے تمام بڑے مذہبوں میں پایا جاتا رہا ہے۔''

اسلام نے اس تجرد کی زندگی کو نہ صرف یہ کہ ختم کیا بلکہ سرکار دو عالم ﷺ نے یہاں

Marfat.com

تک فرمایا کہ ''نکاح میری سنت ہے، پس جو شخص میری اس سنت سے اعراض برتے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد ۱۶ص ۵۹۹، ۱۹۸۴ء میں مقالہ نگار نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔تہذیب جدید نے عورت کو برابر کا درجہ دینے کی کوشش میں اس کو مستقل نابرابری کے درجہ پر پہنچا دیا۔ چنانچہ امریکہ اور یورپ میں مرد کے مقابلہ میں عورت صرف دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتی ہے اور ہر جگہ وہ مرد کے مظالم کا شکار ہو رہی ہے۔ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کی کارکن خواتین کے بارے میں ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

''ایک بینک کے پریذیڈنٹ سڈنی ٹیلر نے اپنے بینک کی ایک خاتون کارکن مائیکل ونسن کو جسمانی اذیت پہنچائی اور اس کی عصمت دری بھی کی۔ ایسا چار سال تک ہوتا رہا۔ مذکورہ خاتون عورتوں کی ایک تنظیم کی مدد سے عدالت میں چلی گئی۔ ڈسٹرکٹ کورٹ نے اس کی اپیل رد کر دی اس وجہ سے کہ وہ چار سال تک خاموش رہی اور اس نے بینک کے شکایتی نظام سے مدد کی درخواست نہیں کی۔ عدالت نے کہا کہ دونوں کے درمیان جو بھی تعلق تھا وہ رضا کارانہ تھا۔ ہائی کورٹ سے بھی یہ مسئلہ ختم نہ ہو سکا اور آخر کار وہ سپریم کورٹ میں پہنچا......''

کارکن خواتین کو دفتروں میں پریشان اور ہراساں کرنا ایک وبا کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ خواتین کی ایک تنظیم نے بتایا کہ گزشتہ پانچ برسوں میں دفاتر میں کام کرنے والی خواتین کی قریباً نصف تعداد نے اس نوع کی بدسلوکی کا تجربہ کیا۔ یہ واقعات صرف کارخانوں میں اور مزدوروں کے ساتھ کام کرنے والی خواتین کے ساتھ ہی پیش نہیں آتے بلکہ اونچی بلڈنگیں اور شاندار دفاتر بھی اپنی کارکن خواتین کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ان میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جو سیکرٹری ہیں یا قانون دان ہیں یا اور کسی اونچے عہدے پر فائز ہیں۔ مرکزی حکومت (فیڈرل گورنمنٹ) میں کام کرنے والی خواتین کی قریباً ۴۲ فیصد تعداد کو اپنے دفاتر میں پریشان کیا گیا۔ یہ بات ایک حالیہ سروے کے ذریعے معلوم ہوئی ہے۔ ریاستی اور میونسپل حکومتوں کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والی ۶۰ فیصد خواتین نے بتایا کہ جنسی بدسلوکی ان کے لیے ایک عام تجربہ بن چکی ہے۔ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۵ء کے درمیان اس قسم کی شکایات کی تعداد ۷۰ فیصد تک بڑھ گئی ہے اور روز بروز مزید بڑھ رہی ہے یہاں تک کہ امریکہ کا صدر بھی اس کا مرتکب ہوا۔

Marfat.com

کارکن خواتین کی شکایات مختلف قسم کی ہیں۔ یہ عصمت دری سے لے کر دھکا دینا، چھونا، مسلسل جنسی مطالبات، جارحانہ قسم کے جنسی تبصرے اور گندی زبان استعمال کرنا ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اگر ملزم وہ شخص ہو جو خاتون کارکن کا افسر اعلیٰ ہے تو شکایت کرنے کی سزا خاتون کارکن کو ملتی ہے کہ اس پر کام کا بوجھ بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس کے کام کو بے قیمت اور ذلیل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سی عورتیں عدالت میں جانے کے بجائے ملازمت چھوڑ دیتی ہیں۔

(انڈین ایکسپریس ۳۔ اگست ۱۹۸۶ء)

اسلام کی تہذیب کے علاوہ دنیا میں دو اور تہذیبیں ہیں۔

ایک قدیم مشرکانہ تہذیب اور دوسری جدید ملحدانہ تہذیب۔ ان دونوں تہذیبوں نے عورت کے درجہ کو گھٹایا۔ قدیم مشرکانہ تہذیب نے نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے اور جدید ملحدانہ تہذیب نے عملی حیثیت سے۔ جدید مغربی تہذیب نے نظری طور پر بظاہر عورت کا درجہ بلند کرنے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ عورت اور مرد دونوں ہر حیثیت سے برابر ہیں۔ ہر وہ کام جو مرد کرتا ہے وہی کام عورت بھی کر سکتی ہے، لہٰذا عورت کو گھر سے باہر نکل کر زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کے برابر مقام حاصل کرنا چاہیے۔ عورت کے بارے میں تہذیب جدید کا یہ نظریہ بظاہر عورت کا درجہ بلند کرنے کے ہم معنی ہے لیکن عملی طور پر وہ عورت کا درجہ گرانے کے ہم معنی ثابت ہوا۔

اس سلسلہ میں امریکی ہفت روزہ میگزین ''ٹائم'' (Time) نے ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء میں امریکی عورت کے بارے میں بڑی اہم معلومات دنیا کو فراہم کیں۔ اس میں لکھا ہے کہ:

''امریکہ کی جدید عورت پر قریباً ایک صدی گزر چکی ہے۔ ۱۸۹۸ء میں اسکاٹ لینڈ کے ایک سیاح موئر ہیڈ نے لکھا تھا کہ مرد یہاں عورت کے مقابلہ میں جنس برتر کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ وہی محنت کے سارے کام کرتا ہے۔ مگر جدید نسوانی تحریک کے علم بردار کہتے ہیں، یہ ستم ظریفی ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے سیاح نے سو برس پہلے جو بات کہی تھی وہ اب بھی باقی ہے۔ اب بھی عورتیں ہی ہیں جو محکوم ہیں۔ (صفحہ ۱۵)

۱۹۶۴ء میں لنڈن جانسن نے ایک صدارتی حکم جاری کیا کہ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ سرکاری ملازمتوں میں لیا جائے۔ ۶۷ء میں فیڈرل سول سروس نے مکمل اعداد و شمار شائع کیے جس میں عورتوں کا تناسب بتایا گیا تھا۔ اونچے اسکیل کی سرکاری ملازمتیں جن کی تنخواہ ۲۸

Marfat.com

ہزار ڈالر سالانہ سے شروع ہوتی ہے، اس کے مطابق ۶۶ء میں صرف ۶ افیصد عہدے عورتوں کے پاس تھے۔ صدر نکسن نے وعدہ کیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ عورتوں کو سرکاری محکموں میں لیں گے، حتیٰ کہ انھوں نے عورتوں کی بھرتی کا ایک شعبہ وہائٹ ہاؤس (White House) میں کھول دیا مگر واشنگٹن کی عورتیں مشکل ہی سے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر پہنچ سکتی ہیں۔ یہاں کوئی عورت کبھی سپریم کورٹ کی جج نہ بن سکی۔ صرف دو عورتیں ہیں جنھیں امریکہ کی تاریخ میں کابینہ میں بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔ اس وقت صرف ایک عورت امریکی سینٹ میں ہے اور گیارہ عورتیں ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو (House of Representative) میں۔ نیو یارک واحد اسٹیٹ ہے جہاں ایک خصوصی ویمنز ایڈوائزری یونٹ (Womens Advisory uint) برائے گورنر قائم ہے لیکن اس کا بھی حال یہ ہے کہ اس کی سیاہ فام خاتون صدر نے کہا: ''ہم تو صرف ایک علامتی ایجنسی ہیں۔'' (صفحہ ۱۸) یہ ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ اب ہوسکتا ہے کچھ بہتری پیدا ہو گئی ہو۔

امریکہ میں کام کرنے والوں کے درمیان عورتوں کی تعداد ۴۰ فیصد ہے لیکن امریکہ کے تین لاکھ پچاس ہزار سائنس دانوں میں خاتون سائنس دان صرف ۱۰ فیصد ہیں۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری یافتہ خواتین مردوں کے مقابلہ میں بہت کم ہیں، اس لیے وہ اعلیٰ سائنسی عہدوں پر بہت کم پہنچ پاتی ہیں، مثال کے طور پر نیشنل اکیڈمی آف سائنس کے منتخب ممبروں کی تعداد ۸۰۰ سے زیادہ ہے جس میں خواتین کی تعداد صرف ۹ ہے۔ سائنس کا نوبل انعام پانے والے ۲۷۸ افراد میں صرف ۶ عورتیں شامل ہیں۔ حال ہی میں عورتوں کے سلسلہ میں پائے جانے والے رجحان میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے مگر یہ صوت حال اب بھی باقی ہے کہ وہ مردوں کے مقابلہ میں نسبتاً چھوٹے درجہ کے عہدوں کے لیے منتخب کی جاتی ہیں۔ (صفحہ ۲۰)

امریکی سپریم کورٹ کی عمارت کی پیشانی پر یہ فقرہ لکھا ہوا ہے کہ ''قانون کے تحت یکساں انصاف'' لیکن امریکی عورت پر یہ الفاظ بمشکل چسپاں ہوتے ہیں۔ سپریم کورٹ میں کوئی خاتون جج نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ سپریم کورٹ کے ۹ ججوں میں سے صرف ایک جج کے یہاں خاتون کلرک ہے۔ فیڈرل اپیل کورٹ کے ۹۷ ججوں میں صرف ایک خاتون جج ہے۔ فیڈرل ڈسٹرکٹ کورٹ کے ۴۰۲ ججوں میں چار کے سوا باقی سب مرد ہیں۔ سارے امریکہ میں تمام ججوں کی تعداد تقریباً ۱۰ ہزار ہے، ان میں صرف ۲۰۰ کے قریب عورتیں ہیں۔

۱۲۷۰۹۷

Marfat.com

کوئی اٹارنی جنرل خاتون نہیں۔ فیڈرل سروس میں ۹۳ ڈسٹرکٹ اٹارنی ہیں جو سب کے سب مرد ہیں۔

قانون کے پیشہ میں نسبتاً عورتیں کافی ہیں۔ جو عورتیں قانون کی تعلیم حاصل کرتی ہیں، ان کے ۱۷ سالہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ قانون دان عورتوں کی ۸۴ فیصد تعداد پرائیویٹ پریکٹس کرتی ہے، مگر خاتون وکلاء کی ۱۳ فیصد سے کم تعداد ایسی ہے جس کی آمدنی ۲۰ ہزار ڈالر سے اوپر ہے جب کہ مرد وکلاء میں ان کی تعداد ۵۰ فیصد ہے۔ تین لاکھ ۲۵ ہزار وکلا میں خواتین کی تعداد ۹ ہزار ہے جو ۲ فیصد سے کچھ زیادہ ہے۔ امریکن بار ایسوسی ایشن میں آج تک کوئی خاتون صدر نہ ہوسکی۔" (صفحہ ۵۰)

امریکی جریدہ ٹائم کی یہ پوری رپورٹ پڑھنے کے قابل ہے۔ ہم نے ان میں سے صرف چند سطور کا ترجمہ نقل کیا ہے تاکہ مشرق کے باسیوں کو پتہ چلے کہ اہل مغرب کے ہاتھیوں کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ ہمارے ملکوں میں وہ عورتوں کو وزیراعظم اور صدر تک بنا رہے ہیں اور خود امریکہ میں ابھی تک کوئی عورت نائب صدر کے عہدہ تک نہیں پہنچی اور نہ آئندہ پہنچے گی لیکن یہ ہماری حماقت ہے کہ ہم ان کے اگلے ہوئے لقموں کو بڑے شوق سے نگل رہے ہیں۔

یہ تھا جدید ملحدانہ تہذیب کا عورت کے بارے میں نظریہ مساوات، جس میں عورت روز بروز قعر مذلت میں گر رہی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے گیارہ شادیاں کر کے لوگوں کے لیے ایک نمونہ بتایا کہ شوہر کو اپنی بیویوں سے کیسا سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ آپ ﷺ نہ صرف مردوں کے لیے نمونہ تھے بلکہ عورتوں کے لیے بھی آپ ﷺ نے اپنی خانگی زندگی میں نمونہ مہیا کیا بلکہ آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہر عورت کے لیے نمونہ بنیں جنہوں نے تنگی ترشی میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ دوسرے لفظوں میں امت کی خانگی زندگی کو آسان بنانے کے لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی یہ ٹیم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مہیا فرمائی۔

سرکار دو عالم ﷺ کی متعدد شادیوں کے بارے میں جب اور کوئی قابل اعتراض بات مستشرقین کو نہ مل سکی تو انہوں نے آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو مختلف اعتراضات کا ہدف بنایا اور ایسے نازیبا الفاظ آپ کے بارے میں لکھے کہ ان کو نقل کرتے ہوئے بھی زبانِ قلم شق ہو جاتی ہے ملاحظہ ہو:

Marfat.com

1- J.W. H. Stobart: Islam and its Founder, .161

2- Cook Taylor: History of Muhammadanism and its Sects, P.85

اس کے علاوہ انھوں نے مسئلہ تعداد ازواج کو موضوع بحث بنایا اور اپنے کو عورتوں کا ہمدرد ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا کہ انسان کی فطرت وحدت ازواج اور یک زوجگی (Monogamy) کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے کہ بیک وقت کئی کئی بیویاں رکھے۔ یہ عورت کے ساتھ بڑی زیادتی ہے کہ آدمی ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری کو اپنے گھر لے آئے اور وہ اس کی حریف اور مدمقابل کی حیثیت سے زندگی بھر اس کے ساتھ لگی رہے۔ حالانکہ اسلام کے اس تعداد ازدواج (Polygamy) کے مسئلہ پر اعتراض کرنے والے خود کئی کئی داشتائیں (keeps) رکھے ہوئے ہیں۔ ان مستشرقین نے تعداد ازدواج کے اس مسئلہ کے بارے میں لوگوں میں اس قدر نفرت پیدا کی کہ بہت سے ممالک نے اس ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے تعداد ازدواج پر قانونی قدغن عائد کر رکھی ہے اور جن بعض مغربی ممالک نے اس پر قانونی پابندی عائد نہیں کی وہاں بھی تعداد ازدواج کو بڑی نفرت سے دیکھا جاتا ہے۔

تعداد ازدواج کے مسئلہ میں صرف اسلام کو ہدف تنقید بنانا صحیح نہیں کیونکہ تعدد ازدواج اگر کوئی جرم ہے تو اس کا ارتکاب صرف اسلام ہی نے نہیں کیا ہے بلکہ ع

ایں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مسلمانوں کے علاوہ دنیا کی بیشتر اقوام میں اس کا رواج تھا۔ مختلف مذاہب کی قانونی سند اور اخلاقی جواز اسے حاصل تھا اور اسے کوئی جرم یا گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی اس کا بہت رواج تھا۔ (Status of Women in Ancient India, P.66) ہندوستان کے تمام ہیرو اور بڑے بڑے لوگوں کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔

(Antiquities of India, P.113.114)

تورات کے مطابق سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کی بھی کئی سو بیویاں تھیں۔ سیدنا یعقوب اور موسیٰ علیہما السلام کی بھی تین تین چار چار بیویاں تھیں لیکن نہ کسی یہودی نے ان پر کوئی اعتراض کیا اور نہ کسی عیسائی نے ہی انھیں ہدف تنقید بنایا۔ جرمنی، فرانس، اٹلی، مصر، یونان،

Marfat.com

آسٹریلیا اور یورپ کا اور کون سا ملک ہے جہاں تعدادِ ازدواج نہیں تھا۔ خود انجیل میں بھی کہیں تعدد ازدواج کی مخالفت نہیں کی گئی۔ یورپ کے بے شمار دانشوروں نے اس کی حمایت کی ہے کیونکہ یہ فطرت انسانی کے عین موافق اور انسان کی عفت وعصمت کا محافظ ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ موجودہ یورپ نے صرف اسلام کی مخالفت کے لیے تعدد ازدواج کے اسلامی قانون کو اپنا نشانہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود یورپ میں نسوانی ناموس کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی، بلکہ نسوانی ناموس لٹ رہا ہے، لٹایا جا رہا ہے، برسر بازار سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کو آزادیٔ نسواں کا نام دے کر خوشی سے ڈھول پیٹے جا رہے ہیں اور اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یورپ میں یک زوجگی کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے اور اکثریت بغیر نکاح کے میاں بیوی بن کر رہ رہے ہیں اور کوئی پادری انھیں ٹوکنے روکنے والا نہیں بلکہ پادری تو خود اس جرم میں مبتلا ہیں۔

یورپ کے انہی حالات سے متاثر ہو کر اب یورپ کے ارباب فکر و دانش نے تعدد ازدواج کے جواز کو تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لیے سترھویں صدی سے کثرت ازواج کا چرچا شروع کیا گیا۔ چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زنا کاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لیے کثرت ازواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابل اعتماد اور صاحب کردار پادری نے اس مسئلہ کی تائید میں ایک کتاب لکھی۔ مشہور ماہر جنسیات جیمس ہلٹن (James Hilton) نے فحاشی اور زنا کاری کو روکنے کے لیے کثرت ازواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ (اسلام اور جنسیات: ص ۲۸۶)

شوپن ہار نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ایک بیوی پر اکتفا کرنے والے کہاں ہیں؟ میں انھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص ''کثرت ازواج'' کا قائل ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے مرد پر کسی قسم کی تحدید عائد نہ ہونی چاہیے۔''

(ایضاً: ص ۲۸۵)

مشہور ماہر جنسیات کیلی چن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

Marfat.com

''گو انگلستان میں کثرت ازواج کے اصول پر عمل ہوتا ہے لیکن سوسائٹی اور قانون نے ابھی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ سوسائٹی ان اشخاص کے اعمال پر خاموش رہتی ہے جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں لیکن سوسائٹی چیخ اٹھتی ہے جب کوئی شخص یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ مرد کو ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیے۔

(اسلام اور جنسیات: ص ۲۸۷)

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں عورتوں کی کثرت ہے اور ان کے مقابلہ میں آدمی قلیل ہیں، لہٰذا اس وجہ سے یورپ کے ارباب فکر ونظر تعدد ازدواج کو قانونی درجہ دینے کے درپے ہیں۔ علاوہ ازیں یورپ کے نظریۂ یک زوجگی نے وہاں فحاشی اور بے حیائی کا طوفان برپا کر دیا ہے۔ ایک ایک آدمی نے پانچ پانچ چھ چھ داشتائیں اور کال گرلز رکھی ہوتی ہیں، اس وجہ سے بھی اب اسلام کے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہو رہا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ:

''لوگ سمجھتے ہیں کہ تعدد ازدواجی اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے لیکن یہ غلط ہے۔ اصل میں مقابلہ ہے محدود تعدد ازدواجی کا لامحدود حرامکاری سے۔ اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعدد ازدواجی کی اجازت اس لیے دیتا ہے کہ لامحدود حرام کاری کا سد باب ہو لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لامحدود حرام کاری کے انسداد کا کوئی طریقہ نہیں۔ اسی لیے تو وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں، مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیری کے لیے منہ کالا نہ کرنا چاہیے۔''

(زمزم، لاہور: ۱۵ ستمبر ۴۵ء)

تعدد ازدواج مرد کی ایک ضرورت ہے اور اس کا رجحان بھی چونکہ مرد کے اندر فطری طور پر ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا رجحان ہے۔ جن مردوں کے اندر اس کا شدید رجحان ہے، ان کو اگر تعدد ازدواج کی اجازت نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ غلط اور ناجائز طریقہ سے اس کی تسکین کا سامان تلاش کرنے لگیں گے۔ چنانچہ مغرب کا تجربہ ہمارے سامنے ہے کہ وہاں تعدد ازدواج پر پابندی لگانے سے زنا اور بے ضابطہ جنسی تعلق اتنا عام ہو گیا ہے کہ اب وہ خود بھی

Marfat.com

سر پیٹ رہے ہیں۔ ہر شخص نے متعدد داشتائیں رکھی ہوئی ہیں اور وہ ان تمام حقوق سے محروم ہیں جو ایک بیوی کو قانون کی رو سے حاصل ہیں۔ پھر بعض اوقات تعدد ازدواج مرد کی ایک جائز ضرورت ہے کیونکہ جنسی خواہش ایک فطری خواہش ہے۔ جو افراد اس پر قابو نہیں پا سکتے ان کے لیے ایک عورت کافی نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت حیض، نفاس، حمل اور رضاعت سے مسلسل گزرتی ہے۔ ان حالات میں اس کے جنسی جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ مرد کے جذبات کا پوری طرح ساتھ نہیں دے سکتی۔ علاوہ ازیں ان ایام میں جنسی تعلق رکھنے سے بعض دفعہ عورت کئی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور یہ بات میاں بیوی دونوں کی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ حمل، ولادت اور رضاعت کی وجہ سے عورت کا جسمانی نظام بہت متاثر ہوتا ہے اور عورت جلد بوڑھی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے برعکس مرد دیر تک جوان رہتا ہے۔ اس وجہ سے بھی اکثر دفعہ اس کو دوسری بیوی کی ضرورت ہوتی ہے۔

بعض دفعہ تعدد ازدواج نہ صرف مرد کے لیے مفید ہوتا ہے بلکہ عورت کی بھی یہ احتیاج ہوتی ہے۔ مثلاً ایک عورت بانجھ ہے اور مرد اولاد کا شدید خواہش مند۔ اب اس کے سامنے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں ایک یہ کہ وہ پہلی بیوی کے ساتھ ایک اور بیوی رکھ لے اور دوسری یہ کہ وہ پہلی کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لے۔ طلاق کی صورت میں عورت بے سہارا ہو جائے گی۔

یا عورت دائم المریض ہو یا کسی ایسی پیچیدہ نسوانی بیماری میں مبتلا ہو کہ اس سے ازدواجی تعلق رکھنا مشکل ہو۔ اس صورت میں کیا یہ اس کے حق میں مفید ہوگا کہ مرد اس کو طلاق دے کر دوسری عورت سے شادی کر لے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مرد اس کو ساتھ رکھتے ہوئے دوسری شادی کر لے۔

بعض دفعہ تعدد ازدواج ایک سماجی ضرورت بھی ہوتی ہے جب کہ جنگوں میں مرد کام آ جاتے ہیں اور عورتوں کی تعداد سماج میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ افرادی قوت پیدا کرنے کے لیے تعداد ازدواج ایک بہترین ذریعے ہے۔

تعدد ازدواج کی اجازت اسلام نے جنسی ہوس رانی اور عیاشی کے لیے نہیں دی ہے بلکہ اس پر مختلف حدود و قیود قائم کر دی ہیں۔ پھر اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت ہے حکم نہیں ہے۔ اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا

Marfat.com

ہے۔اس پر زندگی بھر عمل نہ ہو تب بھی آدمی گنہگار نہ ہو گا اور نہ ہی اس کے تقویٰ اور دینداری میں کوئی فرق آئے گا۔ دوسرے اسلام نے تعدد ازدواج کی ہمت افزائی نہیں کی بلکہ اس کی پیچیدہ ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلا کر دوسرے معنوں میں اس کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ خیال بھی غلط ہے کہ تعدد ازدواج صرف عیاشی کے لیے ہوتا ہے۔ یہ ہمدردی کی بھی ایک صورت ہے۔ مثلاً اگر کوئی جوان عورت غیر شادی شدہ رہ جائے یا بیوہ ہو جائے اور اس کی معاشی ذمہ داری اٹھانے والا بھی کوئی نہ ہو، اس کے ساتھ اگر ایک شخص محض اس کی ہمدردی میں دوسری بیوی کی حیثیت سے شادی کر لے تو کیا یہ اس نے غلط کام کیا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ اس عورت کے ساتھ ایک قسم کی ہمدردی ہے۔ جو ہر شخص نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ تعدد ازدواج کا حکم نہیں بلکہ صرف اجازت ہے لیکن یہ اجازت بھی بعض قیود وشرائط کے ساتھ ہے:

① مرد مالی لحاظ سے اس حیثیت میں ہو کہ پہلی بیوی کے ساتھ دوسری بیوی کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے اور اس کے لیے مکان فراہم کرے۔ بعض فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر دوسری بیوی پہلی کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو اس کو الگ مکان مہیا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ (ردالمختار علی الدرالمختار: ۹۱۲/۲)

رسول اللہ ﷺ نے ہر بیوی کو الگ مکان مہیا کیا ہوا تھا حالانکہ وہ قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق دوسری عورتوں کی طرح نہ تھیں (احزاب: ۳۲) اور وہ اکٹھی رہ سکتی تھیں۔

② شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو معروف کے مطابق بیوی سے ہمبستری (مباشرت) کرنی چاہیے یہ اس کے کھانے پینے کے نظم سے زیادہ اہم ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۷۱/۳۲)

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں کہ:

③ ''اگر آدمی مالی اور جسمانی لحاظ سے چار شادیوں کی طاقت رکھے تو چار کرے اور اگر اس کی مالی حالت یا جنسی تعلق کے لیے اس کی جسمانی حالت اس کی متحمل نہ ہو تو اسے صرف اتنی ہی شادیاں کرنی چاہئیں جتنی کی وہ طاقت رکھتا ہے۔''

(احکام القرآن: ۱۳۰/۱)

④ تعدد ازدواج میں اسلام نے تمام امور میں عدل و مساوات کی شرط بھی عائد کی ہے۔

Marfat.com

چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء:۴:۳)

''اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم ان کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو ایک بیوی پر ہی اکتفا کرو۔''

''اگر کسی کو خوف ہو کہ وہ چار بیویوں کے درمیان عدل قائم نہیں رکھ سکے گا تو اسے تین ہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اگر اندیشہ ہو کہ وہ تین میں بھی عدل نہیں کر سکے گا تو اسے دو پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اور اگر دو کے مابین بھی عدل کا یقین نہ ہو تو صرف ایک پر اکتفا کرنا چاہیے۔'' (احکام القرآن، جصاص:۲/۶۴)

پھر حدیث میں بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید فرمائی۔ فرمایا:

''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط ہوگا۔''

(مشکوٰۃ، باب القسم بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تعدد ازدواج نہ صرف اسلام میں جائز ہے بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی وہ جائز تھا اور اب اگر وقتی طور پر انھوں نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے تو آہستہ آہستہ وہ اس کی افادیت سے روشناس ہو کر اس کو قانونی طور پر جائز قرار دے رہے ہیں۔ اسلام میں تعدد ازدواج تعیش کے لیے نہیں بلکہ یہ ایک انفرادی اور سماجی ضرورت ہے جس کو پورا کیا گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جو متعدد نکاح کیے تھے وہ بھی کسی تعیش کے لیے نہیں کیے تھے بلکہ ایک دینی ضرورت کے تحت کیے تھے تاکہ آپ کی خانگی اور اندرونی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیاء وحجاب مانع ہوتا ہے، ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعے سے ہو جائے۔

آپ کے متعدد عورتوں سے نکاح معاذ اللہ حظ نفس کے لیے نہ تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے سوائے ایک نکاح کے باقی تمام نکاح بیواؤں سے کیے جو نہ اپنے حسن وجمال کی

Marfat.com

بنا پر مشہور تھیں اور نہ مال و دولت کے اعتبار سے ممتاز بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا اور نہ آپ ﷺ کے یہاں کوئی عیش و عشرت کا سامان تھا بلکہ فقط عورتوں کے مسائل کی تبلیغ ان کے ذریعے تھی۔ بھلا سوچئے تو سہی کہ جس ذات بابرکات کے گھر میں دو دو مہینے چولہا نہ جلتا تھا اور پانی اور کھجوروں پر اس کا اور اس کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا گزارا تھا اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑا ہوئے اس طرح گزرتی ہو کہ پاؤں متورم ہو جاتے تھے وہ کیا عیش وعشرت کرے گا؟ اسی وجہ سے مشہور مستشرق لین پول نے لکھا ہے کہ ''تعدد ازدواج سے آپ ﷺ کا مقصد متعدد قبائل کی عداوت کو محبت و الفت میں تبدیل کرنا تھا نہ کہ حظِ نفس۔''

(S.Lane-Poole: Study in a Mosque, P.78)

ہمارے اس دعویٰ کی تائید ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حالات پڑھ کر آپ کو ہوگی۔

آخر میں اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر کتاب میں کوئی غلطی یا فروگزاشت محسوس کریں یا کسی موضوع پر نظر ثانی کی ضرورت سمجھیں تو احقر کو اس سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں آپ کے مشوروں پر عمل کیا جا سکے۔

کتاب میں کچھ روایات ایسی ہیں جو اگرچہ روایتاً تو صحیح ہیں لیکن درایتاً وہ صحیح نہیں ہیں، لیکن ہم نے ان کو پھر بھی نقل کر دیا ہے۔ ان روایات کا زیادہ تر تعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہونے کے ناطے کچھ لوگوں نے ان کے بارے میں بہت غلط اور موضوع روایات کتابوں میں نقل کر دی ہیں۔ بعض روایات کے بارے میں ہم نے یہ لکھ بھی دیا ہے کہ روایت عقل سلیم کے خلاف ہے کیونکہ جب قرآن حکیم نے پیغمبر ﷺ کی بیویوں کو عام عورتوں کی طرح نہیں کہا، تو وہ عام عورتوں جیسے کام کیسے کر سکتی ہیں اور ان کی عادات و خصائل عام عورتوں کی طرح کیسے ہو سکتی ہیں؟

اللھم صل وسلم دئما ابداً
علی حبیبك خیر الخلق کلھم

محتاج دعا: (حکیم) محمود احمد ظفر
0300-6106968

Marfat.com

پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل بیت

ہر انسان جو اس دنیا میں آیا ہے وہ آل اولاد والا ہے۔ اس کا ایک خاندان بھی ہے اور اعزاء اور اقربا بھی، ہر نبی اور رسول بھی کسی خاندان اور قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور وہ آل اولاد والا بھی ہوتا تھا۔ اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ کا بھی ایک خاندان اور آل اولاد تھی جن کو اہل بیت کہتے ہیں۔

اہل بیت کون ہیں؟

اہل بیت کے بارے میں مشہور دو مسلک ہیں: ایک اہل سنت کا مسلک ہے اور دوسرا شیعہ حضرات کا۔ شیعہ حضرات کے ہاں اہل بیت کو نہایت محدود معنوں میں لیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں اہل بیت رسول ﷺ سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو وہ اہل بیت نبوت میں شمار نہیں کرتے۔ گویا وہ اس شعر کے مصداق ہیں کہ:

اہل گلشن کے لیے بھی باب گلشن بند ہے
اس قدر کم ظرف کوئی باغبان دیکھا نہیں

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت نبوت سے خارج کرنا یہ ان کی جہالت اور لغت عرب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اہل بیت نبوت نے اسلامی معاشرہ میں ایک خاص مفہوم اختیار کر لیا ہے جس سے شیعہ حضرات کے ہاں اس سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یعنی یہ چار تن ہیں، اور ان میں پانچواں تن جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، یہ پانچوں مل کر شیعہ حضرات کے ہاں ''پنج تن'' کہلاتے ہیں۔

Marfat.com

بعد میں ان حضرات نے اسی مفہوم میں کچھ وسعت پیدا کر کے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد ذکور پر ان اصلاحات کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ پھر بعد میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحب زادیاں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جن کے نکاح بالترتیب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئے تھے، کی اولاد اور ان تمام سیدات کو جن کے نکاح غیر سادات کے ساتھ ہوئے، ان کی اولاد کو خارج کر دیا گیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عترت رسول کے مفہوم سے یک قلم خارج کر دیا گیا جو کہ ایک بہت بڑی زیادتی تھی۔

لفظ آل کے معنی لغت میں:

لفظ آل کے لغوی معنی میں ائمہ لغت کے دو مختلف مبحث ہیں:

پہلا مبحث یہ ہے کہ اس لفظ کا اصل کیا ہے؟ اور دوسرا مبحث لفظ ''آل'' اور ''اہل'' کے استعمال اور معنی کے لحاظ سے ہے۔

لفظ آل پر بحث فرماتے ہوئے حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم فرماتے ہیں:

''آل، قوم، گھر کے لوگ، متبعین اور دوست۔ آل کی اصل کیا ہے اس کے بارے میں اہل علم ولغت میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ دراصل ''اہل'' تھا۔ اسی بنا پر جب اس کی تصغیر کی جاتی ہے تو اصل کی طرف لوٹا کر اہیل کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک اس میں جو دوسرا لفظ ہے وہ ''ہا'' کے بدلے میں آیا ہے۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ ''ہ'' ہمزہ سے بدل گئی ''أ ء ل'' ہوا۔ اب دو ہمزہ ایک ساتھ جمع ہوئے لہٰذا دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل لیا تو ''آل'' ہو گیا۔

دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل ''اَوَل'' تھا جس کے معنی لوٹنے کے ہیں۔ واؤ کو الف سے بدلا گیا تو اَل ہو گیا۔ اور جو شخص کہ کسی طرف قرابت اور دوستی میں لوٹے، وہ اَل سے موسوم ہوا۔ ابوالحسن بن الباذش اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اسی بنا پر یونس اس کی تصغیر اُوَیل بیان کرتے ہیں۔ اور کسائی نے تو اہل عرب سے صراحۃً اُوَیل ہی نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں سیبویہ جو عربیت اور نحو کے امام ہیں، حروف کی باہمی تبدیلی کے

Marfat.com

باب میں کہیں یہ ذکر نہیں کرتے کہ ہا، ہمزہ سے بدل جاتی ہے حالانکہ انھوں نے ھرقت ھیاء ہرقت ہیاك کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں ہمزہ ہا میں بدل لیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ دوسرے خیال کی تقویت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آل کی اضافت کسی قابل تعظیم شخص ہی کی طرف ہوتی ہے۔ چنانچہ ''آل القاضی'' بولتے ہیں اور ''آل الحجام'' نہیں بولتے۔ اس کے برخلاف لفظ اہل کے استعمال میں یہ چیز ملحوظ نہیں رکھی جاتی۔

اسی طرح بیشتر آل کی اضافت غیر ذوی العقول کی طرف بھی نہیں ہوتی۔ نیز اکثر و بیشتر علماء کے نزدیک ضمیر کی طرف بھی وہ مضاف نہیں ہوتا۔ گو بعض علماء کی کے ساتھ اس کے استعمال کو روا رکھتے ہیں۔ چنانچہ عبدالمطلب کے اصحاب الفیل کے قصہ میں جو چند ابیات کہے تھے، ان میں سے ایک شعر میں یہ اضافت ثابت بھی ہو چکی ہے:

وانصر علیٰ آل الصُلیب وعابدیه الیوم الك

''یعنی آج تو صلیب والوں اور ان کے پرستاروں پر اپنے بندوں کو فتح مند کر دے۔''

آل فلاں کا اطلاق کبھی تو صرف آل پر ہوتا ہے اور کبھی آل اور مضاف الیہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جب صرف آلِ فلاں کہا جائے گا تو اس صورت میں مضاف الیہ بھی اس کے معنی میں داخل ہوگا، مگر یہ کہ کوئی قرینہ وہاں ایسا موجود ہو جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مضاف الیہ مراد نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''انا آل محمد لاتحل لنا الصدقة'' (ہم آل محمد ﷺ کے لیے صدقہ حلال نہیں) یہ اسی کے شواہد میں سے ہے، کیونکہ یہاں آل محمد ﷺ کے مفہوم میں خود سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی بھی داخل ہے۔ اور جب دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا جائے تو پھر مضاف الیہ اس کے مفہوم میں نہیں ہوگا جیسے ''اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد'' کہ یہاں آل محمد ﷺ کے لفظ میں آپ ﷺ کی ذات گرامی داخل نہیں ہوگی۔ غرض آل فلاں کا لفظ فقیر اور مسکین، ایمان اور اسلام، فسق اور عصیان کی طرح ہے کہ جب ان میں سے ایک بولا جائے گا تو دوسرا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہوگا، اور جب دونوں ایک ساتھ آئیں گے تو پھر یہ ایک دوسرے کے مفہوم میں داخل نہیں ہوں گے۔ یاد رہے کہ باعتبار لغت

Marfat.com

آل کے معنی میں قرابت دار، احباب اور پوری قوم داخل ہے۔ چنانچہ درود شریف والی حدیث میں ''آل محمد ﷺ'' میں تمام صلحائے امت مراد ہیں۔'' (لغات القرآن: ۱/۲۰۳)

اسی طرح قرآنی لغت کے مشہور امام راغب اصفہانی اپنی کتاب ''المفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں ''الآل: بعض کہتے ہیں کہ آل اصل میں اہل تھا کیونکہ اس کی تصغیر "اُهیل" آتی ہے، لیکن یہ لفظ انسانوں سے کسی علم کی طرف مضاف ہوتا ہے لہٰذا اسم نکرہ یا زمان ومکان کی طرف اس کی اضافت جائز نہیں۔ اس وجہ سے "آل فلان" کا محاورہ تو استعمال ہوتا ہے لیکن "آل رجل"، "آل زمان" یا "آل موضع" نہیں بولا جاتا اور نہ ہی "آل الخیاط" (درزی کا خاندان) بلکہ یہ ہمیشہ صاحب شرف اور افضل ہستی کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے ''آل اللہ'' اور "آل السلطان"۔

لیکن اس کے برعکس "اهل" کا لفظ ہر ایک کی طرف مضاف ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح "اهل زمن کذا وبلد کذا" اسی طرح "اهل الله واهل الخیاط" بھی کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ "آل النبی" سے آپ ﷺ کے رشتہ دار مراد ہیں، اور بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھیں علم ومعرفت کے لحاظ سے آپ ﷺ کے ساتھ خصوصی تعلق ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اہل دین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو علم وعمل کے لحاظ سے راسخ القدم ہوتے ہیں۔ ان پر "آل النبی وامته" دونوں لفظ بولے جاسکتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جن کا علم سراسر تقلیدی ہوتا ہے، انھیں "امة محمد علیه الصلوٰة والسلام" تو کہا جاتا ہے لیکن "آل محمد" نہیں کہہ سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "امة النبی و آله" میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے یعنی کل آل محمد للنبی امته، ولیس کل امته آل له۔

سیدنا جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ لوگ تمام مسلمانوں کو "آل النبی" میں داخل سمجھتے ہیں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ سائل نے عرض کیا یہ کیسے؟ فرمایا: ''غلط تو اس لیے کہ تمام امت آل النبی میں داخل نہیں ہے، اور صحیح اس لیے کہ اگر وہ شریعت کے کماحقہ پابند ہو جائیں تو انھیں آل النبی کہا جاسکتا ہے۔

(مفردات القرآن: ص ۵۷ تحت لفظ آل)

اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ کا مقالہ نگار آل کے بارے میں لکھتا ہے:

Marfat.com

''آل النبی میں ہاشم اور عبدالمطلب کی اولاد شامل ہے لیکن ادھر تو شیعوں نے اس لفظ کا مفہوم اتنا محدود کر دیا ہے کہ اس سے صرف آنحضرت ﷺ کے سب سے قریبی اعزاء اور اخلاف مراد لیے اور ادھر اہل سنت نے اس قدر وسیع کر دیا کہ آپ کی تمام امت کو اس میں شامل کر دیا۔ بعد میں یہ لفظ کسی حکمران کے خاندان کے لیے استعمال ہونے لگا، مثلاً آل عثمان یعنی خاندان عثمان، آل بوسعید یعنی عمان اور زنجبار کے حکمرانوں کا خاندان، آل فیصل، آل سعود جو عرب کے سعودی خاندان کا سرکاری لقب ہے۔'' (اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ: ۱/۱۹۵)

لفظ آل کی اصل کے بارے میں ائمہ لغت کے کئی اقوال ہیں جن میں دو قول زیادہ مشہور ہیں: ان میں پہلا قول علمائے بصرہ اور سیبویہ کا ہے کہ ''آل'' اصل میں ''اھل'' تھا۔ ''ہا'' کو ہمزہ میں بدل دیا، پھر اس ہمزہ کو الف سے بدلا تو ''آل'' بن گیا۔ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ ائمہ عربیہ کے نزدیک یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ اسم کو تصغیر کے وقت اس کے اصل کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ اگر اسم میں کوئی حرف دوسرے حرف سے بدلا ہوا ہو تو اصل حرف کو لاتے ہیں۔ پھر اس کی تصغیر بناتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ''آل'' کی تصغیر ''اُھیل'' آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ''ہا'' ہے۔

''لسان العرب'' کے مولف علامہ ابن منظور افریقی لفظ ''آل'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وآل الرجل اهله، آل الله و آل رسوله اولياءه اصلها اهل، ثم ابدلت الهاء همزة فصارت فى التقدير أ أل فلما توالت الهمزتان ابدلوا الثانية الفاً كما قالوا أدم وأخر۔ (لسان العرب: ۱۱/۳۰)

''آدمی کی ''آل'' اس کی اہل وعیال ہوتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی آل ان کے دوستوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ اصل میں ''اھل'' تھا۔ پھر ھا کو ہمزہ میں تبدیل کیا گیا تو أ ألٌ ہو گیا۔ جب لگاتار دو ہمزے آئے تو اہل عرب نے دوسرے ہمزہ کو الف میں تبدیل کر دیا جیسا کہ آدم اور آخر میں کیا گیا۔''

دوسرا قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ آل کی اصل اَوَل بفتح الواو ہے۔ واو متحرک ماقبل

Marfat.com

مفتوح واو کو الف سے بدلا تو اٰل بن گیا جیسا کہ باب اور ناب اسموں میں اور قال اور عاد وغیرہ افعال میں ان کی تعلیل کی جاتی ہے۔ یہ رائے علماء کوفہ، کسائی اور یونس کی ہے۔

پہلے قول پر جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ اس دوسرے قول پر وارد نہیں ہوتے۔ نیز اس قول پر خروج عن القیاس لازم نہیں آتا بخلاف پہلے قول کے، کیونکہ ''ہا'' کو ہمزہ سے اور ہمزہ کو الف میں تبدیل کرنا خلاف قیاس ہے، اور اس لحاظ سے بھی اس دوسرے قول کو پہلے قول پر ترجیح ہے کہ اس میں تصرف کم ہے اور پہلے قول پر تصرف زیادہ ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اصح قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۲/۴۶۳)

اب رہا لفظ آل کا معنی؟ علماء نے لکھا ہے کہ اس کا معنی ''آل کل شئی شخصه'' یعنی کسی چیز کی آل کے معنی اس چیز کی اپنی شخصیت ہے۔ قرآن میں اسی مفہوم کے لیے ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ﴾ (البقرۃ:۲:۲۴۸)

''اس صندوق میں تمھارے رب کی طرف سے سامان تسکین اور موسیٰ اور ہارون کے بقیہ متروکات ہیں۔''

یہاں اولاد موسیٰ اور اولاد ہارون کے متروکات ثابت نہیں کیے جا رہے بلکہ آیت میں آل موسیٰ اور آل ہارون سے مراد خود ان دونوں پیغمبروں کی اپنی شخصیت ہے۔ آل الرجل: اهله وعیاله واتباعه وانصاره یعنی کسی آدمی کی آل کے معنی ہیں اس کے بال بچے، اس کے پیروکار اور اس کے مددگار ہیں۔

آل لغت میں اہل کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ قمر میں ہے:

﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ﴾ (قمر)

''یعنی بھیجی ہم نے ان پر آندھی پتھر برسانے والی سوائے لوط کے گھر کے۔''

اور سورۃ عنکبوت میں سیدنا لوط علیہ السلام کے ذکر ہی میں ہے۔

﴿لننجینه واهله﴾ (عنکبوت)

''یعنی ہم بچالیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں۔''

Marfat.com

ان دونوں سے معلوم ہوا کہ اگر سیدنا لوط علیہ السلام کے ساتھیوں کو اہل لوط کہا گیا ہے تو دوسرے مقام پر انھی کو آل لوط کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس لیے معنی کے لحاظ سے ان دونوں الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے ''آل'' کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آل سے آپ ﷺ کے وہ رشتہ دار اور قرابت دار مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد امت مسلمہ ہے، اور امام لغت نشوان حمیری نے بھی یہی مراد لیا ہے۔ اس بارے میں ان کا ایک شعر ہے:

آل النبی ہم اتباع ملتہ — من الاعاجم والسودان والعرب
لولم یکن آلہ الا قرابتہ — صلی المصلی علی الطاغی ابی لھب

''عجم، سوڈان اور عرب میں آپ ﷺ کے متبعین پر مشتمل آپ کی آل ہے۔ اگر (یہ غلط) بات مان لی جائے کہ آل سے مراد صرف رشتہ دار ہوتے ہیں تب تو درود شریف پڑھنے والے کا درود بے ایمان اور طاغوت ابولہب پر بھی پہنچے گا۔''

خواجہ عبدالمطلب کا ایک قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

وانصر علیٰ آل الصلیب — وعابدیہ الیوم آلك

آل صلیب سے مراد اس کے پیرو ہیں۔ (فتح الملہم: ۱/۷۴)

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''آل فرعون سے قوم، پیروکار اور اس کے ہم مذہب لوگ مراد ہیں۔ اسی طرح ''آل رسول ﷺ'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو آپ ﷺ کے زمانہ اور آپ کے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد آپ ﷺ کے دین پر قائم ہوں، خواہ وہ آپ کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ جو شخص سرکار دو عالم ﷺ کے دین پر نہ ہو وہ نہ آپ کی آل میں شامل ہے نہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں، اگرچہ وہ آپ ﷺ کا نہایت قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن روافض اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آل رسول ﷺ صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ ان

Marfat.com

کے علاوہ آل رسول ﷺ میں کسی اور کو شامل نہیں کرتے۔ روافض کے خلاف ہماری دلیل حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد ہے: "اغرقنا آل فرعون" یعنی فرعون کے پیروکاروں کو ہم نے غرق کر دیا۔ "ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" یعنی فرعون کے پیروکاروں کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ یہاں اتباع اور پیروکاروں کے مراد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فرعون کی نہ کوئی اولاد تھی اور نہ باپ، چچا اور بھائی تھا اور نہ کوئی اس کا عصبہ تھا۔ اور اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص مومن اور موحد نہ ہو وہ "آل محمد ﷺ" میں داخل نہیں ہے اگرچہ وہ حسب ونسب میں آپ ﷺ کا قریبی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ابولہب اور ابوجہل آپ ﷺ سے رشتہ قرابت رکھنے کے باوجود آپ ﷺ کے آل اور اہل میں شامل نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ان کے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ ایمان دار نہیں ہے۔" (تفسیر قرطبی: ۱/۳۸۱)

آل اور اہل کے استعمال میں فرق:

"آل" اور "اہل" میں استعمال کی رو سے یہ فرق ہے کہ "آل" کا مضاف الیہ خاص شخص وہی ہوتا ہے جس کو شرافت دارین یا شرافت دنیا حاصل ہو جیسے آل موسیٰ، آل ہارون اور آل فرعون وغیرہ۔ اور اہل کا مضاف الیہ عام ہے۔ ہم آل الحجام نہیں کہہ سکتے بلکہ اہل الحجام کہیں گے۔ اس بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

"لفظ اہل کی اضافت بے جان اور غیر ذی شان چیزوں کی ہوتی ہے جیسے کہ عرب لوگ بولتے ہیں "اہل البیت"، "اہل المدینۃ"، "اہل الفقیر" اور "اہل المسکین"۔ لیکن اس کے مقابلے میں آل کے لفظ کی اضافت کسی ایسی اہم شخصیت کی طرف ہوتی ہے جو دوسروں کے رجوع یا ان کے امور کی حفاظت ونگرانی کا مرکز ہو، اور اسی آل سے لفظ الایالہ بنا ہے جس کے معنی سیاست کے ہیں۔ پس آل الشخص ان کو کہیں گے جو کسی کے پاس پناہ پکڑیں اور اس کی طرف رجوع کریں۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۲/۴۶۳)

امام رازی قدس سرہ نے بھی اپنی تفسیر کبیر میں یہی کچھ لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر: ۳/۶۷)

Marfat.com

شیعہ حضرات کے نزدیک بھی ''آل'' کا لفظ کثرت کے ساتھ پیروکار اور قوم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مقبول دہلوی نے "واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون" کا ترجمہ کیا ہے کہ ''اور تمھارے دیکھتے دیکھتے فرعون والوں کو ڈبو دیا۔''

اور ملا فتح علی کاشانی نے آیت ﴿واذ نجینا کم من آل فرعون﴾ کے تحت لکھا ہے:

﴿اذا اتباع ومتعلقان فرعون﴾

''یعنی فرعون کے متبعین اور متعلقین سے۔'' (تفسیر منہج الصادقین: ۱/۱۸۲)

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''رہا آل کا لفظ تو وہ محض حضور ﷺ کے خاندان والوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ سب لوگ آ جاتے ہیں جو آپ ﷺ کے پیرو ہوں اور آپ ﷺ کے طریقہ پر چلیں۔ عربی لغت کی رو سے آل اور اہل میں فرق یہ ہے کہ کسی شخص کی ''آل'' وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگار اور متبع ہوں خواہ وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں، اور کسی شخص کے اہل وہ سب لوگ کہے جاتے ہیں جو اس کے رشتہ دار ہوں خواہ وہ اس کے ساتھی، متبع ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن حکیم میں چودہ مقامات پر ''آل فرعون'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان میں سے کسی جگہ بھی آل سے مراد محض فرعون کے خاندان والے نہیں ہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اس کے ساتھی تھے۔ پس آل محمد ﷺ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو محمد (ﷺ) کے طریقے پر نہ ہو خواہ وہ خاندان رسالت ہی کا ایک فرد ہو، اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضور (ﷺ) کے نقش قدم پر چلتا ہو خواہ وہ حضور ﷺ سے کوئی دور کا نسبی تعلق نہ رکھتا ہو، البتہ خاندان رسالت کے وہ افراد بدرجۂ اولیٰ آل محمد ﷺ ہیں جو آپ ﷺ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہوں اور آپ ﷺ کے پیرو بھی ہوں۔''

(تفہیم القرآن: ۴/۱۲۶)

رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں بھی ''آل'' کا لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان روایات سے محض چار تن مراد لینا اور سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خارج قرار دینا نری جہالت ہے اور ان ذواتِ قُدسیہ کی توہین کے مترادف ہے بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

Marfat.com

کو اذیت دینا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

((فاطاف بآل رسول الله صلی الله علیه وسلم نساءٌ کثیرٌ یشکون ازواجهن، فقال النبی صلی الله علیه وسلم لقد طاف بآل محمد نساء کثیر یشکون ازواجهن لیس اولئك بخیارکم)) (ابوداؤد، ابن ماجہ)

''یعنی بہت سی عورتیں آل رسول ﷺ (یعنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کے پاس جمع ہوئیں اور اپنے شوہروں کی شکایات کرنے لگیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آل محمد ﷺ (گھر والیوں) کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوند کی زیادتی کی شکایات کر رہی ہیں۔ (یاد رکھو اپنی بیویوں کو تنگ کرنے والے) اچھے لوگ نہیں ہیں۔''

ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

انا کنا آل محمد صلی الله علیه وسلم لنمکث شهراً ما نستوقد بنار ان هو الا التمر والماء (مسلم، کتاب الزہد، رقم: ۷۳۷۵، ترمذی، رقم: ۲۴۷۱)

''ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ بھر تک آگ نہ سلگاتے، صرف کھجور اور پانی پر گزارا کرتے۔''

ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

ماشبع آل محمدٍ من خبز شعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم

(مسلم، کتاب الزہد، رقم: ۷۳۷۱، ترمذی، رقم: ۲۳۵۷، ابن ماجہ، رقم: ۳۳۴۶)

آل محمد ﷺ (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) دو دن تک برابر جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے۔

ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما شبع آل محمد صلی الله علیه وسلم منذ قدم المدینة من طعام برٍ ثلاث لیال تباعًا حتی قبض

(مسلم، کتاب الزہد، رقم: ۷۳۶۹، بخاری، رقم: ۵۴۱۶، ابن ماجہ، رقم: ۳۳۴۴)

''محمد ﷺ کی آل جب سے آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے کبھی مسلسل تین

Marfat.com

روز گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے۔''

ایک اور روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللھم اجعل رزق آل محمد قوتاً (مسلم، رقم: ۲۴۲۷،۳۶۶۲)

''اے اللہ محمد (ﷺ) کی آل کو بقدر کفاف روزی عطا فرما۔''

ان تمام روایات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ آلِ محمد ﷺ سے اور کون مراد ہوسکتا ہے؟ ''حتیٰ قبض'' کے الفاظ نہایت غور طلب ہیں، وہ کون سے گھر تھے جہاں آگ نہیں جلتی تھی۔ آپ ﷺ کی صاحب زادیاں تو اپنے اپنے گھروں میں اپنی زندگی کے دن گزار رہی تھیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر اور نمائندہ کے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور متروکاتِ نبوی ﷺ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ ارادہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجیں اور ان کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے متروکات میں سے اپنا حصہ مانگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا سرکار دو عالم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔''

انما یأکل آل محمد فی هذا المال فانتهیٰ ازواج النبی (بخاری: ۲/۹۹۶،۲/۵۷۶)

''البتہ محمد ﷺ کی آل اس میں سے کھا سکتی ہے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا۔''

جب رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم آپ ﷺ پر کیسے صلوٰۃ (درود) بھیجا کریں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یوں کہا کرو:

((اللّٰھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراهیم وعلیٰ آل ابراهیم انك حمید مجید، اللّٰھم بارك علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما

Marfat.com

بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید))

(بخاری: ۲/۹۴۰، مسلم، رقم: ۸۱۱۔۸۱۲، ابوداود، رقم: ۹۷۶، ابن ماجه، رقم: ۹۰۴، نسائی: ۲/۱۴۷، دارمی: ۱/۳۰۹)

''اے اللہ! اپنی خاص رحمت فرما محمد (ﷺ) پر اور آپ ﷺ کے گھر والوں پر جیسا کہ تو نے رحمت فرمائی سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کے گھر والوں پر، بے شک تو حمد وستائش کے لائق ہے اور عظمت و بزرگی والا ہے اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما سیدنا محمد (ﷺ) پر ان کے گھر والوں پر جیسے تو نے برکتیں نازل فرمائیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ ﷺ کے گھر والوں پر، بے شک تو حمد وستائش کے لائق اور عظمت و بزرگی والا ہے۔''

اس بارے میں مولانا محمد منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ اس درود شریف میں آل کا لفظ چار دفعہ آیا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ گھرانے والوں کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن و حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتے کا ہو جیسے اس کے بیوی بچے یا اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین ہوں، اس لیے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنے ہو سکتے ہیں۔ بہر حال اس عاجز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درود شریف میں آل محمد ﷺ سے آپ ﷺ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذریت مراد ہے، اور اسی طرح آل ابراہیم سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر والے مراد ہیں۔ قرآن حکیم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ (ہود: ۱۱: ۷۳)

''بلاشبہ آل ابراہیم وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔''

(معارف الحدیث: ۵/ ۳۸۵۔۳۸۷)

بلکہ بخاری کی ایک حدیث میں جو سیدنا ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آل کے بجائے ان کی ذریت اور ازواج کا ذکر ہے یعنی اللھم صلی علی محمد وازواجه وذریته کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل

Marfat.com

ابراھیم وبارك علی محمد وازواجه وذریته كما باركت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید۔ (بخاری)

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں، ان کے الفاظ کو اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔

اس لیے اس کو درودِ ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ اب آل محمد ﷺ اور آل ابراہیم سے کیا مراد ہے؟ ہمارا یہ درود شریف جس میں محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے رحمت و برکت کی دعا کی گئی ہے اس کا اختتام ''انك حمید مجید'' پر ہوتا ہے۔ اور فرشتوں نے جو آل ابراہیم کے لیے رحمت اور برکت کی دعا کی اس کا اختتام بھی ''انه حمید مجید'' پر ہوتا ہے۔ قرآنی آیت میں آل ابراہیم سے مراد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہے کیونکہ فرشتے انھی سے مخاطب ہو کر رحمت اور برکت کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اگر اس سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام مع رشتہ دار مراد لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مغضوب اور ملعون قوم (یہودیوں) کے لیے رحمت اور برکت کی دعا مانگ رہے ہیں کیونکہ وہ سب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ میں حل فرمایا ہے کہ ''اس میں شک نہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی آل محمد ﷺ میں داخل ہیں بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج تو آل محمد ﷺ میں اصالتہً داخل ہیں جب کہ ذریت تبعاً داخل ہے، کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو یعنی گھر والوں کو اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہوتی ہے۔ پس یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہو اور ازواج داخل نہ ہوں۔ (اشرف الجواب: ص ۸۴)

مسلم کی ایک اور حدیث میں آل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس انها لاتحل لمحمد ولا لآل محمد)) (مسلم)

''یعنی بے شک یہ صدقات لوگوں کی گندگی ہے اور یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں ہیں۔''

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ نہ آپ ﷺ کے لیے جائز ہے اور نہ آپ ﷺ کی آل کے لیے۔ آل میں سب سے پہلے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آتی ہیں اور پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر بھی صدقہ حرام ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الصدقة لاتحل لنا وان موالی القوم من انفسھم (ترمذی، ابوداؤد)

''بے شک صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے اور کسی گھرانے کے آزاد کردہ غلام بھی ان ہی میں سے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کے اہل خانہ کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں ہے اسی طرح آپ ﷺ کے خاندان والوں کے غلاموں کے لیے بھی حلال نہیں ہے یہاں تک کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں لے سکتا۔

لغت اور عرف میں ''اہل'' کا مفہوم:

افسوس کا مقام ہے کہ بعض حضرات نے آل رسول ﷺ کی طرح اہل بیت رسول ﷺ کا صحیح مفہوم بھی مسخ کر دیا ہے۔ انھوں نے مکاری اور عیاری سے ''اہل بیت'' کو صرف ''چار تن'' میں محدود کر کے رکھ دیا اور جو لوگ اس کے صحیح مصداق تھے ان کو اس کے مفہوم اور مصداق سے نکال باہر کیا، اور جو لوگ تبعاً اور مجازاً اس کے اہل تھے ان کو اس کا لفظ کا صحیح مصداق بنا دیا۔

لفظ ''اہل البیت'' دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک ''اہل'' اور دوسرا ''بیت۔'' ان دونوں کو جب ملائیں تو اس کا ترجمہ ہوتا ہے: ''گھر والے۔'' جب اس کا ترجمہ ''گھر والے'' ہوا تو گھر میں تو سب سے پہلے آدمی کی زوجہ یا ازواج آتی ہیں۔ اولاد تو والدین کے تابع ہوتی ہے لہٰذا وہ تبعاً آتی ہے۔ اصل ''اہل البیت'' تو گھر والیاں یعنی ''ازواج'' ہوتی ہیں۔ فارسی زبان میں بھی بیوی کو ''اہل خانہ'' کہا جاتا ہے اور دوسری زبانوں میں بھی بیویوں کو ''گھر والیاں'' کہتے ہیں۔ چنانچہ عربی کی مشہور لغت لسان العرب میں لکھا ہے:

اھل القرآن ھم اھل اللہ خاصتہ، واھل الامر ولاتہ، واھل البیت سکانہ،

Marfat.com

واهل الرجل اخص الناس به، واهل بيت النبی صلی الله عليه وسلم ازواجه وبناته وصهره، وقيل نساءُ النبی صلی الله عليه وسلم واهل کل نبی امته O
(لسان العرب:۱۱/۲۹)

''اہل القرآن'' وہ لوگ ہیں جو اللہ والے اور اس کے خاص بندے ہیں، اہل الامر سے مراد نظام حکومت چلانے والے، اہل البیت کا مطلب ہے گھر میں رہائش پذیر لوگ، اہل الرجل، کسی شخص کے خاص تعلق دار۔ اہل بیت النبی سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، آپ ﷺ کی صاحب زادیاں، اور آپ ﷺ کے داماد۔ اور اہل بیت النبی ﷺ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صرف آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ہیں، اور ہر نبی کی اہل اس کی امت ہے۔''
علامہ زبیدی نے بھی اپنی لغت کی کتاب میں لکھا ہے کہ:

والاهل للمذهب من يدين به يعتقده والاهل للرجل زوجته، ويدخل فيه اولاده والاهل للنبی ازواجه وبناته وصهره ان اهل کل نبی امته واهل ملته (تاج العروس تحت لفظ ''اہل'')

''اہل مذہب، اس مذہب کے ماننے والے اور اس پر اعتقاد رکھنے والے، اہل الرجل، اس کی بیوی اور اس کی اولاد بھی داخل ہے۔ اہل النبی کا مطلب ہے نبی کی بیویاں، بیٹیاں اور داماد، اور ہر نبی کے اہل اس کی امت اور اس کی ملت والے ہیں۔''
ایسا ہی جوہری نے ''صحاح'' میں اور علامہ زمخشری نے اساس البلاغہ میں لکھا ہے۔
ابی الحسین احمد بن فارس ذکریا نے اپنی مشہور کتاب ''مقالیس اللغۃ'' میں لکھا ہے:

وقال الخليل: اهل الرجل زوجه، والتاهل، التزوج، واهل الرجل، اخص الناس به، واهل البيت سكانه، واهل الاسلام من يدين به۔

''اور خلیل نے کہا کہ اھل الرجل سے مراد اس کی بیوی ہے، اور تأھل کے معنی ہیں شادی کرنا، اور اھل الرجل: کسی شخص کے خاص تعلق دار، اھل البیت: گھر میں رہائش پذیر لوگ، اور اھل الاسلام: مسلمان قوم یا امت مسلمہ۔''
ایسا ہی علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے اپنی کتاب ''القاموس'' میں اور اصحاب لغت

Marfat.com

نے اس لفظ ''اہل'' کے یہی معنی لکھتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی نے جو لغات القرآن کے ماہر ہیں انھوں نے بھی لکھا ہے کہ ''اہل الرجل'' سے اصل میں تو وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو ایک مکان میں اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں پر بھی یہ لفظ بولا جانے لگا۔ (المفردات: ص۲۳)

اسی سلسلہ میں اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے لفظ ''اھل'' کی تشریح میں لکھا ہے:

''اہل الرجل واہل الدار'' کسی شخص کے متعلقین یا گھر والے۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان میں ''اہل'' کے مادے سے ''اوھل'' کے معنی خیمہ ہیں یعنی وہ لوگ جو کسی کے ساتھ ایک ہی خیمہ میں رہتے ہوں، اسی طرح ''اہل الاسلام'' مسلمان۔ آنحضرت ﷺ کے ذکر میں ''اہل البیت'' کی ترکیب میں البیت سے آپ ﷺ کا گھر مراد لے کر اس کے معنی ہوں گے ''رسول اللہ ﷺ کے گھر والے۔'' اہل بمعنی مستحق اور سزاوار بھی ہے۔'' اہل البیت یا اہل بیت النبی سے مراد ہیں ''ازواجه وبناته وصهره'' (یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیویاں، بیٹیاں اور داماد) صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اہل سے بالخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔ دین میں اشتراک کے لیے بھی یہ لفظ قرآن میں استعمال ہوا ہے، مثلاً سیدنا نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں کہا گیا ہے: ''انہ لیس من اھلك'' یہاں اہل میں نہ ہونے کی وجہ سے دین اور طریق میں عدم اشتراک ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا حقیقی معنوں میں تب اہل ہوتا جب وہ دین اور طریق میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتا۔ اہل کے معنی مالک، حصہ دار اور شایان شان کے بھی ہیں۔''

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: ۳/۵۷۵)

معلوم ہوا کہ آل کی طرح لفظ ''اھل'' بھی ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اگرچہ یہ دو لفظ ہیں لیکن ان کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے، لیکن ''اہل'' کا حقیقی مفہوم بیوی ہی ہے اور دوسرے تمام مفہوم تبعاً ہیں۔ چنانچہ مشہور شیعہ مفسر فتح اللہ کاشانی نے قرآن حکیم کی سورۃ آل عمران: آیت ۱۲۱ کی تفسیر کرتے ہوئے ''من اھلك'' سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مراد لیا ہے چنانچہ اس نے لکھا ہے (واذ

Marfat.com

غدوت) یاد کن اے محمد ﷺ! چوں بامداد بیرون شدی "من اهلك" از منزل عائشہ۔
(تفسیر منہج الصادقین: ۲/۳۱۱)

اور یاد کریں اے محمد! جب صبح کے وقت آپ منزل عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر تشریف لائے۔

ایسا ہی سورۃ یوسف میں ہے:

﴿قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا﴾ (یوسف: ۱۲: ۲۵)

''اس عورت نے کہا کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری بیوی (گھر والی) پر نیت خراب کرے؟''

اسی طرح جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ مدین سے چلے تو طور کی جانب میں انھیں آگ نظر آئی، تو انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا:

﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾ (قصص: ۲۸: ۲۹)

''جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر دی اور وہ اپنی اہلیہ کو لے کر چلے تو طور کی جانب ان کو ایک آگ نظر آئی تو انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا ٹھہرو۔''

اس آیت میں دو دفعہ ''اہل'' کا لفظ آیا ہے اور دونوں جگہ مراد بیوی ہے۔

علامہ طبرسی شیعی نے لکھا ہے:

(لاهله) وهي بنت شعيب كان تزوجها بمدين (مجمع البیان: ۴/۵)

''اہل سے مراد سیدنا شعیب علیہ السلام کی بیٹی ہے جن سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں شادی کی تھی۔''

اسی طرح جہاں جہاں بھی قرآن حکیم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ساتھ ''اہل'' کا لفظ آیا ہے وہاں ان کی اہلیہ ہی مراد ہے۔

(ملاحظہ ہو طٰہٰ: ۱۰۔۹، ۱۳۲، النمل: ۷، کہف: ۱۷، اعراف: ۸۳، مریم: ۵۵،)

غرضیکہ قرآن حکیم میں ''اہل'' کا لفظ اکثر بیوی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اسی

Marfat.com

لیے بیوی کو ''اہلیہ'' کہتے ہیں۔

اسی طرح حدیث میں بھی ''اہل'' کا لفظ بیوی اور اہلیہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ ﷺ جب شادی کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

كيف وجدت اهلك، بارك الله لك (بخاری:۲/۷۰۷)

''آپ ﷺ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مبارک فرمائے۔''

حدیث افک جو بخاری اور مسلم دونوں کتابوں میں منقول ہے اس میں لفظ ''اہل'' کئی مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ ''اہل'' سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یعنی رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ مراد ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔

ماشبع رسول الله صلى الله عليه وسلم اهله ثلاثة ايام تباعاً من خبز حنطة حتى فارق الدنيا (مسلم، رقم:۷۳۸۳، ترمذی، رقم:۲۳۸۵، ابن ماجہ:۳۳۴۳)

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو مسلسل تین روز گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔''

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جان ہے:

ماشبع نبي الله صلى الله عليه وسلم واهله ثلاثة ايام تباعاً من خبز حنطة حتى فارق الدنيا (مسلم، رقم:۷۳۸۴)

''نبی ﷺ اور ان کے گھر والے (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کبھی تین دن مسلسل گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔''

اسی سلسلہ میں بخاری اور مسلم کی مشہور حدیث ہے جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شدّ ميئزره واحيٰ ليله

Marfat.com

وایقظ اھلہ O

''جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ کمر کس لیتے، اور ساری رات جاگتے اور اپنے گھر والوں (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کو بھی جگا دیتے۔''

اس قسم کی بہت سی احادیث کتابوں میں موجود ہیں جن میں لفظ اہل بیویوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

یہ تھی مختصر تشریح و تفصیل لفظ ''آل'' اور ''اہل'' کی کیونکہ اس اس بارے میں بہت سے لوگوں میں اختلاف چلا آ رہا ہے اور جو لوگ اس کے مفہوم سے انکار کرتے ہیں وہ اس کو اتنا محدود کرتے ہیں کہ وہ اس سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خارج کر کے صرف ''چارتن'' کے لیے اس کو محدود کر دیتے ہیں جو کہ سراسر زیادتی ہے۔ وہ ان الفاظ کے معنی محدود کرنے کے لیے ایک حدیث کا سہارا لیتے ہیں جب کہ اس روایت کے معنی بھی وہ غلط بیان کرتے ہیں۔ یہ ان کی سراسر زیادتی اور جہالت ہے۔ اس حدیث کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

Marfat.com

امت کی جنتی مائیں

نبی ﷺ اگر تمام امت کا باپ ہے تو اس کی بیویاں رضی اللہ عنہن تمام امت کی مائیں ہیں۔ اس میں کسی شخص کو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ قرآنی فیصلہ ہے اور قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں اس کو بیان فرمایا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾

(الاحزاب:۶:۳۳)

''نبی ﷺ مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

جن عورتوں کو آپ ﷺ نے اپنے حبالۂ عقد میں لیا ان کو اپنی مرضی سے آپ ﷺ نے رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔ آپ ﷺ کے نکاح کرنے سے ان عورتوں میں دوسری خصوصیات کے علاوہ ایک خصوصیت یہ پیدا ہوگئی کہ وہ جنتی ہوگئیں۔ جس طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن مردوں سے اپنی بیٹیوں کا نکاح کیا وہ سب جنتی تھے اسی طرح جن عورتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حبالۂ عقد میں لائے وہ سب جنتی تھیں۔ کوئی غیر جنتی عورت آپ ﷺ کے نکاح میں نہیں آئی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان اللہ ابی لی ان اتزوج او ازوج الا اھل الجنۃ))

''بے شک اللہ تعالیٰ انکار فرماتے ہیں مگر یہ کہ جن عورتوں سے میں شادی کروں یا جن مردوں سے میں اپنی بیٹیوں کی شادی کروں وہ جنتی ہوں۔''

(اخرجہ من نفس الطریق ابن حزم فی جمھرۃ انساب العرب: ص ۱۰۷ وعزاہ الحافظ ابن الحجر فی الاصابہ عند ترجمۃ ھند بن ابی ھالہ الی ابن السکن وابن قانع)

Marfat.com

اس حدیث کی تائید اس حدیث کے مضمون سے بھی ہوتی ہے جس کو حاکم نے مستدرک میں ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سالت ربی عزوجل ان لا ازوج احدا من امتی ولا اتزوج الا کان معی فی الجنة فاعطانی"

''میں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے سوال کیا کہ میں اپنی امت میں سے کسی سے نہ نکاح کروں اور نہ اس کے نکاح میں بیٹی دوں گا مگر یہ کہ وہ میرے ساتھ جنت میں ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے سوال کو شرف قبولیت بخشا۔

(اخرجہ الطبرانی فی الاوسط کمافی مجمع الزوائد: ۱۰/۱۷ وقال الہیثمی: رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ عمار بن سیف وقد ضعفہ جماعۃ ووثقہ ابن معین وبقیۃ رجالہ ثقات)

اس بات کی تائید وشہادت اس حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے جس کو سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما تزوجت شیئا من نسائی ولا زوجت شیئا من بناتی الاباذن جاء نی به جبریل عن الله عزوجل"

''میں نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن میں سے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا اور نہ اپنی کوئی بیٹی کسی کے نکاح میں دی ہے مگر اس اجازت سے جو جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر میرے پاس آئے یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے میں نے ایسا کیا ہے۔'' (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۷/۲۵۱، عیون الاثر لابن سید الناس: ۲/۳۹۳)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ان میں ارجح قول یہ ہے کہ ان کی تعداد پندرہ تھی۔ چنانچہ ابوطاہر نے سیف بن عمر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پندرہ عورتوں سے شادی کی، ان میں سے تیرہ سے آپ ﷺ نے دخول فرمایا اور گیارہ ایک وقت میں آپ ﷺ کے ہاں رہیں اور جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو اس وقت نو زندہ تھیں۔

Marfat.com

(تاریخ دمشق لابن عساکر، قسم السیرۃ: ۱۳۵/۱، البدایہ والنہایہ: ۲۵۵/۵، الکامل لابن عدی: ۴۸۴/۲، دلائل النبوۃ بیہقی: ۲۸۸/۸)

سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں لیکن ان میں ایک بھی ہاشمی نہ تھی۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جو زیادہ مشہور تھیں اور تمام مؤرخین ان پر متفق ہیں، حسب ذیل تھیں:

① سیدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔

② سیدہ عائشہ بنت ابی بکر الصدیق (نام) عبداللہ یا عتیق[1]) بن ابی قحافہ (عثمان) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی۔

③ سیدہ حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔

④ ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔

⑤ ام سلمہ بنت ابی امیہ[2] ہند بن سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔

⑥ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب۔

---

[1] ارجح یہ ہے کہ آپ کا نام عبداللہ تھا اور لقب عتیق تھا۔ ملاحظہ ہو الاصابہ: ۱۷۰/۴

[2] ابوامیہ کو ''زاد الراکب'' کہتے تھے اور وہ عرب کے مشہور اہل سخا اور صاحب جود لوگوں میں سے تھا۔ جب وہ سفر پر روانہ ہوتا تھا تو اس کا کوئی ساتھی بھی زاد راہ ساتھ نہیں لیتا تھا بلکہ راستے کا سارا خرچ یہی دیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو بلوغ الارب آلوسی: ۹۲/۱ المنمق لابن حبیب: ص ۳۶۸)
زبیری نے نسب قریش میں لکھا ہے کہ ابوطالب بن عبدالمطلب نے ابوامیہ کے بارے میں کہا تھا:

وقد ایقن الرکب الذی انت فیھم
اذا رحلوا یوما بانك عاقر

Marfat.com

غیر قریشی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن:

چار ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ایسی تھیں جو غیر قریشی تھیں اور ان کے قبائل قریش کے حلیف تھے۔

① سیدہ زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صیرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

② سیدہ میمونہ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن الحزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان۔

③ سیدہ زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن تکبر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان۔

④ سیدہ جویریہ بنت الحارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن سعد بن کعب بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر۔

غیر قریشی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا:

سیدہ صفیہ بنت حی بن اخطب بن سعید بن تغلب بن عامر بن عبید بن کعب بن الخزرج بن حبیب بن النضیر۔

اس زوجہ محترمہ کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ جس کی تفصیل ان کے حالات میں آئے گی۔

یہ ہیں وہ مشہور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن پر تمام مؤرخین متفق ہیں اور کسی نے ان کے بارے میں اختلاف نہیں کیا۔

ان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے دو کا انتقال سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں ہو گیا۔ ان میں ایک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد تھیں اور دوسری سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا۔

Marfat.com

سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ سودہ بنت زمعہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن۔ ان سب کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا جبکہ غیر قریش لیکن عرب سے تعلق اِن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے وقت زندہ تھیں یعنی سیدہ میمونہ بنت الحارث، سیدہ زینب بن جحش اور سیدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہن۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نکاح کی ترتیب:

اس امر میں کسی مؤرخ اور محدث کو کوئی اختلاف نہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں اور آپ جب تک زندہ رہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ یہ بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت ہے۔ سیدہ کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے نکاح کیا ان کی ترتیب میں اختلاف ہے۔

عبداللہ بن محمد بن عقیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد جن امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا ان کی ترتیب حسب ذیل ہے:

عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا پھر سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا پھر ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا پھر حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا پھر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا پھر صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا، پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا پھر میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا پھر جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا پھر زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا۔

(یہ عبداللہ بن محمد بن عقیل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے پوتے تھے اور عبداللہ کی والدہ کا نام زینب بنت علی بن ابی طالب تھا۔ عبداللہ کا انتقال ۱۴۲ھ میں ہوا)

مشہور تابعی، محدث اور مفسر حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی ترتیب یہ ہے۔

سب سے پہلے سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں، پھر سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان، پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا، پھر

Marfat.com

سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی، پھر سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا۔

ابو عبیدہ معمر ابن المثنیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مکہ میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے، پھر ہجرت سے دو سال قبل سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پھر مدینہ طیبہ میں واقعۂ بدر کے بعد سن دو ہجری میں سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے، اس کے بعد ۳ ہجری میں سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے، پھر پانچویں سال میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے، پھر چھٹے سال میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے، پھر ساتویں سال سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حی اور میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے، پھر زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ سے۔ (تسمیۃ ازواج النبی: ص ٦٠)

اس بارے میں ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے عقیل اور یونس نے دو مختلف روایات بیان کی ہیں۔ عقیل کہتے ہیں کہ ان کی ترتیبِ نکاح یوں ہے:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا، پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا۔

اور یونس ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے اس ترتیب کو یوں روایت کرتے ہیں:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اور پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا۔

بہرحال ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ سے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مختلف روایات کتابوں میں نقل کی گئی ہیں۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر: ١/١٤٤، الطبرانی الکبیر: ٦/٨٥، تلقیح فہوم اہل الاثر: ٢٨)

یہ اختلاف ایک معمولی بات ہے لیکن اس امر میں کلی اتفاق ہے کہ یہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سرکار دو عالم ﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں اور امت کی امہات المومنین رضی اللہ عنہن کہلائیں۔

اسی سلسلہ میں ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس کو عبداللہ بن محمد بن عقیل نے نقل کیا ہے اور محمد بن اسحاق نے بھی اسے ایسا ہی روایت کیا ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے چار سو

Marfat.com

درہم حق مہر پر نکاح فرمایا، یہ نکاح ان کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔ پھر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو درہم حق مہر پر نکاح کیا اور یہ نکاح ایک روایت کے مطابق ان کے چچازاد بھائی وفدان بن قیس نے کیا اور ایک اور روایت کے مطابق سلیط بن عمرو نے کیا، پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور یہ نکاح ان کے والد ماجد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے کیا۔ پھر سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور یہ نکاح قبیصہ بن عمرو الہلالی نے کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور یہ نکاح ان کے صاحب زادے سلمہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ ان کا حق مہر بہت معمولی تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح آپ کے بھائی ابو احمد بن جحش نے چار سو درہم حق مہر پر کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا، پھر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے کیا اور شاہ حبشہ نجاشی نے چار سو دینار حق مہر اپنے پاس سے ادا کیا۔ اس کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا اور پھر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے کیا اور اس کا حق مہر بھی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ادا فرمایا۔'' (سیرۃ ابن ہشام: ۴/۶۴۴، الروض الانف: ۴/۲۶۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس ترتیب کو یوں رقم فرمایا ہے کہ

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ ہجرت فرما کر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں اس وقت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ پھر مدینہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہوئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن تین اور چار میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ پھر پانچویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ پھر چھٹے سال سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے، پھر ساتویں سال سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا:

یہ وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں جو ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں داخل ہوئیں اور سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اختلاف ہے۔'' (فتح الباری: ۱/۴۵۰)

Marfat.com

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق مہر کی مقدار:

نکاح کے لیے حق مہر نہایت ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حق مہر مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق مہر کی مقدار کتنی تھی، اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ:

ان صداقه (صلی اللہ علیہ وسلم) لاکثر ازواجه اربع مأته درهم

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حق مہر چار سو درہم تھا۔''

(السیرۃ النبویہ: ۴/۶۴۴، اخرجہ البسوی فی التاریخ: ۳/۳۳۸ بسند صحیح واخرجہ البیہقی: ۳/۴۶۰)

یہ تو محمد ابن اسحاق کی روایت ہے جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی اکثریت کے حق مہر کا ذکر ہے لیکن صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ☼

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حق مہر بارہ اوقیہ اور نش تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ ''نش'' کیا ہے، راوی نے کہا کہ نہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''نش'' سے مراد نصف اوقیہ یعنی ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جو کہ پانچ سو درہم کے برابر تھا۔ یہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کے لیے حق مہر۔''

(مسلم، کتاب النکاح، باب الصّداق، حدیث: ۱۴۲۶)

ذہن میں رہے کہ ایک اوقیہ (چالیس ۴۰) درہم کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیہ ۵۰۰ درہم کے برابر ہوا اور ایک درہم ۷۰ جو کہ برابر ہوتا ہے اور ۷۰ جو کا وزن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی تحقیق کے مطابق تین ماشہ ایک رتی ہوتا ہے۔

ہماری رائے کے مطابق صحیح مسلم کی روایت جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق مہر کی مقدار ۵ سو درہم بیان کی گئی ہے، زیادہ صحیح ہے۔ بخاری نے بھی یہی مقدار ذکر کی ہے اور یہ مقدار محمد ابن اسحاق کی مقدار سے زیادہ ہے۔ ابن حزم نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ (جوامع السیرۃ: ص ۳۷)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نفقہ:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق مہر کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی میرے خیال میں

Marfat.com

ضروری ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نان ونفقہ کی مقدار کیا تھی؟ اس سلسلہ میں بخاری اور مسلم میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ بنی نضیر کی کھجوریں فروخت کرتے اور اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کے لیے ایک سال کا نان ونفقہ خرید کر رکھ لیتے۔''

(بخاری، باب حبس الرجل قوۃ سنۃ علی اہلہ، حدیث: ۵۳۵۷، مسلم، باب حکم الفی، حدیث: ۱۷۵۷)

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے جوامع السیرۃ ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ:

''سرکار دو عالم ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہر سال ۲۰ وسق جو اور ۸۰ وسق کھجوریں بطور نان ونفقہ رکھتے۔ یہ مقدار اُن میں سے ہر زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہوتی۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہر زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا کے پاس غلام اور لونڈیاں بھی ہوتیں۔ یہ نفقہ وہ ان پر بھی خرچ فرماتیں۔ یہ روایت ابن حبان نے اپنی ایک طویل حدیث میں ضمناً ذکر کی ہے۔ (موارد الظمان: ۱۶۹۷)

فائدہ: وسق بحساب درہم ۵ من اڑھائی سیر ۸۰ تولہ کے سیر کا اور مثقال کے حساب سے ۵ من پونے پانچ سیر کا ہوتا ہے کیونکہ مثقال کا وزن ۴ ماشہ ۴ رتی ہوتا ہے۔

قرآن حکیم سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان:

قرآن حکیم میں کئی آیات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان میں وارد ہوئی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (الاحزاب: ۶:۳۳)

''نبی ﷺ مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں آپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

اس آیت کے حصہ ﴿وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ کے بارے میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اور پیغمبر ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں۔ ماؤں سے بڑھ کر ان کی تعظیم فرض ہے اور یہ حکم باعتبار ادب واحترام کے ہے، پردہ اور میراث کے اعتبار

Marfat.com

سے نہیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی امت یعنی ان کا مائیں ہونا صرف ادب اور احترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ہے، باقی اور امور میں وہ بالکل اجنبی عورتوں کی مانند ہیں۔'' (معارف القرآن: ۵/۴۶۶)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی مائیں فرمانے سے مراد تعظیم و تکریم کے اعتبار سے مائیں ہونا ہے۔ ماں اور اولاد کے دوسرے احکام حرمت نکاح اور محرم ہونے کی وجہ سے باہم پردہ نہ ہونا اور میراث میں حصہ دار ہونا وغیرہ احکام اس سے متعلق نہیں۔ جیسا کہ آخر آیت میں اس کو کھول دیا گیا ہے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کسی امتی کا نکاح حرام ہونا وہ ایک مستقل آیت میں علیحدہ فرمایا گیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ حرمت نکاح بھی مائیں ہونے کی وجہ سے ہو۔''

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کی شان میں کوئی ادنیٰ بے ادبی اس لیے بھی حرام ہے کہ وہ امت کی مائیں ہیں اور اس لیے بھی کہ ان کی ایذاء سے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچے گی جو اشد درجہ کا حرام ہے۔''

(معارف القرآن: ۷/۸۸)

اسی سورت کی ایک اور آیت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان یوں بیان فرمائی:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (الاحزاب: ۳۳:۳۲)

''اے نبی ﷺ کی عورتو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔''

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آیت کے ان الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں مگر قرآن حکیم کی آیت حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (آل عمران: ۳:۴۲)

اس سے حضرت مریم علیہا السلام کے سارے جہان کی عورتوں سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اور ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کافی ہے تم کو

Marfat.com

ساری عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد (ام المومنین) اور فاطمہ بنت محمد (ﷺ) اور آسیہ زوجہ فرعون۔

اس حدیث میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے ساتھ تین عورتوں کو نساء عالمین سے افضل فرمایا ہے۔ اس لیے اس آیت میں جو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی افضلیت اور فوقیت بیان کی گئی ہے، وہ ایک خاص حیثیت یعنی ازواج النبی اور نساء النبی ہونے کی ہے جس میں وہ تمام عالم کی عورتوں سے بلاشبہ افضل ہیں۔ اس سے عام فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی جو دوسری نصوص کے خلاف ہو۔ (معارف القرآن: ۱۳۱/۷)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ تعظیم وحرمت اور ہمیشہ کے لیے ان سے نکاح حرام ہونے کے لحاظ سے وہ امہات المومنین ہیں نہ کہ ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جیسا کہ حقیقی ماں کے ساتھ آدمی خلوت میں بیٹھ سکتا ہے، یہ سب ان کے حق میں حرام ہے اور اس لحاظ سے وہ اجنبیوں کی طرح ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کی بیٹیوں کو ''اخوات المومنین'' نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ان کی بہنوں اور بھائیوں کو ''اخوال المومنین'' اور ''خالات المومنین'' کہا جا سکتا ہے۔'' (معالم التنزیل بغوی: ۵۰۷/۳)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا جو کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور سیدہ ام الفضل جو کہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ تھیں، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں لیکن ان دونوں کو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی ہمشیرگان ہونے کے ناطے ''مومنوں کی خالہ'' نہیں کہا جا سکتا۔

(دلائل النبوۃ: ۴۵۹/۳)

اب یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا امہات المومنین رضی اللہ عنہن صرف مومنوں کی مائیں ہیں یا مومنات کی مائیں بھی ہیں یعنی صرف مردوں کی مائیں ہیں یا عورتوں کی بھی؟ اس بارے میں بعض حضرات کا قول ہے کہ جیسے وہ مومن مردوں کی مائیں ہیں ایسے ہی مومن عورتوں کی بھی مائیں ہیں لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ صرف مومن مردوں کی مائیں ہیں اور دلیل ان کی یہ ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

Marfat.com

''اے اماں! سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں تیری ماں نہیں ہوں بلکہ میں تمھارے مردوں کی ماں ہوں۔'' (طبقات ابن سعد: ۸/۶۴، السنن الکبریٰ بیہقی: ۷/۷۰)

ان حضرات کی رائے میں یہ مومنوں کی مائیں اس لیے ہیں کیونکہ ان سے حقیقی ماؤں کی طرح نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے، عورتوں سے چونکہ یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس وجہ سے ان کو مومن عورتوں کی مائیں نہیں کہا گیا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو الخصائص: ۲/۲۵۰۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دونوں طرف کے اقوال نقل کر کے نہایت اچھی بحث اس بارے میں فرمائی ہے۔ (احکام القرآن: ۳/۵۴۲)

حضور ﷺ کا اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کو اختیار دینا:

قرآن حکیم میں سورۂ احزاب میں حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدۡنَ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ أُمَتِّعۡكُنَّ وَأُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحٗا جَمِيلٗا ۝ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدۡنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجۡرًا عَظِيمٗا ﴾ (الاحزاب: ۳۳: ۲۸)

''اے نبی ﷺ! کہہ دو اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں تم کو بھلی طرح رخصت کرنا اور اگر تم چاہتی ہو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو اور دار آخرت (کے درجات عالیہ) کو، تو اللہ تعالیٰ نے رکھ چھوڑا ہے ان کے لیے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب۔''

ان آیات میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا اور اس کے مال و متاع کو چاہتی ہیں یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو۔ اس سلسلہ میں ایک یا چند واقعات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے پیش آئے جو رسول اللہ ﷺ کی منشاء کے خلاف تھے جن سے

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ کو بہر حال ذہنی تکلیف پہنچی۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے متصل آیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھایا جائے۔ تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنو نضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوشحالی پیدا کر دی تھی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے بھی اپنا حصہ رکھا ہو گا۔ اس لیے انھوں نے جمع ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ کسریٰ و قیصر کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں اور ان کی خدمت کے لیے کنیزیں ہیں اور ہمارا حال فقر و فاقہ کا آپ ﷺ دیکھتے ہیں، اس لیے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔''

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے یہ مطالبہ سنا کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہوں اور دنیا داروں میں ہوتا ہے تو آپ ﷺ کو اس سے بہت رنج ہوا کہ انھوں نے بیت نبوت کی قدر نہ پہچانی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خیال نہ تھا کہ اس سے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچے گی۔ چنانچہ عام مسلمانوں میں مالی وسعت دیکھ کر اپنے لیے بھی وسعت کا خیال ان کے دل میں آ گیا تھا۔''

''اس آیت نے سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دے دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی موجودہ حالت یعنی معاشی عسرت و تنگی کے ساتھ آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر آپ سے طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں۔ پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی نسبت سے بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطا ہوں گے اور دوسری صورت یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تلخی و تکلیف کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔''

ترمذی نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے اظہار و اعلان کی ابتداء مجھ سے فرمائی اور آیت سنانے سے پہلے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں مگر تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے

Marfat.com

والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ سیدہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ مجھ پر خاص عنایت تھی کہ مجھے والدین سے مشورہ کے بغیر اظہار رائے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ میرے والدین مجھے کبھی یہ رائے نہ دیں گے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے مفارقت اختیار کرلوں۔ میں نے جب یہ آیت سنی تو فوراً عرض کیا کہ کیا میں اس معاملہ میں والدین سے مشورہ لینے جاؤں؟ میں تو اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ پھر میرے بعد سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو قرآن کا یہ حکم سنایا گیا۔ سب نے وہی کہا جو میں نے اول کہا تھا۔ کسی نے بھی دنیا کی فراخی کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے مقابلے میں قبول نہ کیا۔

(قال الترمذی وہذا حدیث حسن صحیح، معارف القرآن: ۷/ ۱۲۷۔ ۱۲۸)

یہ روایت بخاری اور مسلم نے بھی نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری، حدیث نمبر ۴۷۸۵، ۴۷۸۶، مسلم، باب، بیان ان تخییر امراتہ لایکون طلاقا، حدیث نمبر ۱۴۷۵۔

صحیح بخاری وغیرہ میں اس سلسلہ میں جو احادیث میں آیا ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسب معمول ایک روز میرا پڑوسی انصاری گھبرایا ہوا آیا اور اس نے زور سے دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں؟ چنانچہ میں بھی گھبرا کر باہر نکل آیا اور میں نے پوچھا کہ کیا غسانی آ گئے ہیں؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔ پس مجھے سخت رنج ہوا اور میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی کم نصیب ہے۔ پھر میں صبح کو عوالی سے روانہ ہوا۔ کاشانۂ نبوت پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تجھے رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتی۔ میں نے پوچھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کہاں ہیں؟ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ وہ اس بالا خانے میں تشریف فرما ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ تجھے یہ غرور نہ ہو کہ تیری سہیلی خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کی منظورِ نظر ہے یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب اشارہ کیا۔ پھر میں نکل کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور کہا کہ تم لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرتی ہو کہ تم اللہ کے رسول کی بیبیاں ہو اور بخدا! اگر وہ تم کو طلاق دے دیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کے واسطے تم سے بہتر

Marfat.com

ازواج ان کے حبالۂ عقد میں دے دے گا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس بات سے تھوڑی سی برافروختہ ہوگئیں اور فرمانے لگیں! اے عمر رضی اللہ عنہ! تم ہر بات میں مداخلت کرتے ہو اور اب رسول خدا ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن کے درمیان بھی دخل دیتے ہو۔ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا اور وہاں سے نکل کر مسجد میں آ گیا اور وہاں منبر کے پاس میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اسی بات کا تذکرہ کر رہے ہیں اور بہت سے رو بھی رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں یہ معاملہ تمھارے لیے حل کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوا۔ بالاخانے کے نیچے میں نے ایک دربان کو دیکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے لیے بارگاہِ رسالت میں جانے کی اجازت طلب کرو۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں گیا اور واپس آ کر کہا کہ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اتنے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ ان کے لیے بھی بارگاہِ رسالت سے اجازت نہیں ملی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پھر مسجد میں جا بیٹھا لیکن رنج و غم کی وجہ سے میری حالت غیر تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر جا کر بارگاہِ رسالت میں جانے کی اجازت طلب کی۔ اس بار آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت مل گئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اوپر جب بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو دیکھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے گرد بیٹھی ہیں مگر سر جھکائے خاموش ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات کہوں جس سے آپ خوش ہو کر ہنس دیں۔ پس میں نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اس واقعہ کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ دختر فلاں نے (یعنی اپنی بیوی کو کہا۔) (حدیث میں بنت خارجہ کا نام ہے) بھی مجھ سے نفقہ مانگا تھا تو میں نے اس کی گردن مروڑ دی۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے اگلے دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور فرمایا کہ یہ عورتیں بھی میرے پاس بیٹھی نفقہ مانگ رہی ہیں۔ یہ سننا تھا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی جانب مارنے کو اٹھے کہ تم دونوں سرکار دو عالم ﷺ کو ایسی چیز کی تکلیف دیتی ہو جو آپ ﷺ کے پاس موجو نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو منع فرما دیا۔ پھر آپ ﷺ کی ازواج نے یہ کہنا شروع کیا کہ بخدا! ہم عورتیں ہیں، ہم کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ واللہ ہم آئندہ آپ ﷺ سے کبھی ایسی

Marfat.com

چیز کی درخواست نہیں کریں گی۔

سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو خوش کرنے کے بعد موقع پا کر آپ ﷺ سے یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پس میں نے خوشی و مسرت سے اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہی اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں جب مسجد میں آیا تو مسلمان یہ باتیں کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔ پس کیا میں بالا خانے سے اتر کران لوگوں کو آگاہ کردوں کہ ایسا نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمھارا جی چاہتا ہے تو جاؤ۔ پس میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکارا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی۔

پھر سرکار دو عالم ﷺ ٢٩ روز تک اس بالا خانے میں علیحدہ رہے اور تیس کی صبح کو اتر کر سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے جو آیت تخییر نازل فرمائی تھی اس کو پہنچانا چاہا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں تجھ پر ایک امر پیش کرتا ہوں لیکن اس کے جواب میں تم کو جلدی نہ کرنا چاہیے یہاں تک کہ تو اپنے والدین سے مشورہ کر لے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے؟ پس آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ ﷺ کے بارے میں اپنے والدین سے کوئی مشورہ لوں گی؟ مجھے ان سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اپنی ازواج میں سے کسی کو وہ جواب نہ بتلائیں جو میں نے دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت گیر بنا کر نہیں بھیجا بلکہ تعلیم اور آسانی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا جو کوئی مجھ سے پوچھے گی میں اسے بتا دوں گا۔

پھر آپ ﷺ کی کل ازواج نے وہی کچھ اختیار کیا جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اختیار کیا تھا۔

(بخاری، باب وان کنتن تردن...... حدیث: ٤٧٨٦، مسلم، باب ان تخییر امراتہ لا یکون طلاقا الا بالنیۃ، حدیث: ١٤٧٨)

اکثر علماء متقدمین اور متاخرین کا یہ قول ہے کہ یہ تفویض طلاق نہیں تھی بلکہ ان سے

Marfat.com

دنیا و آخرت میں سے کسی کو پسند کرنا دریافت کیا گیا تھا۔ چنانچہ آیت میں صریحاً یہ مضمون موجود ہے کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہو تو آؤ میں تم کو طلاق دے کر متاع دے دوں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جلدی مت کرنا یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تفویض طلاق نہیں تھی کیونکہ تفویض طلاق میں تو یہ شرط ہے کہ فی الفور جواب ہو ورنہ مجلس بدلنے میں تفویض باطل ہو جاتی ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں چند مسائل بیان کیے گئے ہیں:

اول: یہ کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو دنیا یا آخرت اختیار کرنے میں تخییر دینا رسول اللہ ﷺ پر واجب تھا۔ یہ ذہن میں رہے کہ دنیا اختیار کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ آخرت سے منہ موڑ کر فقط دنیا اختیار کرو کیونکہ یہ تو کفر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو درجات آخرت تمھارے واسطے رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہونے کے ناطے ملنے ہیں، ان کو چھوڑ کر کم تر درجہ اختیار کرو اور اس کمی کے عوض دنیا میں یہ دنیوی مال و متاع لے لو۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جو بہ نص صریح آخرت میں سرکار دو عالم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں، دیگر زوجات بھی آخرت میں آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی کیونکہ سبھوں نے آپ ﷺ ہی کو اختیار کیا۔

دوم: اگر فرض کرو کہ ان میں سے کوئی زوجہ دنیا کو اختیار کرتی تو کیا رسول اللہ ﷺ پر واجب ہوتا کہ آپ اس کو طلاق دے دیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ شان نبوت کے لائق یہی تھا کیونکہ آپ کی طرف سے وعدہ خلافی جائز نہیں ہے بخلاف عام لوگوں کے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کو یہ تہدید کرے تو شرعاً اس پر یہ وعدہ پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔

سوم: یہ کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ اور دار آخرت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مشکور فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے واسطے انھیں ازواج پر اختصار کر دیا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ

Marfat.com

اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ (الاحزاب:۳۳:۵۲)

''ان کے علاوہ اور عورتیں آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ﷺ ان (موجودہ) بیبیوں کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں اگرچہ آپ ﷺ کو ان (دوسریوں) کا حسن اچھا معلوم ہو، مگر جو آپ ﷺ کی مملوکہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہر شے (کی حقیقت اور آثار و مصالح) کا پورا نگران ہے۔''

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر کے بارے فرماتے ہیں:

آیت تخییر کے نزول کے بعد جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں یہ حکم نازل کیا کہ اے پیغمبر! اب اس کے بعد یعنی ان نو بیبیوں کے جو اس وقت آپ ﷺ کے عقد نکاح میں ہیں جنھوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کیا آپ ﷺ کے لیے اور عورتیں حلال نہیں یعنی اب کسی حال میں آپ ﷺ کے لیے مزید کسی عورت سے نکاح حلال نہیں بلکہ انھی ازواج رضی اللہ عنہن کو باقی رکھو، جو موجودہ بیبیاں دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ ﷺ کی ازواج ہیں، یہ نو بیبیاں آپ ﷺ کے حق میں ایسی ہیں جیسے امت کے حق میں چار بیبیاں اور آیت کی یہ تفسیر ابن عباس سے منقول ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر: ۲۲/۲۱۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجاہد اور ضحاک اور قتادہ وغیرہم سے بھی منقول ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۰۱۔ اور اسی تفسیر کو امام بغوی نے اختیار کیا تفسیر مظہری ۷/۴۰۱۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں مگر امام رازی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا جو ہم نے ذکر کیا۔

(ملاحظہ ہو تفسیر کبیر: ۶/۶۲۲ وحاشیہ شیخ زادہ: ۴/۷۲)

خلاصہ کلام یہ کہ اے نبی ﷺ! ان موجودہ بیویوں کے علاوہ آپ ﷺ کے لیے نہ کسی عورت سے نکاح حلال ہے اور نہ ان نو میں کوئی تغیر وتبدل جائز ہے مگر وہ باندیاں جو آپ ﷺ کی ملکیت میں ہیں ان میں کمی اور زیادتی اور تغیر وتبدل کا آپ ﷺ کو اختیار ہے۔

Marfat.com

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حسن سلوک:

یہ تو رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک پہلو تھا۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ آپ ﷺ کا سلوک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نہایت مشفقانہ اور نرم تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہے اور تم میں سے میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی، حدیث: ۳۸۹۲)

اسی طرح ابو عبداللہ الجدلی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کا اپنے اہل کے ساتھ سلوک کیسا تھا؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

''آپ اخلاق کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے، نہ فحش بات کہنے والے تھے اور نہ فحش کام کرنے والے تھے اور نہ بازاروں میں آواز لگانے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ آپ ﷺ عفوو درگزر سے کام لیتے تھے۔''

(ابوداؤد الطیالسی: ص ۲۱۴، حدیث: ۱۵۲۰، مسند احمد: ۶/ ۲۳۶، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱/ ۳۲۱، طبقات ابن سعد: ۱/ ۳۶۵، ترمذی، باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ، حدیث: ۲۰۱۷ وقال حسن صحیح)

ابن عساکر نے عمرہ رحمۃ اللہ علیہا سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کے ساتھ خلوت میں ہوتے تو آپ کا ان سے حسن سلوک کیسا ہوتا؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم آدمیوں کی طرح ایک آدمی تھے لیکن آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ کریم اور اخلاق کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے اور نہایت نرم مزاج اور مشفق تھے اور ہمیشہ خندہ رُو رہنے والے تھے۔''

(تاریخ دمشق: ۱/ ۳۲۳، اخلاق النبی لابی الشیخ: ص ۲۹، طبقات ابن سعد: ۱/ ۳۶۵)

ابن سعد نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک رات سرکار دو عالم ﷺ میرے ہاں سے باہر تشریف لے گئے۔ میں نے آپ ﷺ کے جانے کے بعد دروازہ بند کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ چنانچہ میں دروازہ کھولنے کے لیے آئی۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آپ

Marfat.com

اس رات کسی اور زوجہ محترمہ کی طرف تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا نہیں بلکہ میرے پیشاب میں کچھ خرابی واقع ہوگئی تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۸/۱۳۸، واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب العیال: ۵۶۶، ہذہ القصۃ من عائشۃ رضی اللہ عنہا ولکنھا من مرسل عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کئی ایک محدثین نے اسی سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے پاس تھے۔ اتنے میں ایک دوسری بیوی نے ایک برتن میں کچھ کھانا بھیجا۔ چنانچہ اس بیوی نے غلام کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور برتن گر کر ٹکرے ٹکڑے ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ اس برتن کے ٹکڑوں کو لے کر جوڑنے لگے اور کھانا سمیٹنے لگے۔ سرکار دو عالم ﷺ حاضرین سے فرمانے لگے: ''تمھاری ماں کو غیرت آ گئی۔'' پھر آپ ﷺ نے اس خادم کو روک لیا۔ جس بیوی نے وہ برتن توڑا تھا، اس کے گھر میں سے ثابت برتن لا کر اس خادم کے حوالے کیا اور ٹوٹا ہوا برتن اس کے گھر میں رہنے دیا جس نے یہ توڑا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((طعام بطعام واناء باناء))

''کھانے کے بدلے کھانا اور برتن کے بدلے برتن۔''

(بخاری، باب الغیرۃ، حدیث: ۵۲۲۵، ابوداود، حدیث: ۳۵۶۷، ابن ماجہ، باب الحکم فیمن کسر شیئا، حدیث: ۲۳۳۷، ترمذی، حدیث: ۱۳۵۹، نسائی، باب الغیرۃ وحدیث: ۱۷، مسند احمد: ۳/۱۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۴/۲۱۵)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ابوداؤد وغیرہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ:

''میں نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے بہتر کھانا بنانے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کھانا بنایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں ارسال کیا۔ مجھ پر کپکپی کی کیفیت طاری ہوگئی اور برتن ٹوٹ گیا۔ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جو کچھ مجھ سے ہوا ہے اس کا کفارہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

((اناء مثل اناء وطعام مثل طعام))

''برتن کی مثل برتن اور کھانے کی مثل کھانا۔''

(مسند احمد: ۶/۱۴۸، ابوداؤد، باب فیمن افسد شیئا یغرم، مثلہ حدیث: ۳۵۶۸، سنن نسائی: ۷/۷۱ فی کتاب عشرۃ النساء، حدیث: ۱۹، کتاب العیال لابن ابی الدنیا، حدیث: ۵۶۴)

مزاح بھی حسن سلوک کا ایک حصہ ہے۔ اس سے دوسرے آدمی کا دل خوشی و مسرت سے اچھلنے لگتا ہے۔ اس وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ کبھی کبھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے مزاح بھی فرماتے اور اس طریقے سے ان کے دلوں کو گدگداتے۔ چنانچہ سیدہ کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے سر مبارک کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ کے پاس اس وقت سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اور مہاجرین کی کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں اور اپنے اپنے گھروں کے بارے میں بارگاہِ رسالت میں شکایات کر رہی تھیں۔ اسی اثناء میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی بات کرنے لگیں اور رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو دیکھنا چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ:

''زینب رضی اللہ عنہا! تم اپنی آنکھ سے تو بات نہیں کر رہی۔ زبان سے بات بھی کرو اور اپنا کام بھی کرتی جاؤ۔'' (مسند احمد: ۶/۳۶۳، ابوداؤد، باب فی احیاء الموات، حدیث: ۳۰۸۰)

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث نسائی وغیرہ میں مرقوم ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ایک روز ہمیں ملنے کے لیے آئیں۔ پس رسول اللہ ﷺ اس کے اور میرے درمیان بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کا ایک پاؤں میری گود میں تھا اور دوسرا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی گود میں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کے لیے حریرہ (جو کہ دودھ سے بنتا ہے) یا خزیرہ (جو کہ کھجور سے بنتا ہے) پیش کیا۔ پس میں نے سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم بھی کھا لو لیکن انھوں نے کھانے سے انکار کیا۔ میں نے پھر کہا تم کھا لو و گرنہ میں تمھارے منہ پر مل دوں گی لیکن انھوں نے پھر بھی انکار کیا۔ میں نے رکاب میں سے تھوڑا سا لے کر ان کے چہرے پر مل دیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ

Marfat.com

کر بہت ہنسے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں اس کی گود سے اٹھالیا تا کہ مجھے روکیں اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم بھی اس کے چہرے پر اس کو ملو۔ پس انھوں نے بھی رکاب سے تھوڑا سا حریرہ یا خزیرہ لیا اور اسے میرے چہرے پر مل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے۔"

(نسائی، فی عشرۃ النساء، حدیث: ۳۱، وانظر تحفۃ الاشراف: ۱۲/۳۶۱، کما اخرجہ ابو یعلی: ۴/۲۸۵ وقال عنہ الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۴/۳۱۶، رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح خلا محمد عمرو بن علقمہ و حدیثہ حسن واخرجہ ابن ابی الدنیا فی کتاب العیال، حدیث: ۵۶۷)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر کی دنیا سے جب گھر کی چار دیواری میں تشریف لاتے تو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی دل جوئی کے لیے گھر کے تمام کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے، ان سے مزاح فرماتے اور گھر کے ماحول کو ہر طرح سے خوشگوار بنانے کی پوری پوری کوشش فرماتے۔

چنانچہ اسود بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بکری کا دودھ بھی دوہ لیتے، کپڑے کو پیوند بھی لگا لیتے، جوتا بھی گانٹھ لیتے اور ہر وہ کام کرتے جو لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے، لیکن جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم موذن کی آواز سنتے تو نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔"

(مسند احمد: ۶/۴۹، بخاری، باب من کان فی حاجۃ اہلہ فاقیمت الصلوٰۃ فخرج، حدیث: ۶۷۶، ترمذی، کان صلی اللہ علیہ وسلم فی مہنۃ اہلہ، حدیث ۲۴۹۱، جامع الاصول: ۱۱/۲۵۲، تحفۃ الاشراف: ۱۱/۳۵۲)

ابن سعد نے طبقات میں بھی اس طرح کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کے تمام کام کرتے یہاں تک کہ درزی یعنی سینے

Marfat.com

وغیرہ کا کام بھی کرتے تھے۔'' (طبقات ابن سعد: ۱/۳۶۶، اخلاق النبی لابی الشیخ: ص ۲۱)

اسی سلسلہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

- ''جس گھر میں کھجور نہیں ہے وہ گھر والے بھوکے ہیں۔''
- جس گھر میں سرکہ نہیں گویا کہ اس میں روٹی ہے لیکن سالن نہیں۔
- جس گھر میں بچے نہیں وہاں برکت نہیں اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہے اور میں تم سب میں اپنے اہل کے لیے بہتر ہوں۔

(کنز العمال، حدیث: ۴۴۴۷۲، واخرجہ الدیلمی فی الفردوس، حدیث: ۲۱۵۷)

اس روایت کے مختلف حصوں کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے جیسے مسلم میں ہے:

نعم الادام الخل۔

''بہترین سالن سرکہ ہے۔'' (مسلم، حدیث: ۲۰۵۲)

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے:

بیت لاتمر فیہ جیاع اھلہ

''جس گھر میں کھجور نہیں وہ گھر والے بھوکے ہیں۔'' (مسلم، حدیث: ۲۰۴۶)

اور اس روایت کے آخری حصے کی تائید ترمذی کی روایت سے ہوتی ہے۔

(ملاحظہ ہو ترمذی، روایت نمبر: ۳۰۹۲)

قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے جو کہ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث اور تقویٰ و ورع کے ایک پہاڑ تھے، اپنی پھوپھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے خود دیکھا کرتے تھے، اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے تھے اور اپنے سارے کام خود کیا کرتے تھے۔''

(مسند احمد: ۶/۲۵۶، ترمذی فی الشمائل، حدیث: ۳۳۵، عن عمرۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا، الادب المفرد للبخاری، حدیث: ۵۴۱، موارد الظمان، حدیث: ۲۱۳۶، ابویعلی: ۴/۴۲۶، حلیۃ الاولیاء: ۸/۳۳۱)

Marfat.com

ابوالبشر الدولابی سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''آپ ﷺ اپنا جوتا گانٹھ لیا کرتے تھے اور اپنے کپڑوں کو پیوند لگا لیا کرتے تھے۔''

(طبقات ابن سعد: ۱/۳۶۶، الادب المفرد، حدیث: ۵۳۹، ۵۴۰)

اسی مضمون کی روایات مختلف راویوں سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں۔

(ملاحظہ ہو مسند احمد: ۶/۱۲۱-۲۴۱، ۲۶۰، البدایہ والنہایہ: ۶/۴۶، المصنف لعبدالرزاق: ۱۱/۲۶۰، البیہقی فی الشعب: ۶/۲۹۰، ابن حبان، حدیث: ۲۱۳۳، طبقات ابن سعد: ۱/۳۶۶، مسند ابویعلی: ۴/۴۲۷)

آپ ﷺ کا طریقہ اور معمول یہ تھا کہ جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو السلام علیکم کہتے۔ رسول اللہ ﷺ جیسا خاوند جب اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کو سلام کہتا تو اندازہ فرمایئے ان کا دل ان کے سینوں میں کیسے خوشی سے اچھلنے لگتا ہوگا۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلم عن نسائه اذا دخل عليهن

''رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو سلام کرتے جب آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے۔'' (الکامل لابن عدی: ۳/۱۲۸۲)

حبہ رضی اللہ عنہ اور سواء رضی اللہ عنہ دو صحابی تھے جو خالد کے بیٹے تھے۔ یہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس گئے۔ آپ اس وقت کسی شے کی مرمت کر رہے تھے۔ ہم نے اس کام میں آپ ﷺ کی مدد کی۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم دونوں رزق سے مایوس نہ ہونا جب تک کہ تم دونوں کے سر ہلتے ہیں کیونکہ انسان کو ماں نے اس حالت میں جنا کہ اس پر چھلکا بھی نہیں تھا۔ پھر اللہ نے اس کو رزق عطا فرمایا۔

(الطبرانی فی الکبیر: ۴/۷، مسند احمد: ۳/۴۶۹، طبقات ابن سعد: ۶/۳۳، ابن ماجہ، حدیث: ۳۱۶۵، باب التوکل والیقین وقال البوصیری فی مصباح الزجاجہ: ۳/۲۸۴ صحیح رجالہ ثقات)

یہ بھی مزاح اور محبت کی ایک صورت ہے جو اس روایت میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

''ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ جونہی آپ ﷺ کاشانۂ نبوت میں داخل ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی آواز سے بولتے ہوئے دیکھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارنے کے لیے آگے بڑھے اور فرمایا اے فلاں کی بیٹی! تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارنے سے روکا اور فوراً آڑے آگئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ غیظ وغضب سے بھرے ہوئے باہر نکل گئے۔ بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے (مزاح کے انداز میں) فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں نے اس آدمی سے تجھے کیسے بچالیا۔ لیکن جب کچھ دیر بعد سیدہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ کی صلح ہوگئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر کاشانۂ نبوت میں آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب اندر آئے تو عرض کی کہ اس صلح میں مجھے بھی شریک فرمالیں جس طرح آپ نے مجھے لڑائی میں شامل کیا۔ جناب رسالتماب ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم نے تجھے صلح میں شریک کرلیا۔''

(نسائی، حدیث: ۲۷۳، باب عشرۃ النساء، ابوداؤد، باب ماجاء فی المزاح، حدیث: ۴۹۹۹، مسند احمد: ۴/۲۷۱، کتاب العیال لابن ابی الدنیا، حدیث: ۵۶۱)

Marfat.com

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی زوجۂ محترمہ تھیں۔ انھی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر اس وفا شعار بیوی کو یاد کرتے رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ کی طرف سے نسب نامہ حسب ذیل ہے:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی[1] بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ۔

نسب کے لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقابلہ میں سب سے زیادہ قریب ہیں۔ (فتح الباری: ۷/۱۶۷)

ماں کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا نسب یوں ہے:

آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن جندب بن حجر بن معیص بن عامر بن لوئی۔

آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

(مجمع الزوائد: ۹/۲۱۸)

بعض مؤرخین کے نزدیک ماں کے نسب نامہ کے بعض ناموں میں اختلاف ہے۔

(ملاحظہ ہو نسب قریش مصعب الزبیری: ص ۲۱-۲۲، تاریخ طبری: ۳/۱۶۱، المجر، ابن سعد اور اسد الغابہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے۔)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اپنے قبیلہ میں ایک نہایت اعلیٰ حیثیت کے حامل تھے۔ ہر

---

[1] قصی پر پہنچ کر آپ کا نسب نامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۸/۸-۱۰)

Marfat.com

شخص ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مکہ میں اقامت اختیار کی۔ عبدالدار بن قصی جوان کے عم زاد تھے حلیف بنے۔ تھوڑے عرصے کے بعد یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی اوران کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل اللہ تعالیٰ نے وہ بیٹی عطاء کی جس کے مقدر میں امت مسلمہ کی پہلی ام المؤمنین ہونا لکھا جاتا تھا۔

نکاح:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح سے قبل آپ رضی اللہ عنہا کے دو نکاح ہو چکے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شروع ہی سے بہترین صفات کی حامل تھیں۔ ذہانت و فطانت کے ساتھ عفت و عصمت کی صفات جمیلہ سے حق تعالیٰ شانہ نے نوازا ہوا تھا۔ سن بلوغت کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اور جمیلہ اخلاق کی وجہ سے پورے معاشرے میں طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ (الاصابہ:۸/۶۰)

آپ رضی اللہ عنہا کے ایک چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل تھے جو تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے اور عیسائیت اختیار کر لی ہوئی تھی۔ باپ نے اپنی پاکیزہ اخلاق بیٹی کی صفاتِ جمیلہ کا لحاظ رکھتے ہوئے سب سے پہلے شادی کے لیے ان کو منتخب کیا لیکن پھر نامعلوم وجوہ کی بنا پر یہ بیل پروان نہ چڑھ سکی اور سیدہِ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی ابو ہالہ بن بناش تمیمی سے ہوگئی۔ اس کا تعلق بنی اسید بن عمرو سے تھا۔ ان سے آپ کی دو اولادیں ہند اور ہالہ پیدا ہوئیں لیکن اکثر مؤرخین کی رائے اس کے الٹ ہے اور ہمارے خیال میں صحیح بھی یہی ہے کہ سب سے پہلے آپ کی شادی عتیق بن عابد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم المخز ومی سے ہوئی۔ (عیون الاثر:۱/۱۰۹)

ان سے ان کی ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔

عتیق بن عابد المخز ومی کے بعد دوسرا نکاح آپ کا ابو ہالہ مالک[1] بن بناش بن زرارہ بن وقدان بن حبیب بن سلام بن عدی بن اسید بن عمرو بن تمیم التمیمی سے ہوا۔

(عیون الاثر:۱/۱۱۹، مجمع الزوائد:۹/۲۱۹)

---

[1] اکثر تواریخ میں ابو ہالہ کا نام ہند آیا ہے۔ ملاحظہ ہو جمہرۃ الانساب لابن حزم: ص ۲۱۸، عیون الاثر: ۱/۱۱۹، انساب الاشراف: ۱/۴۰۶، المحبر: ص ۷۸، ابن اثیر نے ان کے دو نام نقل کیے ہیں۔ (اسد الغابہ: ۷/۷۹) اور حافظ ابن حجر نے چار نام نقل کیے ہیں۔ (فتح الباری: ۷/۱۶۷)

Marfat.com

ان کا خاندان بنی عبدالدار بن قصی کا حلیف تھا۔ ان سے ان کی دو اولادیں ہند اور ہالہ پیدا ہوئیں یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی اولاد کی ماں کی طرف سے بھائی تھے۔

اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑ گئی جس میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد لڑائی کے لیے نکلے اور میدان کارزار میں کام آئے۔ یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۹/۸)

رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں:

آپ کے والد محترم بھی انتقال کر گئے اور شوہر بھی جس کی وجہ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت کے عرب معاشرہ میں ایک عورت کے لیے تجارت کرنا نہایت مشکل تھا لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کا ذریعۂ معاش چونکہ تجارت تھا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی تجارت کی نگرانی خود کی اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ آپ اپنے اعزاء و اقارب کو معاوضہ دے کر مال تجارت کے لیے بھیجتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ پہلے بکریاں چراتے تھے۔[1] آپ کے امین ہونے کی شہرت تو شروع

[1] قریباً تمام انبیاء علیہم السلام بکریاں چراتے رہے ہیں۔ چنانچہ نسائی میں نصر بن حزن سے روایت ہے کہ ایک بار اونٹوں والے اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اور وہ بکریوں کے چرانے والے تھے اور داؤد علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے وہ بھی بکریاں چراتے تھے اور میں نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھر والوں کی بکریاں مقام اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔ (فتح الباری: ۴/۶۶۴)

حضرات انبیاء علیہم السلام کا بکریاں چرانا امت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا اونٹ اور گائے کا چرانا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ بکریوں کا چرانا دشوار ہے۔ بکریاں کبھی اس چراگاہ جاتی ہیں تو بھی اس چراگاہ۔ کبھی اس طرف دوڑتی ہیں تو کبھی اس طرف۔ اور راعی ہے کہ ہر طرف دیکھتا ہے کہ کوئی بھیڑیا یا درندہ تو ان کی فکر میں نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ سب بکریاں اور بھیڑیں ایک جگہ مجتمع رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بکری گلہ سے علیحدہ رہ جائے اور بھیڑیا اس کو پکڑ کر لے جائے۔ صبح و شام اسی فکر میں ان کے پیچھے سرگرداں اور پریشان رہتا ہے۔ یہی حال حضرات انبیاء علیہم السلام کا امت کے ساتھ ہوتا ہے کہ ان کی اصلاح و فلاح کی فکر میں لیل و نہار سرگرداں رہتے ہیں۔ امت کے افراد تو بھیڑ بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کمال شفقت و رافت سے ان کو للکار کر اپنی طرف بلاتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

ہی سے تھی۔ ہر شخص آپ کی راست بازی، حسن معاملت، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کا نہ صرف قائل تھا بلکہ مداح تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایسے شخص کی سخت ضرورت تھی، چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ میرا مالِ تجارت لے کر شام جائیں۔ جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں آپ ﷺ کو اس سے دگنا دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پیش کش کو قبول فرما لیا اور آپ ﷺ ان کا مال تجارت لے کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ بصریٰ تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کا یہ سفر تجارت بہت کامیاب رہا۔

جب اس سفر سے آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ نے سفر میں جو کچھ دیکھا تھا اس کو بیان کیا کہ جب دوپہر ہوتی اور گرمی کی حدت اور شدت میں اضافہ ہوتا تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کرتے اور خود سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی دیکھا کہ جب آپ ﷺ شام سے واپس ہوئے اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو دوپہر کا وقت تھا اور فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب بالا خانے سے آپ ﷺ کو اس شان سے آتے دیکھا تو پاس کی تمام عورتوں کو بھی دکھلایا۔ تمام عورتیں حیرت و استعجاب سے اس نظارہ کو دیکھنے لگیں۔ وہ پہلے میسرہ سے سفر کے حالات بھی سن چکی تھیں۔

آپ ﷺ نے واپسی پر تمام مال تجارت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا۔ اس مرتبہ آپ ﷺ کی برکت سے سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر نفع ہوا کہ اس سے قبل کبھی اتنا نفع نہ ہوا تھا۔ مضاربت کے اصولوں کے لحاظ سے سیدہ رضی اللہ عنہا نے جتنا معاوضہ آپ ﷺ سے مقرر کیا تھا آپ ﷺ کو اس سے زائد دیا۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۸۳، خصائص کبریٰ: ۱/۹۱، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۴۹)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ تمام حالات و واقعات اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے جا کر بیان کیے۔ ورقہ نے کہا: ''اے خدیجہ رضی اللہ عنہا! اگر یہ واقعات سچے اور صحیح ہیں تو پھر یقیناً محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس امت میں ایک نبی آنے والے ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے اور ان کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔'' (عیون الاثر: ۱/۱۲۰)

ان واقعات کو سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپ ﷺ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ سفر شام سے دو ماہ ۲۵ روز بعد خود سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھجوایا جس کو

Marfat.com

آپ نے اپنے چچا کے مشورہ سے قبول فرمالیا۔ (زرقانی:۱/۱۹۹، طبقات ابن سعد:۱/۴)

بعض روایات میں ہے کہ یہ رشتہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد نے کیا تھا جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے لیکن مبرد اور دوسرے مؤرخین فرماتے ہیں کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے والد تو حرب فجار میں یا اس سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے لہٰذا نکاح کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد موجود تھے، علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مبرد وغیرہ کا قول ہی درست اور صحیح ہے اور یہی سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں منقول ہے۔

(روض الانف:۱/۱۲۲، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری:۷/۱۶۷، السیرۃ النبویہ:۴/۶۴۳)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو بن خویلد نے آپ کا نکاح کیا۔

(عیون الاثر:۱/۱۱۹)

ابن سعد میں ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ایک نہایت سمجھ دار اور شریف عورت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کو وافر مال و دولت سے نوازا ہوا تھا۔ شرف وعظمت کے لحاظ سے ایک خاص مقام کی حامل تھیں، لہٰذا ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا لیکن قضاوقدر کی نظر انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ پر دل ہار چکی تھیں لہٰذا ایک روایت کے مطابق نفیسہ بنت منیہ کی معرفت آپ رضی اللہ عنہا کو خفیہ پیغام بھجوایا اور آپ ﷺ کے راضی ہونے پر نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

(طبقات ابن سعد:۱/۱۳۱۔۱۳۳، السیرۃ النبویہ لابن ہشام:۱/۱۸۷، عیون الاثر:۱/۱۱۸)

تاریخ مقررہ پر آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام رؤسائے خاندان کی معیت میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ پر تشریف لائے۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور ساڑھے بارہ اوقیہ جو کہ ۵۰۰ طلائی درہم کے مساوی ہوتا ہے زر مہر مقرر ہوا اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حریم نبوت میں داخل ہو کر پہلی ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا لقب ہی طاہرہ تھا۔ لہٰذا اب وہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

(الطبرانی فی الکبیر:۲۲/۴۴۸، نووی فی تہذیب:۲/۳۴۲، عن تاریخ دمشق)

نکاح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸

Marfat.com

سال تھی۔نکاح کا یہ واقعہ بعثت نبوی سے ۱۵ سال قبل کا ہے۔

(عیون الاثر: ۱/ ۱۱۸،طبقات ابن سعد: ۱/۳۳،ازرقانی: ۱/۲۰۲)

ایک روایت کے مطابق سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمراس وقت ۴۵ سال تھی۔(البدایه والنهایه: ۲۵۵/۵ عن الواقدی) اوردوسری روایت میں ۲۸ برس عمر تھی۔(ذکره ابن کثیر من روایة ابن عساکر عن ابن عباس ،اس کے لیے ملاحظہ ہوتاریخ دمشق: ص ۱۵۶، طبقات ابن سعد: ۱۷/۸) ہمارے خیال میں ۲۸ برس عمر والی روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ ۴۵ برس عمر کی عورت اتنی اولاد پیدانہیں کرسکتی جتنی سیدہ رضی اللہ عنہا نے کی۔نکاح کا خطبہ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے پڑھا جس کے آخری الفاظ یہ تھے:

اما بعد: فان محمدا ممن لایوازن به فتی من قریش الارجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا وان کان فی المال قل فانه ظل زائل وعاریة مسترجعة وله فی خدیجه بنت خویلد رغبة ولها فیه مثلك ذالك۔

امابعد: محمد (ﷺ) وہ ہیں کہ قریش کا کوئی نوجوان بھی شرف ورفعت اور عقل وفضیلت میں آپ ﷺ کے ساتھ تولا جائے تو آپ ﷺ ہی بھاری رہیں گے۔اگر چہ آپ ﷺ مال کے لحاظ سے کم ہیں لیکن مال ایک زائل ہونے والا سایہ ہےاورایک عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے۔یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے نکاح کی طرف مائل ہیں اوراسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ سے نکاح کی طرف مائل ہے۔'' (روض الانف: ۱/۱۲۲)

ان کلمات سے پہلے ابو طالب نے جوکلمات کہے وہ بھی سننے کے قابل ہیں۔آپ نے خطبۂ نکاح میں فرمایا:

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذریت، سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل، معد کے اصل اور مضر کے عنصر سے پیدا فرمایا۔ اور ہمارے لیے ایسا گھر مقرر کیا جس کا قصد کر کے لوگ دور دور سے آتے ہیں اوراس کی چار دیواری کو امن والا بنایا اور ہم کو اپنے گھر کا امین اور محافظ مقرر کیا۔ پھر ہم کو اورلوگوں پر حاکم بنایا۔''

جناب ابو طالب کے خطبۂ نکاح کے ختم ہوتے ہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی

Marfat.com

ورقہ بن نوفل اٹھے اور بحیثیت ولی یوں گویا ہوئے:

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں ایسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا اور ہمیں ایسی ہی فضیلتیں عطاء فرمائیں جیسی کہ آپ نے شمار کیں۔ ہم عرب کے سردار اور راہ نما ہیں اور آپ سب بھی۔ کوئی قبیلہ اور کوئی شخص آپ کے فضائل اور فخر وشرف کا انکار نہیں کرسکتا اور ہمیں آپ کی شرافت ونجابت اور قومیت سے تعلق پیدا کرنے کی رغبت ہوئی ہے۔ پس اے قبائل قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ ﷺ سے کردیا ہے۔''

جب ورقہ بن نوفل خاموش ہوئے تو جناب ابوطالب کہنے لگے کہ بہتر ہوگا کہ عمرو بن اسد (سیدہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی چچا) بھی اس کی توثیق کردیں۔ اس پر عمرو بن اسد کھڑے ہوئے اور کہا:

''اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ ﷺ کے نکاح میں دے دیا ہے۔''

اس ایجاب وقبول کے ہوتے ہی سرداران قریش نے ابوطالب اور دیگر عمائدین بنو ہاشم کو مبارک باد دی اور یوں یہ رسم نکاح اختتام پذیر ہوئی۔

حضور نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آتے ہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال و اسباب آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کردیا۔ اس سے آپ ﷺ کو فکر معیشت سے نجات مل گئی۔ اب حضور ﷺ تھے اور عبادت خداوندی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے کے پہلے دن سے ہی آپ ﷺ کی خدمت گزاری میں جان و مال سے ایسی مصروف ہوگئیں کہ گویا آپ ﷺ کی حقیقی وفا شعار خادمہ ہیں۔ تادم مرگ ان سے کوئی ایسا امر ظہور پذیر نہیں ہوا جس سے آپ ﷺ کو رنج ہوا ہو بلکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پریشانی لاحق ہوئی ہو تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے ہمیشہ آپ ﷺ کی تشفی اور دل جمعی کی اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد جب کفار مکہ آپ ﷺ کا استہزاء اور تمسخر اڑاتے جو حضور ﷺ کو ناگوار گزرتا تو اکثر سیدہ رضی اللہ عنہا آپ کی گرانیٔ طبیعت کو اپنی تسلی آمیز باتوں سے ہلکا کرتی تھیں۔ ہر امر میں مطیع وفرماں بردار تھیں اور حضور ﷺ بھی ہر بات میں آپ ﷺ سے مشورہ لیتے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

Marfat.com

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بعثتِ نبوی ﷺ:

اگرچہ انبیاء اور مرسلین اعلان نبوت و رسالت سے قبل نبی اور رسول نہیں ہوتے لیکن ولی اور صدیق ضرور ہوتے ہیں اور ان کی ولایت ایسی کامل اور اتم ہوتی ہے کہ بڑے بڑے ولی اور صدیق ان کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ بھی ابتداء سے ہی شرک و بُت پرستی سے منزہ تھے اور ان کی زندگی کا ایک ایک گوشہ کفر و شرک اور سوء و فحشا کی غلاظتوں سے پاک و صاف تھا۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے:

''رسول اللہ ﷺ اس ماحول میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت اور نگرانی فرماتے تھے اور جاہلیت کی تمام گندگیوں اور غلاظتوں سے آپ کو محفوظ و مصئون رکھتے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ کو نبوت و رسالت اور ہر قسم کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ مرد کامل ہو گئے اور مروت، حسن خلق، حسب ونسب، حلم و بردباری، راست بازی و صداقت و دیانت و امانت میں سب سے بڑھ گئے اور فحش اور اخلاق رذیلہ سے غایت درجہ دور ہو گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ ''امین'' کے لقب سے مشہور ہو گئے۔''

(ابن ہشام: ۱/۲۶)

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہتے سنا کہ بخدا! میں کبھی لات کی پرستش نہ کروں گا۔ بخدا! میں کبھی عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔''

(خصائص کبریٰ: ۱/۹۰، بحوالہ مسند احمد)

انبیاء و رسل اعلان نبوت و رسالت سے قبل بھی صفات خداوندی سے ناآشنا نہیں ہوتے اور نہ ان کو کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا شک واشتباہ۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾

(الانبیاء: ۲۱:۵۱)

Marfat.com

''بے شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ان کی شان کے مطابق رشد عطا کیا تھا۔ اور ہم ان کو اور ان کی استعداد کو پہلے ہی سے خوب جانتے تھے۔''

یہ رشد کیا ہے؟ سورۃ الحجرات میں بتایا کہ ''رشد'' قلب میں ایمان و اطاعت خداوندی کی محبت اور کفر وفسق اور معصیت کی نفرت و کراہت کے راسخ ہو جانے کا نام ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ابتداء ہی سے رشد اور ہدایت پر تھے۔ یہی حال تمام انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ بھی اعلان نبوت سے قبل حنیف اور رشید تھے۔ خود ارشاد فرمایا:

''جب میرا نشو ونما شروع ہوا اسی وقت سے بتوں کی شدید نفرت اور عداوت اور اشعار سے سخت نفرت میرے دل میں ڈال دی گئی۔'' (کنز العمال: ۳۰۵/۶)

جوں جوں نبی اکرم ﷺ کی عمر ۴۰ سال کے قریب پہنچ رہی تھی اعلان نبوت کا وقت قریب آ رہا تھا۔ چنانچہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ''آپ ﷺ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنادی گئی اور آپ ﷺ غار حراء میں جا کر خلوت فرماتے۔'' (فتح الباری: ۳۱۱/۲)

آپ ﷺ غار حراء میں جا کر اعتکاف فرماتے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور وہاں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرتے۔ کسی حدیث میں آپ ﷺ کی عبادت کی کیفیت مذکور نہیں ہے۔ بقول بعض علماء ذکر الٰہی، مراقبہ اور تفکر و تذکر آپ ﷺ کی عبادت تھی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''خاتم النبیین ﷺ'')

جب آپ ﷺ کی عمر ۴۰ سال ہوگئی۔ (عیون الاثر: ۱/۱۶۴، شرح نووی: ۹۹/۱۵) تو حسب معمول آپ ایک روز غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ ایک فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا (زرقانی: ۲۱۱/۱) پھر یہ کہا ''اقراء'' پڑھئے۔ آپ نے فرمایا: میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس پر فرشتہ نے پکڑ کر آپ ﷺ کو اس شدت سے دبایا کہ آپ ﷺ کی مشقت کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کے بعد چھوڑ دیا اور پھر کہا ''اقراء'' آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ فرشتہ نے آپ ﷺ کو پھر اسی شدت کے ساتھ دبایا اور چھوڑ دیا اور پھر کہا ''اقراء'' تیسری بار فرشتہ نے جب شدت سے دبایا اور چھوڑ دیا اور یہ کہا پڑھو:

Marfat.com

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (العلق:۹۶: ۱۔۵)

''آپ ﷺ اپنے پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھیے جو خالق ہے تمام کائنات کا خصوصاً انسان کا جس کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ ﷺ پڑھیے آپ ﷺ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ چیزیں بتلائیں جن کو وہ نہیں جانتا۔''

بعد ازاں آپ ﷺ گھر تشریف لائے اور بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی طاری تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے کچھ اڑھاؤ۔ جب کچھ دیر بعد گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی تو تمام واقعہ سیدہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری جان نہ نکل جائے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ کو بشارت ہو۔ آپ ﷺ ہرگز نہ ڈریئے۔ بخدا! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں اور ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ آپ ﷺ امین ہیں، مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں۔ حق بجانب امور میں آپ ﷺ ہمیشہ معین و مددگار رہتے ہیں۔

(بخاری، باب ۳ حدیث: ۳، کتاب بدء الوحی، مسلم، باب بدء الوحی برسول اللہ ﷺ، حدیث: ۱۶۰، ترمذی، باب ۱۳، کتاب المناقب، حدیث: ۳۶۳۶)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جان ہے، میں قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہوں گے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۱/۸۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

''آپ ﷺ نے تمام واقعہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا مبارک ہو اور آپ ﷺ کو بشارت ہو، بخدا! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ساتھ سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہ کرے گا۔ جو منصب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کے

Marfat.com

پاس آیا ہے اس کو قبول کیجیے۔ وہ بلاشبہ حق ہے اور آپ ﷺ کو خوشخبری ہو کہ آپ ﷺ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ (ابشر فانك رسول الله حقا)
(فتح الباری: ۱۲/ ۳۱۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ روایت صراحتاً اور اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ پر سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ بعد ازاں سیدہ رضی اللہ عنہا تنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانی ہو گئے تھے اور اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ ان سے یہ تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے سن کر یہ کہا:
اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق اس کے پاس وہی فرشتہ آتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔''

یہ روایت دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن مذکور ہے۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۵)
اس کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے ساتھ لے کر ورقہ کے پاس گئیں اور یہ کہا: اے میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا حال ان کی زبان سے سنئے۔ ورقہ نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اے بھتیجے! بتاؤ کیا دیکھا۔'' آپ ﷺ نے تمام واقعہ بیان کیا۔
ورقہ نے جب آپ ﷺ کا کلام سنا تو سنتے ہی حق کا یقین آ گیا کہ جو کچھ آپ ﷺ فرماتے ہیں وہ بالکل حق ہے اور ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا اور اس کو تسلیم کیا۔
(فتح الباری: ۱۲/ ۳۱۷)

ورقہ نے آپ ﷺ کا تمام حال سن کر کہا کہ یہ وہی ''ناموس'' فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترتا تھا۔ کاش کہ میں تمھارے زمانۂ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا جب کہ تمھاری قوم تم کو وطن سے نکالے گی یا کم از کم زندہ ہی ہوتا۔ آپ ﷺ نے نہایت تعجب سے فرمایا کیا وہ مجھ کو نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا ایک تم ہی پر موقوف نہیں جو شخص بھی نبی اور رسول ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیام لے کر آیا، لوگ اس کے دشمن ہو گئے اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا تو میں نہایت زور سے آپ کی مدد کروں گا لیکن کچھ زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔
یہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی روایت ہے اور ابو میسرہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ

Marfat.com

ورقہ نے کہا:

"آپ ﷺ کو بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی نبی ہیں جن کی سیدنا مسیح بن مریم علیہما السلام نے بشارت دی ہے اور آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم مرحمت فرمایا جائے گا۔"

(فتح الباری: ۸/۵۵۴، اصابہ ترجمہ ورقہ بن نوفل، عیون الاثر: ۱/۱۲۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ چلتے وقت[1] ورقہ نے آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا۔

(عیون الاثر: ۱/۸۷)

حافظ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کعبہ تشریف لے گئے اور اس کا طواف شروع کیا۔ دوران طواف ورقہ بن نوفل[2] بھی انھیں مل گئے۔ کیونکہ وہ بھی کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا: اے بھتیجے! مجھے بتاؤ تم نے (غار حراء میں کیا) دیکھا اور کیا سنا۔ آپ ﷺ نے انھیں بتایا۔ ورقہ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم اس امت کے نبی ہو (انك لنبی هذا الامة) اور جو تیرے پاس آیا تھا وہ ناموس اکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ بے شک تیری تکذیب کی جائے گی، تجھے اذیت دی جائے گی اور تیرے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو تیری بہت بڑی مدد کروں گا۔ پھر ورقہ نے سر جھکایا اور آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر نبی کریم ﷺ اپنے مکان پر واپس آ گئے۔

(عیون الاثر: ۱/۱۷۲، ابن ہشام: ۱/۲۳۶۔۲۳۸)

۱۔ ورقہ بن نوفل کے موحد ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی وہ موحد تھے۔ پھر نصرانی ہو کر بھی وہ موحد ہی رہے۔ نصرانیت کی حالت میں تورات وانجیل کی بشارت کے مطابق انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو نبی مان لیا، اس لیے علماء کا ایک اچھا خاصا گروہ ان کے مومن ہونے کا قائل ہے اور اس کی تائید میں بعض مرسل روایات بھی ہیں کہ حضور ﷺ نے انھیں جنت میں دیکھا۔ ان روایات کا ذکر "البدایہ والنہایہ" اور "الاصابہ" میں ہے۔ (فتح الباری: ۸/۵۵۴، عمدۃ القاری: ۱/۵۷)

۲۔ جن لوگوں کے نزدیک ورقہ کا ایمان ثابت ہے ان کے نزدیک ان کی صحابیت میں کوئی شک نہیں چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاصابہ" میں ان کو فہرست صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے بھی تجرید اسماء الصحابہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

Marfat.com

چونکہ نبی اکرم ﷺ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی الجہاد ہیں اور شریعت موسویہ کی طرح آپ ﷺ کی شریعت بھی حدود وتعزیرات، جہاد وقصاص اور حلال وحرام کے احکام پر علی وجہ الاتم مشتمل ہے لہٰذا آپ ﷺ سے بات کرتے ہوئے ورقہ نے باوجود نصرانی ہونے کے یہ کہا کہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اور جس وقت اول بار سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی غیبت میں ورقہ سے آپ ﷺ کا حال بیان کیا تو اس وقت ورقہ نے نصرانی ہونے کے باعث آپ ﷺ کے ناموس (فرشتہ) کو ناموس عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی۔ (فتح الباری: ۱/۲۴)

اس واقعہ کے بعد چند روز کے لیے وحی کا آنا رُک گیا۔ وحی کے رک جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کا نازل ہونا چند روز کے لیے موقوف ہوگیا۔ یہ مطلب نہیں کہ جبریل کا آنا موقوف ہوگیا۔ جبریل امین کی آمد ورفت برابر جاری رہی۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری: ۱/۷۳) تاکہ آپ ﷺ کے دل سے گذشتہ دہشت اور خوف دور ہو جائے اور قلب مبارک میں آئندہ وحی کا شوق اور انتظار پیدا ہو جائے۔ وحی کے رک جانے سے آپ ﷺ کو بہت حزن وملال تھا جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس مشکل وقت میں بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو تسلی دیتیں اور آپ ﷺ کے حزن وملال کو ہر طریقہ سے دور فرمانے کی کوشش کرتیں۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک بار سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ اگر ممکن ہو تو جس وقت وہ ناموس آپ ﷺ کے پاس آئے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں۔ چنانچہ اس کے بعد جب جبریل امین علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ ﷺ میری آغوش میں آ جائیں۔ جب آپ ﷺ سیدہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں آئے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سر کھول دیا اور آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ اس وقت بھی جبریل کو دیکھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں۔ (فواللہ انہ الملك ماھذا الشیطان)

(عیون الاثر: ۱/۱۷۲، السیرۃ النبویہ: ۱/۸۲، فتح الباری: ۸/۵۵۳، خصائص کبریٰ: ۱/۹۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کو مبارک ہو وہ فرشتہ

Marfat.com

ہے اگر شیطان ہوتا تو نہ شرماتا۔ (الاصابہ: ۲۸۱/۴، ترجمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) ان روایات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت پر سیدہ رضی اللہ عنہا کا یہ استدلال عقلی تھا کہ ایسے محاسن وشمائل کا سرچشمہ نبی ہی کی ذات ہو سکتی ہے۔ اور ورقہ بن نوفل کا استدلال نقلی تھا کہ یہ وہی نبی اور رسول ہے جس کی بشارت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل سے قبل عداس کے پاس گئیں۔ (عداس رضی اللہ عنہ عتبہ بن ربیعہ کے غلام تھے اور شہر نینویٰ کے رہنے والے تھے۔ جہاں یونس علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ پہلے وہ عیسائی تھے اور بعد میں اسلام کی دعوت پر لبیک کہہ کر مسلمان ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو الاصابہ: ۴۶۶/۲، ترجمہ عداس) اور ان سے جبریل علیہ السلام کا آنا بیان کیا۔ عداس نے جبریل علیہ السلام کا نام سنتے ہی یہ کہا: قدوس، قدوس، یعنی سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ ان بت پرستوں کی سرزمین میں جبریل کا ذکر، وہ تو اللہ کے امین ہیں اور اس کے اور اس کے انبیاء کے مابین سفیر ہیں۔ اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے دوست ہیں۔ بعد ازاں وہ ورقہ کے پاس گئیں۔

(اصابہ: ۴۶۷، فتح الباری: ۵۵۳/۸، عمدۃ القاری: ۶۴/۱، زرقانی: ۲۱/۲)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور نبی کریم ﷺ کو کبھی ورقہ رضی اللہ عنہ بن نوفل کے پاس لے جانا اور کبھی عداس رضی اللہ عنہ کے پاس جانا اور آپ ﷺ کا حال بیان کرنا اس سے کسی شک و تردد کا ازالہ اور یقین کا حصول نہ تھا بلکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی و تشفی مقصود تھی کہ نزولِ وحی کی وجہ سے آپ ﷺ پر جو ایک خاص خشیت اور دہشت طاری ہے وہ سکون میں تبدیل ہو جائے اور چونکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے غیبی کرامتیں اور خوارق دیکھ کر سرکار دو عالم ﷺ سے نکاح کیا تھا اور اس امید پر کیا تھا کہ جس آخری نبی کی بشارتیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ رضی اللہ عنہ بن نوفل سے بار بار سنی تھیں ان کا مصداق حضور ﷺ ہوں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور غار حرا سے واپس آ کر جب آپ نے وہ سیدہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی تو سیدہ رضی اللہ عنہا کو سنتے ہی آپ ﷺ کی نبوت کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا لیکن فرطِ مسرت اور جوش محبت میں کچھ مزید اطمینان کے لیے کبھی آپ ﷺ کو ورقہ رضی اللہ عنہ بن نوفل کے پاس اور کبھی عداس رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاتیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فقط آپ ﷺ کی پریشانی اور حزن و ملال سے پریشان تھیں ورنہ اپنے دل میں بے انتہا شاداں و فرحاں تھیں کہ آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت گزشتہ کتابوں میں ہے۔

Marfat.com

سب سے پہلے ایمان لانے والی:

ان روایات کی روشنی میں جن کو سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے، یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سب سے اول تھیں۔ چنانچہ روایات میں ہے:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین سال قبل اس دنیا سے انتقال فرما گئیں اور مردوں اور عورتوں میں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی تھیں۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/۴۵۱، ورواہ الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۹/۲۲۰)

طبرانی ہی کی ایک روایت میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلی ہیں۔''

(المعجم الکبیر: ۲۲/۴۵۲، رواہ الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۹/۲۲۰)

ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نماز کے واجب ہونے سے قبل رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سب سے پہلی ہیں۔''

(عن الزہری اخرجہ البسوی فی التاریخ: ۳/۳۲۰، السمط الثمین محب الطبری: ص ۱۹)

علامہ ابن عبدالبر نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ:

اتفقوا علی ان خدیجه اول من آمن

''اس بات پر سب متفق ہیں کہ سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔''

(الاستیعاب: ۴/۱۸۱۹)

ابن اثیر فرماتے ہیں:

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تمام مسلمانوں کے اجماع کی رُو سے اللہ کی مخلوق میں حضور علیہ السلام پر ایمان لانے میں سب سے اول ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے نہ کوئی مرد اسلام لایا اور نہ کوئی عورت۔'' (اسد الغابہ: ۷/۷۸)

حافظ ابوعبداللہ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔

(تجرید اسماء الصحابۃ: ۷/۲۲۲)

امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے سیدہ

Marfat.com

خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے بعد پہلے کون ایمان لایا۔
(نقلہ عن الثعلبی الامام النووی فی تہذیب: ۲/۳۴۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:
''محققین کی جماعت کے نزدیک صحیح بات یہی ہے۔'' (تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۴۱)
حافظ ابن سید الناس نے بھی اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو عیون الاثر: ۱/۱۷۸،
علامہ ابن کثیر اور طبری نے اس بارے میں یوں فیصلہ کیا ہے:
''آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، عورتوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور بچوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ایمان لائے تھے۔'' (طبری: ۲/۶۰، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۹)

نبوت کی غم گسار:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نہ صرف نبوت کی تصدیق کی اور سب سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لائیں بلکہ آغاز اسلام میں آپ ﷺ کی بہت بڑی معین و مددگار بھی تھیں۔ سرور کائنات ﷺ کو چند سال تک کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ اس میں بڑی حد تک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اثر کام کر رہا تھا کیونکہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا کا مکہ مکرمہ میں بہت زیادہ اثر تھا۔ بعثت کے آغاز میں جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

((لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ))
''مجھے اندیشہ ہے کہ میری جان نہ نکل جائے۔''
تو یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جنھوں نے کہا تھا:
''خدا کی قسم، اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں۔ لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں اور مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں'' وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ سے آپ کو ہر وقت تسلی و تشفی دیتی رہتی تھی۔ گویا یہ غم خوار غم گسار نبوت تھیں۔

Marfat.com

دعوت اسلام کے سلسلہ میں جب مشرکین مکہ نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی نے آپ کو دلاسہ اور تسلی دی۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ ہوتا وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔''

(الاستیعاب: ۲/۴۰، ابن ہشام: ص ۲۴۰، عیون الاثر: ۱/۱۷۸)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شعب بنو ہاشم میں:

جب محرم الحرام ۷ نبوی میں قریش مکہ نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھ کر نبی اکرم ﷺ اور بنو ہاشم اور ان کے حامیوں سے یک قلم تمام تعلقات منقطع کر لیے اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو شعب بنو ہاشم[1] میں محصور کر دیا گیا۔ بنو ہاشم میں سے سوائے ابولہب کے ہر شخص اس گھاٹی میں محصور ہو گیا۔ ابولہب قریش کے ساتھ رہا۔ یہ محاصرہ تین سال تک رہا۔ حصار سخت تکلیف دہ تھا، یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سے سنائی دینے لگی۔ سنگ دل بلبلانے کی آواز سن کر خوش ہوتے لیکن جو ان میں رحم دل تھے ان کو سخت ناگوار گزرا اور صاف کہا کہ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ منصور بن عکرمہ پر کیا آفت آئی۔

(طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۹، عیون الاثر: ج ۱، ابن ہشام: ۱/۱۲۲، فتح الباری: ۷/۱۴۶، زادالمعاد: ۲/۲۶)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شعب بنو ہاشم میں تمام بنو ہاشم کے ساتھ محصور تھیں اور ہر وہ تکلیف برداشت کر رہی تھیں جو دوسرے محصورین کو دی جاتی تھی۔ (عیون الاثر: ۱/۲۲۴)

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مکہ میں جب کوئی تجارتی قافلہ آتا تو بنو ہاشم میں سے

---

[1] عام تواریخ میں اس کا نام ''شعب ابی طالب'' ہے لیکن یہ نام غلط ہے اور ایک خاص سازش کے تحت رکھا گیا ہے۔ دراصل یہ ایک پہاڑ کا درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا۔ اور اس کا اصل نام ''شعب بنو ہاشم'' تھا۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی: ۱/۲۴۵ تعلیقہ) ایسا ہی ناسخ التواریخ: ۲/۳۴۱، العقد الفرید: ۳/۹۶، اور تاریخ یعقوبی میں لکھا ہے۔

Marfat.com

ابولہب قافلہ والوں کے پاس جا کر اعلان کرتا کہ کوئی تاجر اصحاب محمد ﷺ کو کوئی شے عام نرخوں پر نہ فروخت کرے بلکہ ان سے دگنی تگنی قیمت لے اور اگر کوئی نقصان یا خسارہ ہو تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم خریدنے کے لیے آتے لیکن نرخ کی گرانی کا یہ عالم دیکھ کر خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتے۔ مختصر یہ کہ ایک طرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی تہی دستی اور دشمنوں کی چیرہ دستی تھی جبکہ دوسری طرف بچوں کا بھوک سے تڑپنا اور بلبلانا تھا۔ (روض الانف: ۱/۳۳۲)

تین سال تک بنو ہاشم اس حصار میں رہے۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر گزارا کیا گیا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سخت بھوکا تھا۔ اتفاق سے رات کی تاریکی میں میرا پاؤں کسی تر چیز پر پڑا۔ میں اسے فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا۔ اب تک معلوم نہیں کہ وہ کیا شے تھی۔ تاہم اس زمانہ میں بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اثر و رسوخ سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے غلام کو ساتھ لے کر کچھ غلہ لے جا رہے تھے۔ جاتے ہوئے ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا کہ کیا تم بنو ہاشم کے لیے غلہ لے جاتے ہو؟ میں تمھیں ہرگز غلہ نہ لے جانے دوں گا اور سب میں تم کو رسوا کروں گا۔ اتفاق سے ابوالبختری سامنے آ گیا۔ واقعہ معلوم کر کے ابوجہل سے کہنے لگا۔ ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے غلہ بھیجتا ہے تم اس میں کیوں رکاوٹ بنتے ہو۔ ابوجہل کو غصہ آ گیا اور وہ سخت سست کہنے لگا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابوجہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ مار کھانے سے زیادہ ابوجہل کو اس کی تکلیف پہنچی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شعب میں سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ (ابن ہشام: ۱/۳۵۳، عیون الاثر: ۱/۲۲۴)

بالآخر قریش کے اندرونی باہمی اختلاف کی وجہ سے تین سال کی مسلسل مصیبت کا خاتمہ ہوا اور ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال قبل بنو ہاشم شعب سے باہر نکلے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب: ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ) (فتح الباری: ۷/۱۴۷)

وفات:

محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی شعب بنو ہاشم سے باہر آ ئیں لیکن اب مسلسل تکالیف و مصائب کے باعث سیدہ رضی اللہ عنہا کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ آخر نکاح کے بعد ۲۵ سال زندہ رہ کر ماہ رمضان یا شوال ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال

Marfat.com

قبل (بخاری: ۱/ ۵۵۱) اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئیں۔ رمضان یا شوال ہی میں پہلے ابو طالب کا انتقال ہوا۔ پھر تین یا پانچ دن بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔

(زرقانی: ۱/ ۲۹۱، ص ۲۹۶، عیون الاثر: ۱/ ۲۲۷، ابن ہشام: ۱/ ۴۱۶، المعارف لابن قتیبہ: ص ۱۳۳، دلائل النبوۃ: ۲/ ۳۵۲)

وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ تھی۔ چونکہ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا انھیں بھی اسی طرح دفن کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے زیادہ غمگسار بیوی کو قبر کی آغوش میں رکھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی قبر جنت المعلیٰ (حجون) میں ہے اور زیارت گاہ عام وخاص ہے۔

(تفسیر القرطبی: ۱۴/ ۱۶۴، الاصابہ: ۷/ ۶۰۵، نووی فی تہذیب: ۲/ ۳۴۲)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے تاریخ اسلام کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اور وہ زمانہ سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی کا سخت ترین زمانہ ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ سال عام الحزن کے نام سے مشہور ہے کیونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے رخصت ہو جانے سے ایک تو کوئی تسلی دینے والا اور غم گسار باقی نہ رہا اور دوسرے کفار نے نہایت بے رحمی اور بے باکی کے ساتھ آ ﷺ پ کو ستانا شروع کر دیا۔ کفار پہلے بھی آپ ﷺ کو کافی تکلیف دیتے تھے لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کو کافی تسلی ہو جاتی تھی اور ستانے کی تکلیف کا مداوا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے:

کانت وزیرۃ صدق علی الاسلام و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسکن الیھا (عیون الاثر: ۱/ ۲۲۷، دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/ ۳۵۲)

چنانچہ اسی زمانے میں یعنی شوال ۱۰ نبوی میں آپ ﷺ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے اور طائف میں جو کچھ آپ ﷺ پر گزرا اور جو تکلیف آپ ﷺ کو دی گئی قلم کو اس کی تاب نگارش نہیں۔ (اس کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب "خاتم النبیین ﷺ")

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دفعہ پوچھا یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر احد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہ رضی اللہ عنہا! تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں، لیکن میرے اوپر سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے عبد یالیل کے بیٹے پر اپنے آپ کو پیش کیا اور اس نے میری بات کو قبول نہ کیا۔ میں وہاں سے

Marfat.com

نہایت مغموم اور رنجیدہ واپس لوٹا۔ مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر کچھ افاقہ ہوا۔ یکا یک جو سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ٹکڑا ابر مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور اس میں جبریل امین علیہ السلام موجود ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے وہیں سے مجھ کو آواز دی کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔ اس وقت اللہ نے آپ ﷺ کے پاس ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتہ) کو بھیجا ہے تاکہ آپ ﷺ اس کو جو چاہیں وہ حکم دیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

(بخاری، باب اذا قال احدکم آمین، حدیث: ۳۲۳۱، مسلم، حدیث: ۱۸۹۵، عیون الاثر: ۱/۲۳۴، فتح الباری: ۶/۲۲۵)

خصائص وفضائل:

سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ایک نہایت بلند پایہ خاتون تھیں۔ جب سرور کائنات ﷺ لوگوں کو کفر وشرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر توحید خداوندی کی روشن شاہراہ پر چلانے کے لیے مکہ کے گلی کوچوں میں لوگوں کو پکار رہے تھے تو اقصائے عالم سے ایک آواز بھی ان کی تائید میں نہ اٹھی۔ تمام جزیرۂ عرب ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا۔ کوئی شخص آپ ﷺ کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھا لیکن اس عالمگیر خاموشی میں بھی ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کر رہی تھی اور وہ سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی آواز تھی جو ان کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے بلند ہوئی تھی اور جو اس ظلمت کدۂ کفر وضلالت میں انوار الٰہی کی دوسری تجلی گاہ تھی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ۲۵ سال نبوت کے حبالۂ عقد میں رہیں۔ اس سے قبل قریباً ۲۸ سال انھوں نے جاہلیت میں گزارے لیکن اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کی طرح اس مقدس خاتون نے جاہلیت ہی میں بت پرستی ترک کر دی تھی۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''بخدا! میں کبھی بھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، لات کو جانے دیجیے، عزیٰ کو جانے دیجیے یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے۔'' (مسند: ۴/۲۲۲)

یہ لات وعزیٰ سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی بیزاری کا اظہار تھا۔ اسی پاکیزگی قلب کا نتیجہ تھا کہ

Marfat.com

جونہی رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نبوت کی صدا بلند ہوئی تو سب سے پہلے سیدہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جنھوں نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور اس کے بعد پھر ان ذات ستودہ صفات سے اسلام اور ذات نبوت کو جو تقویت ملی وہ سیرت نبوی کی کتاب کے ایک ایک صفحہ سے عیاں اور نمایاں ہے۔اسی حقیقت کو ابن ہشام نے ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

وکانت وزیرۃ صدق علی الاسلام

''سیدہ رضی اللہ عنہا اسلام کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں۔''

(ابن ہشام: ص ا، دلائل نبوۃ بیہقی: ۲/۳۵۲، عیون الاثر: ۱/ ۲۲۷)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اس میں ہر طرف سے دھن برستا تھا۔ وہ منہ میں چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شادی سے قبل آپ ﷺ دولت میں کھیلتی تھیں۔قریباً سارا مکہ اور اس کی بیشتر آبادی آپ ﷺ کے مال تجارت پر اپنی زندگی کی گزران کرتی تھی۔ بیسیوں نوکر چاکر اور خادمائیں سیدہ کے گھر کے کام کرنے میں اپنے لیے فخر محسوس کرتی تھیں لیکن جونہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حبالۂ عقد میں آئیں، اپنی پوری زندگی آپ ﷺ کے قدموں میں تج دی۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سیدہ کے غلام تھے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حبالۂ عقد میں آنے کے بعد آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے حضور ﷺ کی غلامی میں دے دیا۔اب وہ کسی دنیوی رئیس کے خادم ہونے کے بجائے شہنشاہ کونین اور سید الثقلین ﷺ کے غلام تھے۔گھر کا ہر کام اپنے ہاتھوں سے خود کرتیں اور آپ ﷺ کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔اس صبر اور خدمت کا اجر بارگاہِ خداوندی سے یہ ملا کہ خود رب العزت کے سلام و پیام آنے لگے۔چنانچہ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس برتن میں کھانے کی کوئی چیز لا رہی ہے جب وہ آپ کے پاس آئے تو اسے اس کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے۔

(بخاری، حدیث: ۳۸۲۰، مسلم، باب فضائل خدیجہ رضی اللہ عنہا ام المومنین، حدیث: ۲۴۳۲)

اسی طرح ایک اور روایت میں یوں آیا ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حق تعالیٰ شانہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہتے ہیں۔سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا کہ حق تعالیٰ خود ''سلام'' ہیں اور جبریل پر بھی سلام ہو اور آپ پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔

(نسائی، عمل الیوم واللیلہ، حدیث: ۳۷۴، تحفۃ الاشراف: ۱/ ۱۰۷، واخرجہ الحاکم فی المستدرک: ۳/ ۱۸۶)

Marfat.com

اسی مضمون کی ایک روایت طبرانی نے بھی نقل کی ہے کہ:

''جبریل علیہ السلام سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ''یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہے'' جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ''انھیں ان کے رب اور میری طرف سے سلام کہیے۔''

(المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۵ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۴ رواہ الطبرانی مرسلاً، ورجالہ رجال الصحیح)

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ:

فھی فضیلة لاتعرف لامراة سواھا

''یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو آپ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی اور عورت کو میسر نہیں ہوئی۔''

(زادالمعاد: ۱/ ۱۰۵)

یہ بات بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خصائص میں شمار ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے حین حیات میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا انس تھا۔ چنانچہ طبرانی نے اس بارے میں ابن شہاب زہری سے روایت نقل کی ہے کہ

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ۲۴ سال اور کچھ ماہ آپ ﷺ کے نکاح میں رہیں لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا حتیٰ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔

(المعجم الکبیر: ۲۲/ ۴۵۰ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۰ وروا الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح، المصنف عبدالرزاق: ۷/ ۴۹۳)

اسی مضمون کی ایک حدیث مسلم میں بھی زہری عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے۔

(ملاحظہ ہو مسلم، باب فضائل خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا، حدیث: ۲۴۳۶)

آپ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جنت میں محل کی بشارت دی۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بشر خديجة ببيت فى الجنة من قصب

''بلاشبہ رسول کریم ﷺ نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو جنت میں موتیوں سے بنا ہوا گھر ملنے کی خوشخبری مرحمت فرمائی۔''

(بخاری، حدیث: ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، مسلم، حدیث: ۲۴۳۵)

Marfat.com

ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم بشر خدیجة ببیت فی الجنة من قصب لاصخب فیها ولانصب

''رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت مین ایسا گھر ملنے کی بشارت دی جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور محنت ومشقت نہ ہوگی۔

(ترمذی، باب فضل خدیجہ ام المومنین، حدیث: ۳۸۸۶)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں ایسے محل کی بشارت دوں جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور وغل اور محنت ومشقت نہ ہوگی۔''

(مسند احمد: ۱/۲۰۵، مسند ابویعلی: ۶/۱۸۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۳/۱۰، مستدرک حاکم: ۳/۱۸۴، مجمع الزوائد: ۹/۲۲۳)

سیدہ کی یہی فضیلت مختلف الفاظ سے مختلف کتابوں میں مذکور ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں۔ مجمع الزوائد: ۹/۲۲۴، المصنف عبدالرزاق: ۱۱/۴۳۰، فتح الباری: ۷/۱۷۱، عند شرح الحدیث: ۳۸۱۹)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی تعریف فرماتے ہی تھے کیونکہ دونوں کے مابین بے انتہا انس ومحبت تھی لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بھی آپ ﷺ انھیں اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے سند جید کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جب بھی ذکر فرماتے تو ان کی بہت تعریف فرماتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے ایک روز رشک آ گیا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اکثر ایک بڑھیا رضی اللہ عنہا کو یاد کرتے ہیں جو وفات پا چکی ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے اچھی بیویاں عطا فرما دیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ نے مجھے اس سے اچھی بیویاں نہیں دیں۔ جب لوگ میرا انکار کر

Marfat.com

رہے تھے تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگ میری تکذیب کر رہے تھے تو انھوں نے میری تصدیق کی۔ جب لوگ مجھے مال سے محروم کر رہے تھے تو انھوں نے کھل کر میری مالی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی جب کہ اور عورتوں سے میں اولاد سے محروم رہا۔‘‘

(مسند احمد: ۶/ ۱۱۷، ۱۱۸، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۳، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۲۶، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۴ وقال اسنادہ حسن۔ الاستیعاب لابن عبدالبر: ۴/ ۱۸۲۴)

بخاری اور مسلم میں بھی یہ روایت ہے لیکن ان میں یہ روایت ’’قد ابدلك الله تعالى خيرا منها‘‘ تک ہے روایت کے اگلے جملے صحیحین میں نہیں ہیں۔

(ملاحظہ ہو بخاری، حدیث: ۳۸۲۱، مسلم حدیث: ۲۴۳۷)

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت احادیث کی کتابوں میں ملتی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کے لیے ہمیشہ استغفار فرماتے۔ چنانچہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا۔ مجھے رشک آ گیا۔ میں نے عرض کیا حضور ﷺ! اللہ تعالیٰ نے اس بڑھیا کے بدلے میں آپ ﷺ کو اس سے بہتر عورتیں عطا فرمائی ہیں (پھر بھی آپ ﷺ ان کو یاد فرماتے ہیں) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غصے سے بھر گئے اور آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر میری جان گئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب اگر حضور ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا میں پھر کبھی بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اس طرح نہیں کروں گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

’’عائشہ رضی اللہ عنہا! تو نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ بخدا! جب لوگ میرا انکار کر رہے تھے وہ مجھ پر ایمان لائی اور جب لوگ مجھے چھوڑ رہے تھے اس نے مجھے پناہ دی۔ جب لوگ میری تکذیب کر رہے تھے اس نے میرے (دعویٰ رسالت کی) تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔‘‘

(المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۳، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۴، وقال الہیثمی رواہ الطبرانی واسانیدہ حسن، الاربعین فی مناقب امہات المومنین ابن عساکر: ص ۱۸، تاریخ دمشق لابن عساکر: ص ۱۶۱، الاصابہ: ۷/ ۶۰۵، الاستیعاب: ۴/ ۱۸۲۴)

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نہ صرف سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تمام عمر یاد فرماتے رہے بلکہ جس طرح ان کی حیات دنیوی میں ان کی سہیلیوں سے اچھا سلوک فرماتے، ان کے انتقال کے بعد بھی آپ ﷺ کا رویہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں سے وہی رہا بلکہ پہلے سے بہت بہتر رہا۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''سرکار دو عالم ﷺ کے پاس جب بھی کوئی شے لائی جاتی، آپ ﷺ فرماتے یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فلاں سہیلی کے گھر لے جاؤ۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''اس کو فلاں کے گھر بھیج دو کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتی تھی۔'' (المعجم الکبیر: ۱۲/۲۳، مستدرک حاکم: ۳/۱۷۵، الذریعہ، حدیث: ۲۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بڑھیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: جثامه المزنيه، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تو حسانة المزنيه ہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی خیر و عافیت پوچھی۔ اس نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں خیریت سے ہوں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! یہ عورت کون ہے؟ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں جو کچھ آپ اس بڑھیا کے لیے کر رہے تھے یہ اور کسی دوسرے کے لیے آپ ﷺ نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور عہد کو پورا کرنا بھی ایمان میں سے ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان كرم الود من الايمان

''محبت کی تکریم بھی ایمان کا جزو ہے۔''

(مستدرک حاکم: ۱/۵۱۔۱۶، شعب الایمان للبیہقی: ۶/۵۱۷، حدیث: ۹۱۲۲، المعجم الکبیر: ۲۳/۱۴، اسد الغابہ: ۷/۶۴، الاصابہ: ۷/۵۸۰، اعلام النبلاء للذھبی: ۲/۱۶۵، المقاصد الحسنۃ، حدیث: ۱۱۸۹)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کے صلہ میں یہ فضیلت عطا فرمائی کہ انھیں جنت کی عورتوں میں سے افضل قرار دیا۔ چنانچہ مسند احمد میں سیدنا ابن

Marfat.com

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار خط رقم فرمائے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم جانتے ہو کہ یہ خط کیا ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((افضل نساء اهل الجنة، خديجةؓ بنت خويلد وفاطمةؓ بنت محمد و مريمؓ بنت عمران اورآسيةؓ بنت مزاحم، امراة فرعون))

''جنت کی عورتوں میں سب سے افضل یہ چار عورتیں ہیں: خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ اور مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران اور آسیہ رضی اللہ عنہا بنت مزاحم جو فرعون کی بیوی تھی۔''

(مسند احمد: ۱/۲۹۳، مسند ابویعلی: ۳/۱۵۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/۳۳۶، ۲۲/۴۰۷، ۲۳/۷، مجمع الزوائد: ۹/۲۲۳ وقال الہیثمی رواہ احمد و ابویعلی والطبرانی ورجالہم رجال الصحیح، مستدرک حاکم ۳/۱۶۰ وصححہ الذہبی ونسائی فی فضائل الصحابہ: ۲۵۲، تحفۃ الاشراف: ۵/۱۵۲)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ خاص خصوصیت ہے اور اس میں کوئی دوسری ام المومنین ان کی شریک نہیں ہے۔

پھر نہ صرف سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں ''افضل نساء اهل الجنة'' فرمایا بلکہ ایک روایت میں انھیں ''خیر نساء العالمین'' یعنی تمام جہانوں کی عورتوں سے بہتر فرمایا۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خير نساء العالمين مريم بنت عمران وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم وآسية امراة فرعون))

''تمام جہانوں میں سب سے بہتر چار عورتیں ہیں: مریم رضی اللہ عنہا بنت عمران، خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد (ﷺ) اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا۔''

(اخرجہ ابن حبان کما فی موارد الظمان، حدیث: ۲۲۲۲، فضائل الصحابہ امام احمد، حدیث: ۱۳۲۵ والترمذی، حدیث: ۳۸۸۸ ولفظہ ''حسبک من نساء العالمین مریم......'' وقال صحیح)

بخاری اور مسلم میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((خير نسائها مريم بنت عمران وخير نسائها خديجة بنت خويلد))

Marfat.com

''عالم میں افضل ترین عورتیں مریم رضی اللہ عنہا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔''

(بخاری، حدیث: ۳۸۱۵، مسلم، حدیث: ۲۴۳۰)

اولاد:

جیسا کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے شروع میں لکھا گیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے سے قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان سے اولاد بھی ہوئی تھی۔ عتیق بن عائذ بن عبداللہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ وہ اسلام لائی اور اس کا نکاح ہوا۔ اور دوسرے خاوند ہند بن نباش بن زوارہ ابو ہالہ سے دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا نام ہند تھا۔ ابن عبدالبر نے لکھا کہ ہند رسول اللہ ﷺ کے ربیب تھے وہ اپنی ماں کے ساتھ ایمان لائے اور جنگ جمل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ (الاستیعاب: ۱/۱۵۴۹، الاصابہ ذکر ہند بن ہند)

ایک روایت میں ہے کہ وہ بصرہ میں طاعون سے فوت ہوئے۔ ان کے جنازہ میں اژدھام کثیر تھا اور لوگ اپنے جنازوں کو چھوڑ کر ان کے جنازہ میں شرکت کرنے کے لیے اس وجہ سے آئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ربیب تھے۔

سیدنا ہند رضی اللہ عنہ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور رسول اللہ ﷺ کی بہت شان بیان کرنے والے تھے۔

(رسول اللہ ﷺ کی شان میں ان کی طویل احادیث کے لیے ملاحظہ ہو شمائل ترمذی: ص ۷، طبقات ابن سعد: ۱/۴۲۲، مجمع الزوائد: ۸/۲۷۳۔ ۲۷۵، دلائل ابی نعیم: ص ۶۲۷۔۶۳۲، دلائل البیہقی: ۱/۲۸۵۔۲۹۰، شمائل الجوی، حدیث: ۳۵۷)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں باپ، ماں، بھائی اور بہن کے لحاظ سے سب سے زیادہ عزت والا ہوں کیونکہ میرے والد رسول اللہ ﷺ ہیں اور میری ماں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہے، اور میرا بھائی قاسم رضی اللہ عنہ اور میری بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے۔ (ابن قتیبہ، المعارف: ص ۱۳۳)

اسی ہند کے نام پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام ہند تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۸/۱۵، تہذیب الاسماء والصفات: ۲/۳۴۲، التحفہ اللطیفہ، سخاوی: ۱/۴۰)

رسول اللہ ﷺ سے آپ کی چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحب زادے جو بچپن میں

Marfat.com

انتقال کر گئے اور چار صاحب زادیاں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① قاسم رضی اللہ عنہ: رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔ انھیں کے نام پر آپ کی کنیت ''ابوالقاسم'' تھی۔ بچپن میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت پیروں چلنے لگے تھے۔

② دوسرے صاحب زادے عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے جو نہایت چھوٹی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک انھی کے لقب طیب اور طاہر تھے کیونکہ یہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے۔

③ زینب رضی اللہ عنہا: یہ رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں۔

④ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

⑤ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

⑥ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا چونکہ ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھیں اور گھر میں دولت کے انبار تھے اس وجہ سے عقبہ کی لونڈی مسلمہ کو بچوں کی پرورش اور نگہداشت پر مقرر کیا تھا۔ وہ ان کو کھلاتی اور دودھ پلاتی تھیں۔ گویا مسلمہ بچوں کی آیا تھیں۔

رسول اللہ ﷺ سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی اس اولاد کو تمام شیعہ سنی محدثین اور مؤرخین نے تسلیم کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل کتب:

① مجمع الزوائد: ۹/ ۲۱۷، باب فی اولاد رسول ﷺ
② السیرۃ النبویہ ابن ہشام: ج ۱
③ زاد المعاد: ۱/ ۲۵، فصل فی اولادہ ﷺ
④ طبقات ابن سعد: ۱/ ۸۵، ۸/ ۱۵۶
⑤ نسب قریش للمصعب زبیری: ص ۲۳۱
⑥ المعارف ابن قتیبہ: ص ۶۱
⑦ انساب الاشراف بلاذری: ۱/ ۳۹۶-۴۰۱
⑧ جمہرۃ انساب العرب: ص ۱۶
⑨ اصول کافی: ص ۲۷۹، طبع نولکشور

Marfat.com

⑩ کتاب الخصال، صدوق ابن بابویہ القمی: ص ۷۵۔۳۷۶
⑪ قرب الاسناد عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی: ص ۶، ایران
⑫ مروج الذہب مسعودی: ۲/ ۲۹۸
⑬ حیات القلوب، ملا باقر مجلسی: ۲/ ۴۸۷، نولکشور
⑭ تنقیح المقال فی احوال الرجال، شیخ عبداللہ مامقانی: ۳/ ۷۳، ایران
⑮ منتخب التواریخ، محمد ہاشم خراسانی شیعی: ۱/ ۲۳
⑯ منتہی الامال عباس قمی: ۱/ ۱۰۸، ایران

ان کتابوں کے نام مع صفحات ہم نے اس لیے دیئے ہیں کہ بعض نا ہنجار لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحب زادوں کا تو نہیں البتہ حضور ﷺ کی صاحب زادیوں کا انکار کرتے ہیں اور نہایت ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی صرف ایک صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جو کہ سراسر غلط اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذاء پہنچانے کے مترادف ہے۔ اور نہایت افسوس کا مقام یہ ہے کہ کراچی یونیورسٹی کے ایک بورڈ نے ایک ایسے شخص کو ڈاکٹریٹ کی سند دے دی ہے جس نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ کی ان کے علاوہ اور کوئی بیٹی نہ تھی حالانکہ یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اس کتاب پر ڈاکٹریٹ کی سند دینے والوں کو ''علمی بزرجمہر'' ہی کہا جا سکتا ہے یا پھر یہ کہ انھوں نے کسی خاص غرض سے ایسا کیا ہے: انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس لیے ہم آپ ﷺ کی صاحب زادیوں کے مفصل حالات بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے، اور یہ غالباً نبوت سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے۔ مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔ ابن فارس نے لکھا ہے کہ یہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ آپ ﷺ کی اولاد میں یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے اور انتقال بھی ان کا سب سے پہلے ہوا۔ عام روایت کے مطابق قبل بعثت وفات پائی۔ انھیں کے نام سے آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ آپ ﷺ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جب آپ ﷺ کا محبت سے نام لیتے تو ''ابوالقاسم'' ہی کہتے۔ ایک روز آپ ﷺ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی شخص نے ''یا ابا القاسم'' کہہ کر آواز دی۔ آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو پکارنے والے نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ! میں اسی کنیت کے کسی دوسرے شخص کو پکار رہا ہوں۔ دفع اشتباہ کے لیے آپ ﷺ نے منع فرما دیا کہ یہ کنیت کوئی دوسرا نہ رکھے۔

زبیر بن بکار کا قول ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئیں لیکن کلبی کے نزدیک سرکار دو عالم ﷺ کی سب سے پہلی اولاد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ بعض مورخین اور سیرت نگار حضرات کے قول کے مطابق سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ کے نکاح کے پانچ برس بعد پیدا ہوئیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو سیدہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت تھی۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم محباً فيها۔

(الاستیعاب: ۳۰۵/۴، تاریخ الخمیس دیار بکری: ۲۷۳/۱)

''رسول اللہ ﷺ آپ سے بڑی محبت کیا کرتے تھے۔''

Marfat.com

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع بن لقیط سے ہوئی۔ شادی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خواہش سے ہوئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس خواہش کا احترام کیا اور ابو العاص رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی۔

سرکار دو عالم ﷺ نے جونہی دعویٰ نبوت کیا تو اہل مکہ اور اطراف ونواح کے سب قبائل آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کے سخت مخالف ہو گئے اور ان کے خلاف جبر وستم کا ایک طوفان کھڑا کر دیا، لیکن آپ ﷺ نے ان مشکل حالات میں بھی دعوتِ اسلامی کی مساعی جاری رکھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے عام دستور کے مطابق اپنی صاحب زادیوں کے نکاح اپنی قوم اور قبیلہ ہی میں کر دیئے تھے، لیکن قریش مکہ نے آپ کی عداوت اور مخالفت کے باعث ان نکاحوں کو ختم کروانے اور طلاق دلوانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ قریش کے زعماء نے ابو العاص بن ربیع کو اس بات پر مجبور کیا کہ اپنی زوجہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں اور قریش کی جس عورت سے بھی چاہیں، اس سے ان کا نکاح کر دیا جائے گا۔ ابو العاص نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ میں کسی صورت بھی اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے کر اپنے سے جدا نہیں کر سکتا اور اس کے مقابلہ میں نہ تو قریش کی کسی عورت کو پسند کرتا ہوں اور نہ ہی میں کسی اور عورت سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ (ذخائر العقبیٰ: ص ۱۵۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۱۱)

اس جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابو العاص نے رسول اللہ ﷺ اور اپنی خالہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنی قرابت داری کو آخر تک نبھایا حالانکہ وہ ابھی تک حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ جب بھی رؤسائے قریش اور سرداران قوم ان سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے پر اصرار کرتے تو ابو العاص کا ایک ہی جواب ہوتا کہ

لا واللہ اذن لا افارق صاحبتی۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۳۱۳)

''خدا کی قسم! میں اپنی بیوی کو اپنے سے ہرگز جدا نہیں کر سکتا۔''

رسول اللہ ﷺ کو جب ابو العاص کے اس جواب کا علم ہوتا تو آپ ﷺ ابو العاص کی قدر دانی اور شکر گزاری کو عمدہ اور اچھے الفاظ میں سراہتے کہ اس نے رشتۂ مصاہرت کو خوب نبا ہا ہے۔

اعلان نبوت کے بعد قریش مکہ کی عداوت نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں سے اپنی انتہا

Marfat.com

کو پہنچ گئی۔ آخر کار ہجرت مدینہ کا حکم آیا۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳ نبوت میں بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی۔ قریش کو اس سے سخت پریشانی اور گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ قریش مکہ کی زیادتیوں اور مظالم نے مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ کفر کے فتنہ سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں تھے۔ ہجرت حبشہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب پتہ چلا کہ یثرب میں امن مل سکتا ہے تو وہ بیعت عقبہ سے ایک سال قبل ہی یثرب چلے آئے تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۶۸، فتح الباری: ۷/ ۱۸۰)

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے والے سب سے پہلے مہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے بیعت عقبہ کبریٰ سے ایک سال قبل ہجرت کی تھی۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بچہ سلمہ بھی تھا۔ (زاد المعاد: ۳/ ۴۹)

مسلمان ایک ایک کر کے مدینہ طیبہ جا رہے تھے۔ وہ مصائب اور اذیتوں کے پہاڑ عبور کرتے ہوئے آگے پیچھے پے در پے مکہ سے نکلتے اور راستہ کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے مدینہ پہنچتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہجرت کرنے والوں کے لیے مختلف وعدے کیے اور ان کے فضائل اس وقت کے لوگوں اور آئندہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے بیان فرمائے، اور مہاجرین کی خدمات کا ان الفاظ میں اعتراف کیا جو نہایت قابل غور ہے:

﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي﴾

(آل عمران: ۳: ۱۹۵)

''پس وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں انھیں اذیت دی گئی۔''

گویا حق تعالیٰ اعتراف فرما رہے ہیں کہ مہاجرین کا اور تو کوئی قصور نہیں تھا بلکہ وہ صرف اور صرف میری راہ میں ستائے گئے، اور جو اذیتیں بھی انھوں نے اٹھائیں خواہ وہ جسمانی اذیت ہو یا غریب الوطنی کی اذیت ہو، وہ سب میری وجہ سے تھی۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک کسی محبّ نے اپنے محبوب کو یہ سرفرازی نہیں بخشی کہ محبوب کی اذیتوں کا ان الفاظ میں اعتراف کرے۔

بیعت عقبہ ثانیہ کے قریباً اڑھائی ماہ بعد ۲۶ صفر المظفر سنہ ۱۴ نبوی (۱۲ ستمبر ۶۲۲ء) جمعرات کو مکہ کے بڑے ہال ''دارالندوہ'' میں تاریخ کا سب سے بڑا اور خطرناک اجتماع ہوا

Marfat.com

جس میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور مشیت بالغہ سے ناکام بنا دیا اور آپ ﷺ بھی ہجرت فرما کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے، لیکن وہاں بھی قریش مکہ نے آپ ﷺ کو امن وسکون سے نہ رہنے دیا۔ چنانچہ سنہ ۲ ھ میں جنگ بدر ہوئی جس میں قریش مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ان قیدیوں کے بارے مین آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس سے ان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہوگا اور ہمیں اپنی معاشی اور اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لیے رقم بھی مل جائے گی۔ (مسند احمد: ۳/۲۴۳)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ انھوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میری وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ کفر ہیں۔ ان کی تمام کوششیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رہی ہیں، لہٰذا ان کو ختم کر دینا چاہیے تاکہ کفر کا زور ٹوٹے۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر اسیرانِ بدر کو چھوڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ فدیہ کی مقدار حیثیت کے مطابق مقرر کی گئی جو کہ چار ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔

ان اسیران جنگ میں آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ یہ ایک صاحب حیثیت تاجر اور قریش کے اونچے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوالعاص اگرچہ مال دار تھے لیکن اس موقع پر ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی اہلیہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو فدیہ کی رقم بھیجنے کے لیے پیغام بھجوایا۔ انھوں نے مکہ سے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے جو فدیہ بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے وقت دیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی نظر جونہی ہار پر پڑی تو اپنی جان نثار بیوی کی یاد تازہ ہوگئی جس نے اپنا سب کچھ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے لیے قربان کر دیا تھا۔ واقعات کی رفتار نے ایک عجیب رقت انگیز صورت پیدا کر دی تھی۔ وہ حق پرست خاتون جس نے اپنی ساری دولت، محبت اور توانائیاں دعوت دین کی تائید میں صرف کر دی تھیں، آج جب نخل اسلام پروان چڑھا اور اس کی سب سے پہلی فتح پر اس باوفا، جانثار اور آپ ﷺ کے رنج وغم میں دلداری کرنے والی خاتون

Marfat.com

کا ہار جو اس نے نہایت محبت و شفقت سے اپنی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دیا تھا ایک قیدی کے فدیہ میں پیش ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ کی آنکھیں اس ہار کو دیکھ کر نمناک ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔ اسی وقت سر تسلیم خم ہو گئے۔ قیدی بھی رہا کر دیا گیا اور ہار بھی واپس ہو گیا۔

پیغمبر اسلام اور رحمت عالم ﷺ اس موقع پر سیدہ خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی وفاداری، خلوص اور جانثاری کی بنا پر خود اپنی رائے سے بھی یہ ہار واپس کر سکتے تھے اور ابوالعاص کو کسی فدیہ کے بغیر رہائی دلوا سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ اس معاملہ کا تعلق آپ ﷺ کی ذات سے تھا۔ آپ کی بیٹی اور داماد کا معاملہ تھا، لہٰذا ضابطہ اور قاعدہ کی پابندی اور آج کل کی اصطلاح میں جمہوری تقاضے کو پیش نظر رکھا۔

آپ ﷺ نے معاملہ مسلمانوں کے سامنے رکھا چنانچہ جیسے ہی انھیں اس رقت انگیز صورت حال کا احساس ہوا تو سب نے خود کہا کہ ماں کی یادگار بیٹی کو واپس کر دی جائے، اور ابوالعاص کو بلا فدیہ رہا کر دیا جائے حالانکہ آپ ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ آپ ﷺ کے ایک اشارہ ابرو پر مسلمان اپنی جانیں چھڑکنے کو سعادتِ ابدی سمجھتے تھے۔

(مسند احمد: ۶/۲۷۶، ابوداؤد: ۲/۳۶۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۱۲)

شیعہ مؤرخین نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حواشی منتہی الآمال: ۱/ ۱۰۸

اب تک اگرچہ مسلم و مشرک کا باہمی نکاح حرام نہیں ہوا تھا، اس وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں مسلمان ہوتے ہوئے بھی ابوالعاص کے یہاں رہتی تھیں، لیکن اب آپ ﷺ نے یہی مناسب سمجھا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ آ جائیں[1]۔ چنانچہ آپ ﷺ

---

[1] یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جونہی سرکار دوعالم ﷺ پر غار حراء میں وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو سب سے پہلے آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔ آپ کے ایمان لانے کے ساتھ ہی آپ کی تمام بیٹیاں بھی سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ لکھا ہے:

فلما اکرم الله نبیه صلی الله علیه وسلم بنبوته آمنت خدیجة وبناته۔

(ذخائر عقبیٰ: ص ۱۵۷، البدایہ والنہایہ: ۳/۳۱۱)

Marfat.com

نے ابوالعاص سے وعدہ لے لیا کہ وہ مکہ پہنچ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ سرور کائنات ﷺ نے غزوۂ بدر سے قریباً ایک ماہ بعد سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ لے آئیں۔ ان کے ساتھ ایک انصاری کو بھیجا۔

(ابوداؤد: ۲/ ۳۶۷، طبقات ابن سعد: ۸/ ۲۰)

اس وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تو پہلے روز ہی سے مسلمان تھیں لیکن ابوالعاص ابھی تک حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے۔ صحابہ مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ قریش اور مسلمانوں کے مابین نئی نئی جنگ ہوئی تھی۔ مکہ کے قریب ایک جگہ بطن یاجج آپ ﷺ نے بتا دی تھی کہ وہاں پوشیدہ طور پر ٹھہر جائیں اور جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا وہاں پہنچیں تو انھیں لے کر مدینہ طیبہ چلے آئیں۔

ابوالعاص وفائے عہد کا پتلا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ اس نے جو وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کیا۔ چنانچہ حسب وعدہ اس نے اپنے بھائی کنانہ بن ربیع سے کہا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس جگہ پہنچا آئیں جہاں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما اور ان کا انصاری ساتھی ان کے منتظر تھے۔

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عرب کی معزز خواتین ہودج میں سفر کیا کرتی تھیں۔ معزز خواتین کا یہ ایک امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ کنانہ بن ربیع نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہودج میں نہایت احترام اور اعزاز کے ساتھ سوار کرایا۔ تیر اور ترکش ساتھ لیے اور دوسرے اونٹ پر خود سوار ہوا اور دوپہر کے وقت مکہ سے روانہ ہوا کیونکہ دوپہر کے وقت زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے عرب لوگ کم سفر کرتے ہیں۔ اس وقت سفر کرنے سے شاید ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگوں کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مدینہ جانے کا علم نہ ہو۔

کنانہ بن ربیع سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر ابھی ذی طویٰ ہی پہنچے تھے کہ قریش کے کچھ لوگ پیچھے پہنچ گئے اور انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے ہودج کو گھیر لیا۔ قریش کے ایک شخص ہبار بن اسود[1] نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہ کے اونٹ کو نیزہ مارا جس سے اونٹ تڑپا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

[1] یہ ہبار بن الاسود بن المطلب بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے اسلام کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں نے تجھ کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ اچھا معاملہ کرے اس وجہ سے کہ اس نے تجھے اسلام کی ہدایت دی اور اسلام سابقہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

(الاصابہ: ۳/ ۵۶۶)

Marfat.com

زمین پر گر گئیں سیدہ رضی اللہ عنہا چونکہ حاملہ تھیں، اس لیے گرنے سے ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ آپ چٹان پر گریں۔ سخت چوٹ آنے کے باعث خون جاری ہو گیا۔

کنانہ بن ربیع کی توقع کے خلاف یہ سب کچھ ہوا۔ انھوں نے جب یہ ہنگامہ دیکھا تو فوراً ترکش سنبھال کر تیر اندازی شروع کر دی، لیکن ہبار بن اسود بچ کر نکل گیا۔ ابوسفیان بھی کچھ آدمیوں کو لے کر موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ کنانہ تیر اندازی کر رہا ہے تو اس نے اشارہ سے کنانہ کو تیر اندازی سے روکا۔ پھر پاس آ کر کنانہ سے کہا: ''برخوردار! ہم نہیں چاہتے کہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس کے باپ سے الگ کر دیں، لیکن تمھاری یہ حرکت ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اگر تم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رات کے اندھیرے میں نکال کر لے جاتے تو اور بات تھی، لیکن تم نے دن دیہاڑے جو یہ کام کیا یہ اچھا نہیں۔ اس سے لوگ یہی کہیں گے کہ قریش اتنے بزدل اور مرعوب ہو چکے ہیں کہ ان کے سامنے کھلم کھلا عورتیں نکال لی جاتی ہیں اور وہ دم نہیں مار سکتے۔ اس میں ہماری بھی بدنامی ہے اور تمھاری بھی، لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ اس وقت تم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو واپس لے چلو، پھر کسی اور روز ہم سے بے خبر رات کی تاریکی میں اس کو نکال کر لے جانا۔

کنانہ ذہین آدمی تھے۔ موقع کی نزاکت کو سمجھ گئے۔ چنانچہ وہ اس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو واپس لے آئے۔ پھر چند روز بعد موقع پا کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رات کے اندھیرے میں لے جا کر اس جگہ پہنچا دیا جہاں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما اور ان کا انصاری ساتھی انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ پروگرام کے مطابق سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔ اس طرح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے ابا کے پاس مدینہ طیبہ پہنچ گئیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۳۳۰)

ابوالعاص نے اسیران بدر سے رہائی کے بعد آپ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیجنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((انی انکحت اباالعاص بن الربیع فحدثنی وصدقنی)) (بخاری: ۱/۴۳۸)

''میں نے ابوالعاص بن الربیع کو نکاح کر دیا اس نے مجھ سے جو بات کی وہ سچ کر دکھائی۔''

بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس کے

Marfat.com

ساتھ اپنی مصاہرت کا ذکر فرمایا اور دامادی کے حق میں ابوالعاص کی بہت تعریف فرمائی۔ نیز فرمایا کہ اس نے مجھ سے جو بات کی وہ سچی کی اور اس نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا اس کو پورا کر دکھایا۔ (بخاری: ۱/ ۵۲۸، مسند احمد: ۴/ ۳۲۶)

سرکار دو عالم ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ ایک بہت بڑی اہمیت اور فضیلت کے حامل ہیں اور ابوالعاص کے عمدہ کردار کی ترجمانی کرتے ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مکہ سے مدینہ بھیجنے میں ایک کردار تو ابوسفیان نے ادا کیا کہ اس نے کنانہ بن الربیع کو طریقہ بتایا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو یہاں سے کیسے نکالو۔ چنانچہ ابوسفیان کا بتایا ہوا طریقہ کنانہ نے استعمال کیا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس کے ہدف اور منزل تک پہنچا دیا۔

اسی سلسلہ میں ایک کردار ابوسفیان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ کا بھی کتابوں میں مرقوم ہے۔ وہ یہ کہ سیدہ ہند کا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے ہاں جو ابوالعاص بن الربیع کی زوجہ محترمہ تھیں، اکثر آنا جانا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے وعدہ کر لیا اور وہ ایک شخص کے ہاتھ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے والد کے ہاں مدینہ بھیجنا چاہتے تھے۔ یہ جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے جب کہ میدان بدر میں اساطین قریش کے مرنے والوں کا خون بھی ابھی خشک نہیں ہوا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ کی لاشوں کو ابھی قلیب بدر میں کیڑوں نے نہیں کھایا تھا، اور اس ہند بنت عتبہ کو جنگ بدر میں سخت ترین صدمات سے دوچار ہونا پڑا تھا کیونکہ اس کا باپ، اس کا بھائی اور اس کا تایا میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، اور ہند قریش کی مختلف مجالس میں انتقام کی آگ بھڑکانے کے لیے سخت تگ و دو کر رہی تھی۔ اسی اثناء میں سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ ایک روز ہند کو راستہ میں ملیں، اور ہند کو بتایا گیا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا کے اباجان محمد رسول اللہ ﷺ نے اسے مدینہ بلا بھیجا ہے۔ ہند بنت عتبہ نے یہ سن کر کہا: ''اے محمد (ﷺ) کی صاحب زادی، مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے باپ کے پاس مدینہ جانا چاہتی ہو؟ اگر ایسا ہے تو اے میرے چچا کی بیٹی! آپ ﷺ کو سفر کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہو، مجھے بلا جھجک بتا دینا یعنی تمھیں سفر کی سہولت اور آسانی کے لیے جس قدر مال یا دوسری چیزوں کی ضرورت ہو، وہ مجھے بغیر کسی شرم اور جھجک کے بتا دینا۔ (فعندی حاجتك وفلا تستحی

Marfat.com

منی) کیونکہ مردوں کا معاملہ اور ہے اور عورتوں کا اور۔ دشمنی مردوں سے ہوتی ہے عورتوں سے نہیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''خدا کی قسم! میں نے جو چاہا اس نے مجھے مہیا کیا۔ جس روز میں مکہ سے مدینہ طیبہ کے ارادے سے نکلی تو قریش کے مرد میرے نکلنے پر مزاحم ہوئے۔ وہ مجھے بزور مکہ واپس جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ میں حاملہ تھی اور اونٹ سے گر پڑی جس کے باعث میرا حمل ساقط ہو گیا۔ ہند بنت عتبہ نے جب یہ واقعہ سنا تو وہ جلدی سے دوڑتی ہوئی آئیں اور قوم کو مخاطب کر کے کہنے لگیں: ''تمھیں عورتوں سے لڑتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ جنگ بدر میں تمھاری شجاعت کہاں گئی تھی؟ (این کانت شجاعتکم یوم بدر؟) پھر وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور لوگوں کے درمیان حائل ہو گئیں۔ مجھے گلے لگایا اور میرے ہاتھ پاؤں دبانے لگی۔ میرا خون وغیرہ پونچھا یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں میرے ابا جان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کے معاملہ کو امن وامان سے مرتب کیا۔

(نحو رؤیۃ جدیدۃ للتاریخ: ص ۲۰۸، فرسان من عصر النبوۃ: ص ۸۵۳)

مختصر یہ کہ ابو العاص بن ربیع نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ پہنچا کر اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو العاص کی بہت تعریف وتحسین فرمایا کرتے تھے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ایک اہم فضیلت:

اگرچہ مسلمان مردوں اور عورتوں نے ہجرت کرتے ہوئے بہت مصائب اور تکالیف اٹھائیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ تمام مہاجرین اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مکہ سے مدینہ آ گئے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے ان کے لیے فقراء کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ ایک روز عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبد المطلب اور ابو جہل مہاجرین مدینہ کے ایک محلّہ سے گزرے جو بالکل ویران پڑا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ نے ان ویران مکانوں کو دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور نہایت دکھ کے ساتھ کہا کہ آج بنی جحش کے گھر بے آباد اور اجاڑ ہو کر رہ گئے ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا:

کل دار ان طالت سلامتها
یوماً ستدرکها النکباء والحوب

Marfat.com

''ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرت کدہ بنا رہے، لیکن ایک نہ ایک دن وہ غم کدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے۔''

اس پر ابو جہل بولا: ''روتے کیا ہو، یہ سب ہمارے اس بھائی (عباس) کے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ اس نے ہماری جماعت میں تشتت وافتراق کا بیج بویا، ہمارے آپس کے روابط منقطع کر دیئے اور ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

غرضیکہ نہ صرف مردوں نے بلکہ مسلمان عورتوں نے بھی ہجرت کرتے ہوئے بہت تکالیف اٹھائیں۔ عورت چونکہ صنف نازک ہے اور مردوں کی نسبت فطرتاً کمزور اور ضعیف واقع ہوئی ہے اور وہ جلد پریشان ہو جاتی ہے، ایک معمولی تکلیف بھی اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی سفر ہجرت میں بہت تکالیف اور مصائب اٹھائے۔ آپ رضی اللہ عنہا پر غیر معمولی تشدد کیا گیا۔ اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ آپ سرکار دو عالم ﷺ کی صاحب زادی تھیں ورنہ معصومہ رضی اللہ عنہا کا اور کوئی قصور نہ تھا۔ ان کو یہ سب تکالیف بنت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیثیت سے نہ دی گئی تھیں بلکہ بنت رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے دی گئی تھیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ بارگاہِ رسالت میں پہنچیں اور تمام واقعات آپ ﷺ کے گوش گزار کیے تو آپ ﷺ نے اپنی اس پیاری جاں نثار صاحب زادی کے بارے میں جو کلمات ارشاد فرمائے اور جو Tripute انھیں دیا، تاریخ نے اس کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

سینے میں محفوظ رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ھی خیر بناتی اصیبت فی))

اور بعض روایات میں ہے: ھی افضل بناتی اصیبت فی

یعنی اسی قسم کے الفاظ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے بارے میں فرمائے۔

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ﴾

(آل عمران:۳:۱۹۵)

''پس وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اذیت انھیں میرے راستہ پر چلنے کی وجہ سے دی گئی۔''

Marfat.com

آپ ﷺ کے الفاظ جو آپ ﷺ نے اپنی صاحب زادی کے بارے میں فرمائے تھے اور وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی تعریف کے بارے میں فرمائے تھے، مفہوم و مدلول کے لحاظ سے دونوں قریباً ایک جیسے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ میری بیٹی کا اور تو کوئی قصور نہیں تھا بلکہ صرف یہ قصور تھا کہ وہ میری بیٹی ہے، اور جو اذیتیں اس نے اٹھائیں اور جو تکالیف اس نے برداشت کیں خواہ وہ جسمانی ہوں یا غریب الوطنی اور سفر کی، وہ سب میری وجہ سے تھیں۔ یہ ایک بہت بڑی فضیلت کی بات تھی جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس بیٹی کے بارے میں فرمائی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے یہ دوہری فضیلت ہے۔ ایک وہ فضیلت جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے لیے فرمائی اور دوسری وہ فضیلت جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے لیے فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ھی خیر بناتی اصیبت فی)) (مجمع الزوائد: ۹/۱۲۱۶ دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۴۲۶)

ایک اور روایت میں انھیں "افضل بناتی" فرمایا گیا۔

"افضل اور "خیر" میں ایک فرق علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ افضل اپنی ذات میں اونچا ہوتا ہے اور "خیر" وہ ہوتا ہے جو اپنی اچھائی دوسروں تک پہنچائے جیسا کہ ملا علی القاری نے شرح فقہ اکبر: ص ۸۲ پر لکھا ہے۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں امن وسکون سے رہنے لگیں اور ابوالعاص مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ ابوالعاص چونکہ ایک تاجر آدمی تھے۔ فتح مکہ سے قبل بڑے ساز وسامان کے ساتھ تجارت کے لیے شام روانہ ہوئے۔ چونکہ اہل مکہ کو ان کی دیانت و امانت پر اعتماد تھا، اس لیے دوسرے لوگوں کا سرمایہ بھی شریک تجارت تھا۔ شام سے واپسی پر مسلمانوں کے ایک دستہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ سارا سامان مسلمانوں نے ضبط کرلیا اور ابوالعاص مشکل سے جان بچا کر مدینہ منورہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھاگ آئے۔ ابوالعاص سخت پریشان تھے کہ مکہ جا کر لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ان کی سمجھ میں یہی آیا کہ مدینہ میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جایا جائے اور اس بارے میں ان کی مدد حاصل کی جائے۔ اسی وجہ سے وہ

Marfat.com

رات کے اندھیرے میں بھاگ کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئے اور ان کے ذریعے ''امان'' کی درخواست کی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی انھیں امان دے دی، اور صبح کی نماز کے وقت جیسے ہی جماعت شروع ہوئی، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ''صفۃ النساء'' سے آواز دی، لوگو! میں نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیع کو پناہ دی ہے۔''

رحمت عالم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

''لوگو! میرے کانوں نے جو آواز سنی ہے کیا تم نے بھی وہ آواز سنی ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، مجھے اس کا علم نہیں، جو اور جس وقت تم نے سنا وہی میں نے سنا، لہٰذا یہ سمجھ لو کہ مسلمانوں کا ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔ اب جب کہ ایک مسلمان خاتون (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) امان دے چکی ہے تو اس کو تسلیم کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔''

اس کے بعد آپ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ہدایت فرمائی کہ بیٹی! ابوالعاص کی خاطر مدارات تو پوری طرح کرو لیکن خلوت سے اجتناب کرو کیونکہ تو اب اس کے لیے حلال نہیں۔

ابوالعاص کو اگرچہ جان کی امان تو مل گئی تھی لیکن مال کی پریشانی اب بھی باقی تھی کیونکہ اس مال میں مکہ کے دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ تم کو ابوالعاص کا تعلق تو ہم سے معلوم ہی ہے، لہٰذا اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس کا مال بھی اسے واپس کر دو۔ آپ کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی تسلیم وانقیاد کی گردنیں جھک گئیں اور ابوالعاص کے مال کا ایک ایک دھاگا تک واپس کر دیا گیا۔

ابوالعاص وہ سارا مال لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے اور اس مال میں جس جس شخص کا حصہ تھا وہ اس کو واپس کیا۔ جب سب شرکاء کو ان کا مال دے چکے تو فرمایا: ''اے گروہ قریش! کیا کسی شخص کا کچھ مال میرے ذمہ واپس رہ گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''نہیں''، اللہ تجھے جزائے خیر دے، ہم نے تجھے وفادار اور شریف پایا۔ ابوالعاص ایک بہادر انسان اور شریف زادے تھے۔ میدان بدر میں تلواروں کی جھنکار نے ان پر جو اثر نہیں کیا تھا وہ آپ ﷺ کے حسن سلوک اور اخلاق حسنہ نے مزید پُراثر کر دیا۔ آپ ﷺ نے اب تمام گروہ قریش کو

Marfat.com

مخاطب کر کے فرمایا:

''سن لو! میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ ہیں۔ اب تک میں صرف اس وجہ سے مسلمان نہیں ہوا تھا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے لوگوں کا مال کھانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اب جب کہ میں نے ہر ایک کی چکتائی کر دی ہے اور اس بار دوش سے سبک دوش ہو گیا ہوں، اس لیے اب مسلمان ہوتا ہوں۔''

بعد ازاں آپ مکہ سے مدینہ منورہ چلے آئے اور سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو پھر ان کی زوجیت میں دے دیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/۳۳۲، طبقات ابن سعد: ۸/۲۱، الاصابہ: ۴/۳۰۶، المصنف لعبدالرزاق: ۷/۱۷۱، حیات القلوب: ۲/ ۷۱۸، تاریخ یعقوبی: ۲/ ۷۱)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نفاست پسند خاتون:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ایک نفاست پسند خاتون تھیں۔ بعض دفعہ آپ رضی اللہ عنہا نہایت قیمتی لباس بھی استعمال فرماتی تھیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر متمول شخص تھے۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ پر ایک دھاری دار قمیص جو ریشم کی بنی ہوئی تھی، دیکھی۔ وہ اس کو زیب تن کیے ہوئے تھیں۔

(نسائی: ص ۲۵۲، طبقات ابن سعد: ۸/۲۲)

اسلام میں اچھا اور قیمتی لباس پہننا کوئی ناجائز نہیں ہے۔ پھر خاوند کی خواہش کا احترام بھی ایک عورت کے لیے ضروری ہے۔

اولاد:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی نہایت اچھی تھی۔ میاں بیوی میں شدید محبت کا رشتہ استوار تھا اور دنیوی لحاظ سے بھی دونوں نہایت خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس باہمی محبت و الفت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد صالحہ عطا فرمائی تھی۔ ان میں آپ کا

Marfat.com

ایک صاحبزادہ علی رضی اللہ عنہ تھا اور ایک صاحب زادی امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا تھی۔ ان دونوں کے علاوہ کتابوں میں ایک اور بچے کا ذکر بھی ملتا ہے جو صغرسنی ہی میں انتقال کر گیا تھا۔ جب یہ بچہ انتقال کے قریب تھا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک آدمی بھیجا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جواب میں سلام فرمایا اور یہ کہلا بھیجا کہ صبر کریں جو اللہ لے لیتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور جو دیتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کے لیے ہے، اور ہر شخص کے انتقال کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ تمھیں ہر حالت میں صبر کرنا چاہیے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پریشانی کے عالم میں تھیں۔ اسی پریشانی کے عالم میں انھوں نے آپ ﷺ کو قسم دے کر ایک شخص کو بھیجا کہ آپ ﷺ ضرور تشریف لائیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کا یہ پیغام سن کر سرکار دو عالم ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ پر مشتمل ایک جماعت بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھی، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کا وہ بچہ قریب الموت تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس بچہ کو گود میں لے لیا، اس وقت بچہ اپنے آخری سانسوں پر تھا۔ اس کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپ بھی روتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''یہ تو رحمت ہے۔ جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دی ہے۔'' اس لیے کہ:

فانما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء۔ (ابوداؤد: ۲/۹۰، مشکوٰۃ: ص ۱۵۰)

''یعنی اللہ اپنے نرم دل اور رحیم بندوں ہی پر رحمت فرماتے ہیں۔''

شیعہ حضرات نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

(الجعفریات اوالاشعثیاب، عبداللہ جعفر الحمیری: ص ۲۰۸)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بڑے بیٹے کا نام علی بن ابی العاص بن الربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس تھا۔ اس علی رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس رشتہ سے یہ رسول اللہ ﷺ کے اسی طرح نواسے ہیں جیسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نواسے ہیں۔ اس علی رضی اللہ عنہ کو ماں کی نسبت سے ''علی الزینبی رضی اللہ عنہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو دودھ پلانے

Marfat.com

کے لیے قبیلہ بنی غاضرہ میں عرب کے رسم و رواج کے مطابق بھیجا گیا تھا۔ شیر خوارگی سے فراغت کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے اس کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس وقت ابوالعاص دولت ایمان سے مشرف نہیں ہوئے تھے اور ابھی تک مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علی بن ابی العاص سرکار دو عالم ﷺ کی زیر نگرانی پرورش پاتے رہے اور آپ ﷺ ہی نے اس کی تعلیم و تربیت فرمائی تھی۔ فتح مکہ کے روز سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا انتقال آپ ﷺ کی حین حیات ہی میں ہو گیا تھا لیکن بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بالغ ہو کر فوت ہوئے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اسد الغابہ: ۴/۴۱، الاصابہ: ۲/۵۰۳، کتاب نسب قریش: ص ۲۲)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ایک بچی جس کا نام امامہ رضی اللہ عنہا تھا، اس کی ولادت بھی سرکار دو عالم ﷺ کے مبارک دور ہی میں ہوئی۔ اس کی پرورش بھی سرکار دو عالم ﷺ کے زیر سایہ ہوئی۔ آپ ﷺ اپنی اس نواسی سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ (تنقیح المقال، مامقانی: ۳/۶۹)

بخاری میں سیدنا ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ ہمارے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ سیدہ امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دوش مبارک پر تھی۔ آپ ﷺ اسی حالت میں نماز ادا فرماتے رہے۔ جب آپ ﷺ رکوع میں جاتے تو بچی کو کندھوں سے اتار کر زمین پر بٹھا دیتے اور جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو بچی (امامہ) کو اٹھا لیتے۔

(بخاری: ۱/۷۴-۲/۸۸۷، مسلم: ۱/۲۰۵، ابوداود: ۱/۱۳۲، ابن حبان: ۲/۳۱۳)

اس بچی کو اٹھانے کے واقعات احادیث میں متعدد بار مذکور ہوئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اپنی اس نواسی سے انتہائی محبت تھی اور ہوتی بھی کیوں نہ، آخر وہ اس بیٹی کی بچی تھی جس کو لسان نبوت نے "خیر بناتی اصیبت فی" کہا تھا یعنی جس نے صرف آپ ﷺ کی خاطر اتنی تکالیف اٹھائیں تھیں۔ جس محبت و شفقت کی وجہ سے آپ اپنی سب سے چھوٹی صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دوش مبارک پر اٹھا کر اپنی محبت کا مظاہرہ کرتے، اسی محبت و شفقت کا مظاہرہ آپ ﷺ اپنی اس سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحب زادی امامہ رضی اللہ عنہا کو نماز

Marfat.com

وغیرہ میں اٹھا کر کیا کرتے تھے۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے نانا تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کے بھی نانا تھے۔ اور ویسے بھی فطری طور پر نواسوں سے نواسیوں پر آدمی اپنی زیادہ شفقت و محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی محبت و شفقت کے سلسلہ میں محدثین نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک نہایت قیمتی ہار آیا۔ اتفاق سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی وہاں موجود تھیں اور سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا بھی اسی گھر میں ایک طرف کھیل کود میں مصروف تھیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار دیکھ کر فرمایا کہ یہ ہار کس طرح کا ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ ایک نہایت عمدہ، بہترین اور قیمتی قسم کا ہار ہے۔ اس جیسا ہار ہم نے تو کبھی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو پکڑ کر فرمایا: ”میں اپنے اہل بیت میں سے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اس کے گلے میں اسے ڈالوں گا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسانِ مبارک سے یہ الفاظ سن کر ہر زوجہ محترمہ انتظار بھری نظروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے لگی کہ معلوم نہیں آج کس محبوب شخصیت کے گلے میں یہ ہار پڑتا ہے اور کون پاکیزہ شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ محبت کا ہدف ٹھہرتی ہے۔ اتنے میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس نواسی کو بلایا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے گلے میں وہ ہار ڈال دیا اور تمام دیکھنے والوں نے یہ دیکھا اور محسوس کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس نواسی سے کس قدر محبت ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجمع الزوائد: ۲۵۴/۹، اسد الغابہ: ۴۰۰/۵، الاصابہ: ۲۳۰/۴، الفتح الربانی: ۴۲۰/۲۲)

اس بچی سے یہ محبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس سب سے بڑی صاحب زادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے باعث تھی۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس نواسی سے اس قدر محبت کریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت و شفقت کا یہ محور کیوں نہ ہو؟ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کی خالائیں اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بچی سے بہت محبت کرتے تھے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت:

سیدنا ابو العاص رضی اللہ عنہ سنہ ۱۲ھ میں انتقال فرما گئے۔ اپنی وفات سے قبل انھوں نے

Marfat.com

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو اپنی اس صاحب زادی کی کفالت و نگرانی کی وصیت فرمائی تھی۔ (کتاب نسب قریش: ص ۲۲) اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ نے اپنے انتقال کے وقت اپنے شوہر نامدار سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر آپ میری وفات کے بعد شادی کرنا چاہیں تو میری ہمشیرہ کی صاحب زادی امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنا۔ وہ میری اولاد کے حق میں میری قائم مقام ہوں گی اور جو ہمدردی اس کو میری اولاد سے ہوسکتی ہے وہ کسی اور کو نہیں ہوگی کیونکہ وہ میری ہمشیر زادی ہے۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ سلیم بن قیس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی:

انا اوصیك ان تزوج بنت اختی زینب تکون لولدی مثلی۔

(کتاب سلیم بن قیس: ص ۲۲۶)

"یعنی میں آپ کو وصیت کرتی ہوں کہ میری بہن زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی سے شادی کرنا وہ میری اولاد کے لیے میری طرح ہوگی۔"

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی اس بھانجی سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔ اس نکاح کو نہ صرف اہل سنت کے مؤرخین نے تسلیم کیا ہے بلکہ شیعہ مؤرخین بھی اس بات کا صریح الفاظ میں اقرار کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ سے شادی کی لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(مروج الذہب مسعودی: ۲/ ۲۹۸، انوار النعمانیہ، نعمت اللہ الجزائری: ۱/ ۳۶۷)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ میں شہید ہوئے اس وقت سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں اور ان کے رشتۂ ازدواج میں تھیں۔ آپ کی شہادت کے بعد وہ سیدنا مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ پھر مغیرہ کے انتقال کے بعد سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

(الاصابہ: ۴/ ۲۳۳، اسد الغابہ: ۴/ ۴۰۷، تحت ترجمہ مغیرہ بن نوفل)

سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس نکاح کی وجہ سے کئی رشتہ داریاں قائم ہوئیں۔ سیدنا ابو العاص رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے برادر نسبتی اور سسر ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے قبل سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن

Marfat.com

تھیں، لیکن اس نکاح کے بعد سوتیلی ماں بھی ہو گئیں اور سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ ان کے سوتیلے نانا بن گئے۔ غرضیکہ ان دونوں گھروں کے مابین اس رشتہ کی وجہ سے بہت سی نسبتیں قائم ہو گئیں جن کا احترام ہر کلمہ گو کے لیے نہایت ضروری ہے۔

وفات:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے دوران وہ اونٹ کے ہودج سے گر گئی تھیں جن سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ زخمی بھی ہو گئیں۔ قیام مدینہ کے دوران وہ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ ہجرت کے دوران پیش آمدہ مصائب کو کبھی کبھی یاد بھی کر لیتیں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان کا وہ سابقہ زخم دوبارہ تازہ ہو گیا۔ پہلے وہ مندمل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ مطمئن تھیں لیکن شاید اندر سے وہ زخم مندمل نہیں ہوا تھا اور شاید Septic ہو گیا تھا لہٰذا وہ زخم دوبارہ ہرا ہو گیا جو سنہ ۸ ھ میں ان کی وفات کا باعث بنا۔

سیدہ قدیم الاسلام خواتین میں سے تھیں۔ اپنی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی ایمان لائی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شرف بیعت بھی حاصل تھا۔ علماء نے حضور ﷺ کی چاروں صاحب زادیوں کو مبایعات الرسول ﷺ میں شمار کیا ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نیکی اور پاکیزگی کا مجسمہ تھیں۔ اپنی بہنوں میں یہ سب سے بڑی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، اور آپ ﷺ نے انھیں اپنی بیٹیوں میں سب سے بہتر (خیر بناتی) قرار دیا ہے جو ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

سنہ ۸ ھ میں جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا تو اپنے اس جگر گوشہ کے انتقال کے باعث سرکار دو عالم ﷺ نہایت مغموم ہوئے۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں۔ ان کی وفات نے گھر کے دوسرے افراد کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس حادثہ فاجعہ سے نہایت پریشان اور غم زدہ تھیں۔ مدینہ کی دوسری عورتیں بھی غم واندوہ کے باعث رونے لگیں یہاں تک کہ چیخ و پکار تک نوبت پہنچ گئی۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان کی اس چیخ و پکار کا علم ہوا تو آپ نے انھیں سختی سے منع فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو روکا اور اس موقع پر انھیں اس طرح سختی کرنے سے

Marfat.com

منع فرما دیا۔ فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! اس سختی کرنے سے رک جایئے۔'' پھر آپ ﷺ نے عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اس قسم کی شیطانی آواز نکالنے سے اجتناب کرو۔'' پھر فرمایا: ''جو آنسو آنکھ سے بہتے ہیں اور دل غمگین اور محزون ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی رحمت کے اثرات میں سے ہے، اور جو کچھ ہاتھ یا زبان سے صادر ہوتا ہے وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس سے آپ ﷺ کی مراد واویلا کرنا اور رونا پیٹنا تھا۔ (مشکوٰۃ: ص ۱۵۲)

غرضیکہ سرکار دو عالم ﷺ کو اپنی اس صاحب زادی کے انتقال کا اگرچہ نہایت صدمہ تھا اور اہل مدینہ کے دل بھی بہت مغموم تھے لیکن اس وقت بھی آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا اور لوگوں کو جاہلیت کی رسوم سے روکا اور صبر و تحمل کی تلقین فرمائی۔

نبی مکرم ﷺ کی اس پیاری بیٹی کے غسل کا انتظام و انصرام رسول اللہ ﷺ کی خصوصی نگرانی میں ہوا۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے غسل میں شرکت فرمائی اور نہایت عمدہ طریقہ سے سیدہ کو غسل دیا جو کہ آپ ﷺ کی خاص ہدایات کے تحت تھا۔

(انساب الاشراف، بلاذری: ۱/۴۰۰)

سیدہ ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا جو سیدہ رضی اللہ عنہا کے غسل میں شریک تھیں، فرماتی ہیں کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ زینب رضی اللہ عنہا کے غسل کا انتظام کرو۔ فرمایا: پانی اور بیری کے پتوں کو مہیا کرو اور ان کے ابلے ہوئے پانی کے ساتھ تین بار یا پانچ بار غسل دو اور آخری بار میں خوشبو لگاؤ۔ نہلانے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے آپ کو غسل سے فراغت کے بعد اطلاع دی تو آپ ﷺ نے اپنا تہبند اتار کر ہمیں عنایت فرمایا۔ نیز فرمایا کہ میرے اس تہبند کو سیدہ رضی اللہ عنہا کے کفن کے اندر داخل کر دو۔ (بخاری: ۱/۱۶۷، مسلم: ۱/۳۰۴، طبقات ابن سعد: ۸/۳۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا تہبند سیدہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے سے پہلے اتار کر نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ غسل سے فراغت کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ جب سیدہ رضی اللہ عنہا کو غسل دے چکے تو اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا تہبند اتار کر دیا۔ مقصد شاید اس سے یہ تھا کہ وہ تہبند جسم مبارک کے ساتھ زیادہ سے زیادہ

Marfat.com

دیر لگا رہے اور قریب تر وقت میں اپنے جسم سے منتقل ہو کر زینب رضی اللہ عنہا کے جسم سے لگے۔ یہ چیز صالحین کے آثار کے ساتھ تبرک پکڑنے میں اصل چیز ہے۔ (وھو اصل فی التبرک بآثار الصالحین) (فتح الباری: ۲/۱۰۱، باب غسل المیت ووضو)

تکفین:

سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا مہاجرین حبشہ میں سے تھیں۔ انھوں نے حبشہ میں دیکھا کہ عورتوں کی پردہ داری کے لیے ان کی چارپائی پر ایک قسم کی ڈولی بنا دی جاتی تھی تاکہ میت کا جسم پوری طرح چھپا رہے۔ چنانچہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی چارپائی پر ان کی نعش کی پردہ داری کے لیے وہ ڈولی بنا دی جس سے ان کا جسم مستور ہو گیا۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلی مسلم خاتون ہیں جن کا جنازہ اس تکریم اور اہتمام سے اٹھایا گیا۔ (انساب الاشراف، بلاذری: ۱/۴۰۰)

اسی قسم کی ڈولی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے موقع پر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کے مشورہ سے بنائی گئی تھی جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

جنازہ تیار ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی (وصلی علیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جنازہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مدینہ منورہ کے مسلمان مردوں کے ساتھ مسلمان عورتیں بھی شامل ہوئیں۔ یہ تمام عورتیں سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس جنازہ میں شریک ہوئی تھیں۔ گویا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بڑی بہن کے جنازہ میں شرکت فرمائی اور اپنی محبت و مؤدت کا پورا پورا ثبوت دیا۔ جنازہ کی اس کیفیت کو اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس جنازہ میں شرکت کو شیعہ کی بھی معتبر کتابوں نے پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب الاحکام: ص ۲۱۵، الاستبصار: ۱/۲۴۵)

تدفین:

جنازہ کے بعد تدفین کا مرحلہ تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اپنی اس صاحب زادی کے انتقال پر نہایت مغموم تھے۔ جنازہ جب قبرستان لایا گیا تو قبر کی لحد بنانے میں ابھی کچھ دیر

Marfat.com

تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ قبر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ارد گرد بیٹھ گئے۔ سب پر ایک پریشانی اور غم کی کیفیت طاری تھی۔ اتنے میں لحد کی تکمیل کی اطلاع ملی تو سرکار دو عالم ﷺ خود قبر کے اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ قبر سے باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کھلا ہوا تھا اور غم اور حزن کے آثار کم ہو چکے تھے اور طبیعت میں ایک قسم کی بشاشت تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اس بشاشت کی وجہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''قبر کی تنگی اور خوفنا کی میری نگاہ میں تھی اور زینب رضی اللہ عنہا کی کمزوری اور ضعف بھی مجھے معلوم تھا۔ اس وجہ سے میں پہلے تو بہت غمگین تھا۔ پھر میں نے اللہ رب العزت کے حضور دعا کی ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا کے لیے اس حالت کو آسان فرما دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول فرما لیا اور زینب رضی اللہ عنہا کے لیے اس حالت کو آسان فرما دیا۔

(مجمع الزوائد: ۳/ ۴۷، اسد الغابہ: ۶۵/ ۴۶۸، کنز العمال: ۸/ ۱۲۰، دکن)

عبداللہ مامقانی شیعی نے بھی اس واقعہ کو اسی طرح لکھا ہے۔ (تنقیح المقال: ۳/ ۷۹)

واقعۂ ہجرت میں اونٹ پر سے گرنے سے جو زخم آیا تھا، اس سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اکثر بیمار رہتیں۔ آخر کار وہی زخم ہرا ہو گیا اور سیدہ رضی اللہ عنہا اسی زخم کے ہرا ہونے کی وجہ سے اس دار فانی سے انتقال فرما گئیں۔ اس وجہ سے انھیں ''شہیدہ'' کا لقب دیا گیا یعنی ''شہیدہ زینب'' یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قبر کی سختیاں بھی معاف فرما دیں اور امت کی طرف سے ''شہیدہ'' کا لقب بھی مل گیا۔

Marfat.com

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ

سرکار دو عالم ﷺ کی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی بیٹی کا نام سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کی والدہ بھی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں اور والد سرور کائنات ﷺ تھے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنی بڑی بہن زینب رضی اللہ عنہا سے تین برس چھوٹی تھیں۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کی عمر ۳۳ سال تھی۔
(تاریخ الخمیس: ۱/۲۷۴)

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لائیں، اور یہ سب سے پہلی خاتون ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائیں، تو ان کے ساتھ ان کی تمام صاحب زادیاں بھی دولت ایمان سے مشرف ہوئیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی ان پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔
(تفسیر القرطبی: ۱۴/۲۴۲، الاصابہ: ۴/۲۹۷، طبقات ابن سعد: ۸/۲۴ وغیرہ)

اعلان نبوت سے قبل سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی دو صاحب زادیوں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی نسبت نکاح (منگنی) بالترتیب اپنے چچا ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کردی تھی، لیکن بعثت نبوی کے بعد جب سورۃ تبت یدا ابی لھب و تب نازل ہوئی تو ابولہب جو نہایت کینہ پرور، انتہائی بت پرست اور حدود اخلاق سے تجاوز کرنے والا تھا، یک قلم سرکار دو عالم ﷺ کا مخالف ہو گیا اور مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے سب سے بڑے مخالفین میں سے ایک ابولہب تھا۔ بلکہ اس کا نمبر سب سے پہلا تھا۔ اسی مخالفت اور کینہ وغضب میں اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو سرکار دو عالم ﷺ کی دونوں بیٹیوں کی منگنی توڑنے کی اتنی تاکید کی اور انھیں یہاں تک کہا کہ اگر تم دونوں نے یہ منگنی نہ توڑی تو نہ تو میں تمھیں منہ لگاؤں گا اور نہ ہی تمھارا چہرہ دیکھوں گا۔ باپ کے کہنے اور دھمکی دینے پر عتبہ اور عتیبہ دونوں نے اسلام کی عداوت میں یہ رشتہ یک قلم ختم کر دیا۔ (طبقات ابن سعد: ۸/۲۴، الاصابہ: ۴/۲۹۷، تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۴۲)

Marfat.com

رشتہ کا یہ انقطاع صرف رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہونے کے ناطے ہوا وگرنہ ان دونوں پاکیزہ صفت اور معصوم بچیوں کا کوئی قصور نہ تھا۔ رشتہ کا ٹوٹنا ایک وفادار، پاکیزہ صفت اور عفت مآب عورت کے لیے ناقابل برداشت صدمہ ہوتا ہے، اس کے فطری احساسات مجروح ہوتے ہیں، لیکن ان دونوں صاحب زادیوں نے دین کی خاطر اس صدمہ کو برداشت کیا بلکہ انقطاع رشتہ کو اپنا اعزاز تصور کیا۔ شیخ نعمت اللہ الجزائری شیعی نے لکھا ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو عتبہ کے اس رشتہ کو منقطع کرنے کے باعث سخت تکلیف پہنچی۔ سرکار دو عالم ﷺ اپنی اس پیاری بیٹی کے اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اور آپ ﷺ نے عتبہ کے حق میں بددعا فرماتے ہوئے فرمایا:

((اللهم سلط علىٰ عتبة كلبًا من كلابك)) (انوار النعمانیہ: ۱/ ۳۶۷۔۸۰)

''اے اللہ! عتبہ پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرمادے۔''

اصل بات یہ ہے کہ یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے دل کے وہ احساسات تھے جو الفاظ کی صورت اختیار کر کے سرکار دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے اور درحق سے استجابت استقبال کے لیے فوراً حاضر ہوئی۔ چنانچہ وہ ایک قافلہ میں گیا ہوا تھا کہ ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عتبہ فتح مکہ کے روز اور اس کا بھائی معتب بن ابی لہب خوف زدہ ہو کر کہیں بھاگ گئے تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ وہ خوف زدہ ہو کر دونوں بھاگ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دونوں کو بلا لاؤ۔ چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کو بلا لائے وہ دونوں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر یہ دونوں بھائی غزوہ حنین میں بھی شریک ہوئے اور وہاں کے مال غنیمت سے حصہ پایا۔ پھر یہ دونوں بھائی مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ (الاصابہ: ۲/ ۴۴۹۔ ۳/ ۴۲۳)

شیر کے پھاڑنے کا واقعہ عتبہ کے ساتھ پیش نہیں آیا، یہ نعمت اللہ الجزائری کو غلطی لگی ہے بلکہ یہ واقع عتیبہ کو پیش آیا۔

Marfat.com

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح:

جب ابولہب کے دونوں بیٹوں نے اپنے باپ کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کی دونوں صاحب زادیوں کو ایک قسم کی طلاق دے کر منگنی توڑ دی تو اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہ دی۔ یہ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا۔

یہ نکاح کیوں ہوا اور کیسے ہوا؟ اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔ چنانچہ وحی الٰہی کی تعمیل میں آپ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مکہ شریف میں کر دیا اور ساتھ ہی رخصتی بھی کر دی۔

(کنز العمال: ۶/۳۷۵)

ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے اپنی دوسری سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحب زادیاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ (دوسری کا تذکرہ آگے آ رہا ہے) اور یہ وہ شرف ہے جو پوری انسانی تاریخ میں کسی اور شخص کو حاصل نہیں ہوا۔ گویا یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک خاص خصوصیت ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس نکاح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"علماء کا قول ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ پوری تاریخ انسانیت میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا جس نے کسی نبی کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو۔ اسی وجہ سے آپ کو "ذوالنورین" یعنی دو نوروں والا کہا جاتا ہے۔"

بیہقی نے سنن میں عبداللہ بن عمر بن ابان الجعفی سے روایت نقل کی ہے کہ مجھ سے میرے ماموں حسین الجعفی نے کہا کہ کیا تمھیں معلوم ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو "ذوالنورین" کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ خلقت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں جمع نہیں ہوئیں۔ اس لیے انھیں "ذوالنورین" کہا جاتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا تو انھوں نے بھی ایک سوال کے ضمن میں فرمایا

Marfat.com

کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں جن کو ملاء اعلیٰ میں ذوالنورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے اور ان کے نکاح میں آپ ﷺ کی دو صاحب زادیاں آئیں۔ (تاریخ الخلفاء: ص ۹۷)

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہا کی اس خصوصیت کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نکاح سے آپ رضی اللہ عنہا جہنم کی آگ سے بھی آزاد ہو گئے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ میرے داماد اور سسرال کو جہنم کی آگ سے آزاد فرمانا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو صاحب زادیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں دیا اور فرمایا کہ ان دونوں کے علاوہ بھی اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو وہ بھی میں ان کے نکاح میں دے دیتا۔ اور یہ بات بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ میرے داماد اور میرے سسرال کو ہرگز جہنم میں داخل نہ فرمانا۔'' (الاستیعاب)

جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو اسی زمانہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہو گئیں، اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی اس بیٹی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کریں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہیں کہ میں خود حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لوں اور عثمان کو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نکاح میں دے دوں۔ (الاستیعاب)

اس نکاح کے بارے میں حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن عساکر وغیرہ نے بہت سی روایات نقل کی ہیں کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد کے دروازہ پر ملے اور فرمایا:

''عثمان رضی اللہ عنہ! یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور مجھے خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تجھ سے کر دیا ہے، رقیہ رضی اللہ عنہا کے برابر حق مہر پر اور اس حسن سلوک پر جو حسن سلوک تم رقیہ رضی اللہ عنہا سے کرتے تھے۔'' (البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۴)

ایک اور روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ذکر فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنی ایک صاحب زادی رقیہ نکاح کر کے دی۔ (اس کے انتقال کے بعد) پھر اپنی دوسری صاحب زادی ان کے نکاح میں دے دی۔ نکاح یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے۔

وزوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم واحدة بعد واحدة۔

(تاریخ الخمیس: ۱/ ۲۷۵، کنز العمال روایت، رقم: ۵۸۷۵)

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو خصوصی حسن و جمال سے نوازا تھا۔

(تاریخ الخمیس: ۱/ ۲۷۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جب سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تو قریش کی عورتیں اس جوڑے پر رشک کرتی تھیں اور وہ اپنے جذبات کو ان الفاظ سے تعبیر کرتی تھیں۔ لکھا ہے:

وتزوجها عثمان بن عفان وكانت نساء قريش يقلن حين تزوجها عثمان احسن شخصين رأى عثمان رقية وبعلها عثمان۔

''یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو قریش کی عورتیں کہتی تھیں کہ انسان نے جو حسین ترین جوڑا دیکھا وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور اس کے خاوند عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک دفعہ مجھے گوشت کا پیالہ بھر کر عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر یہ پیالہ دے آؤ۔ میں یہ پیالہ لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اس وقت اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ میں نے وہ ہدیہ ان دونوں کی خدمت میں سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے پیش کیا، اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے ایسا عمدہ جوڑا اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میاں بیوی دونوں حسن و جمال میں بڑے فائق تھے اور قریش میں ان کے حسن و جمال کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ (اخرجہ البغوی فی معجم، ذخائر العقبیٰ: ص ۱۶۲، کنز العمال: ۶/ ۳۸۰)

ہجرت حبشہ:

ایک طرف زہرہ گداز جبر و تشدد اور ظلم و استبداد اور دوسری طرف اسلام کے نام

Marfat.com

لیواؤں کی استقامت، مرد، عورتیں، آزاد، غلام اور لونڈیاں سب مئے اسلام سے سرشار، ان کے صبر واستقامت نے تشدد واستبداد کو شکست فاش دے دی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے ان کے اندر ایک نیا انسان نمودار ہوگیا اور ان کے سینوں میں نئی قوتیں جاگ اٹھیں جنھوں نے قریش کے ظلم واستبداد کو ہمیشہ کے لیے مات دے کر جریدۂ عالم پر ایک نئی تاریخ رقم کی۔

ہر مصیبت کی برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ امتحان کی جن کٹھن راہوں سے اسلام کے جاںنثاروں کو گزرنا پڑا اس میں انھوں نے ایک یادگار اور مثالی نمونہ قائم کیا۔ ظلم واستبداد کا سائیکلون کہیں تھمنے میں نہیں آرہا تھا بلکہ ظلم وستم کی یہ آندھی روز بروز زور پکڑتی جارہی تھی۔ مکہ کی سرزمین یاس انگیز ہوتی جارہی تھی، اور اس امر کے آثار ظاہری طور پر بالکل نظر نہیں آرہے تھے کہ مستقبل قریب میں اسلام کا شجرہ طیبہ اس سنگلاخ زمین میں برگ وبار لا سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ جبر اور صبر کی آویزش کو ایسے مراحل میں داخل ہوتے دیکھ رہے تھے جہاں انسانی صبر کا پیمانہ چھلک سکتا ہے۔ مسلمان بے چین تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ (متی نصر الله)

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا قریش مکہ کے ظلم وستم میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال یہ سلسلہ جبر واستبداد اپنے پورے شباب پر آ گیا۔ اہل کفر جہاں کہیں کسی مسلمان کو پاتے درندوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تکالیف سرکار دو عالم ﷺ کو بے چین کیے ہوئے تھیں اور آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان کی مخلصی کی دعائیں فرماتے۔ ان کو صبر و برداشت کی تلقین کرتے، لیکن جب کافروں کا جور وستم حد سے بڑھ گیا تو ایک روز لسان نبوت سے مظلوم ومجبور مسلمانوں نے یہ الفاظ سنے:

”تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔“

پوچھا گیا کہاں جائیں؟ آپ ﷺ نے حبشہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”ھی ارض صدق“ وہ راستی کی سرزمین ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا اشارہ پاتے ہی بارہ (۱۲) مردوں اور چار (۴) عورتوں کا ایک مختصر سا قافلہ فی الفور ماہِ رجب سنہ ۵ نبوی میں ہجرت حبشہ کے لیے آمادہ ہوگیا۔ (زرقانی شرح مواہب: ۱/۲۷۰، عیون الاثر لابن سید الناس: ۱/۱۱۵)

جو لوگ ہجرت کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے تھے ان میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور

Marfat.com

ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی تھیں۔ مسلمانوں میں حق تعالیٰ شانہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کا یہ پہلا قافلہ تھا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/ ٦٦، تفسیر القرطبی: ۱۴/ ۲۴۲)

رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادیوں میں سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو ہجرت حبشہ کا اعزاز حاصل ہوا۔ پھر دوسرا اعزاز یہ حاصل ہوا کہ اپنے خاوند کی معیت میں یہ ہجرت کی۔

اس زمانہ میں ذرائع مواصلات اتنے تیز نہ تھے، اس وجہ سے آپ کے اشارہ پر یہ لوگ ہجرت تو کر گئے لیکن رسول اللہ ﷺ کو ان کی خیر و عافیت کے بارے میں ایک مدت تک کچھ پتہ نہ چلا جس کی وجہ سے آپ ہر وقت پریشانِ خاطر رہتے تھے۔ اسی دوران ایک عورت حبشہ سے مکہ مکرمہ آئی۔ سرکار دو عالم ﷺ اس کے پاس مہاجرین حبشہ کے احوال پوچھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس نے آپ ﷺ کو بتایا کہ میں نے آپ ﷺ کے داماد عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کی صاحب زادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیسی حالت میں دیکھا ہے؟ آپ اگرچہ ایک نبی اور رسول تھے، لیکن ایک باپ بھی تھے۔ اس پدری شفقت و محبت کے تحت آپ نے اس عورت سے دریافت کیا کہ کس کیفیت میں تم نے میری بیٹی اور داماد کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو ایک سواری پر سوار کیے ہوئے لے جا رہے تھے اور خود سواری کو پیچھے سے ہنکا رہے تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے جونہی اس عورت کے منہ سے وہ جملہ سنا تو خوش ہو کر فرمایا: ''اے اللہ! ان دونوں کا تو مصاحب و ساتھی ہو، عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی۔ (عثمان اول من ھاجر باھلہ بعد لوط علیہ السلام)

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ٦٦، اسد الغابہ: ۵/ ۴۵۷، زرقانی: ۳/ ۱۹۸، کنز العمال، رقم: ۵۸۸۵)

شیعہ حضرات نے بھی اس ہجرت حبشہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا ذکر کیا ہے۔ شیعہ حضرات کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی نے ہجرت حبشہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''پس یازدہ مرد و چہار زن خفیہ از اہل کفر گریختند و بجانب حبشہ رواں شدند از جملہ آنہا عثمان بود و رقیہ دختر حضرت رسول (ﷺ) زن او بود۔'' (حیات القلوب: ۲/ ۳۳۰)

Marfat.com

''پس گیارہ مرد اور چار عورتیں کفار مکہ سے چھپ چھپا کر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے ان میں سے عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اپنی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس ہجرت میں شامل تھے۔''

دو ہجرتوں کا اعزاز:

حبشہ میں یہ دونوں میاں بیوی ایک مدت تک رہے۔ یہ غریب الوطنی کی زندگی بظاہر کتنی آرام دہ کیوں نہ ہو پھر بھی عزیزوں کی جدائی اور وطن کی محبت سوہان روح ہوتی ہے لیکن ان مہاجرین نے یہ سب کچھ دین کی خاطر چھوڑا تھا، لہٰذا نہایت صبر وتحمل سے اپنی زندگی کے دن گزارتے رہے۔ پھر وہ وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ ہجرت حبشہ سنہ ۵ نبوت میں ہوئی جب کہ ہجرت مدینہ اس کے سات آٹھ سال بعد ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں میاں بیوی سات آٹھ سال حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔

اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی دو ہجرتیں کی ہیں اور تیسری حبشہ سے مدینہ کی طرف۔ پہلی ہجرت میں مسلمان ماہ رجب سے لے کر ماہ شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ شوال میں بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ تمام اہل مکہ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی، لہٰذا وہ حبشہ سے واپس مکہ مکرمہ آ گئے، لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط ہے۔ اب یہ لوگ سخت پریشان ہوئے کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوا۔ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ عتبہ بن ربیعہ کی، سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے باپ ولید بن مغیرہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سعید بن عاص بن امیہ کی پناہ میں داخل مکہ ہوئے۔

اب مشرکین مکہ نے پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ چنانچہ کچھ لوگ موقع پا کر دوبارہ حبشہ چلے گئے۔ لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں رہ گئے۔ آخر دو اڑھائی سال کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوبارہ حبشہ تشریف لے گئے اور وہاں کئی سال تک غریب الوطنی بلکہ جلا وطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ (عیون الاثر لابن سید الناس:۱/۱۱۶، ابن ہشام:۱/۱۱۴)

اس دفعہ قریش نے اپنے دو آدمی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو حبشہ بھیجا تاکہ ان کی وساطت سے مسلمانوں کو حبشہ سے مکہ واپس لایا جائے لیکن سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی حقیقت پر مبنی تقریر نے قریش کے نمائندوں کی ہر تدبیر کو الٹ دیا، اور مسلمان وہاں نجاشی کے زیر سایہ نہایت امن وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر جب سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فی الفور حبشہ سے مدینہ طیبہ کی راہ لی جب کہ ان کے دوسرے رفقاء سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ وغیرہ غزوہ خیبر تک حبشہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خاص اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں حصہ لیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

هاجرت الهجرتين الاولين۔ (بخاری:۱/۵۲۲)

''میں نے پہلی دونوں ہجرتیں کی ہیں۔''

حبشہ اور مدینہ منورہ کی یہ دو ہجرتیں اسلام میں ایک بہت بڑا مقام رکھتی ہیں۔ چنانچہ مسلم میں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کہہ دیا کہ ہم نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے میں تم سے سبقت کی، لہٰذا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تم سے زیادہ حق دار ہیں۔ یہ سننا تھا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا غصہ میں آ گئیں اور سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ کو دہرا کر ان کی شکایت کی۔ یہ شکایت آمیز الفاظ سن کر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

((له ولاصحابه هجرة واحدة ولكم انتم اهل السفينة هجرتان)) (مسلم:۲/۳۰۴)

''یعنی اس کے لیے اور اس کے ساتھیوں کے لیے تو صرف ایک ہجرت ہے اور اے کشتی والو! تمھارے لیے دو ہجرتیں ہیں یعنی تمھارے لیے دوگنا ثواب ہے۔''

اولاد:

علمائے تاریخ نے لکھا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حبشہ کے قیام کے دوران سیدہ رقیہ

Marfat.com

کے ہاں ایک ناتمام بچہ پیدا ہوا، اور پھر اس کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے انھیں ایک اور بچہ عطا فرمایا جس کا نام عبداللہ رکھا جو بعد میں ''عبداللہ الاکبر'' کے نام سے مشہور ہوا اور اسی کی نسبت سے آپ نے اپنی کنیت ''ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ'' رکھی۔

(اسد الغابہ: ۵/۴۵۶، تفسیر القرطبی: ۱۴/۲۴۲، طبقات ابن سعد: ۸/۲۴، البدایہ والنہایہ: ۷/۲۱۹، طبری: ۳/۴۴۴، الاستیعاب: ۳/۷۰، ۴/۴۰۰، الاصابہ: ۴/۳۰۴)

اس عبداللہ الاکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ چھ برس کی عمر میں ایک روز ایک مرغ نے اس کو ٹھونگ ماری جس سے زخم ہو کر ان کا چہرہ متورم ہو گیا۔ پھر اسی مرض میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا انتقال جمادی الاولیٰ سنہ ۴ھ میں ہوا۔ اس کے بعد سیدہ رقیہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

روایت کا یہ حصہ سبائی ذہن کی ایک خاص سازش کے تحت بنایا گیا ہے تاکہ یہ پتہ چلے کہ صرف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا اور کوئی نواسہ زندہ نہیں رہا، لہٰذا سادات کا سلسلہ (اگر بیٹی کی طرف سے چلتا ہے) صرف اولاد فاطمہ ہی میں رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی کسی اور بیٹی کی اولاد سادات میں شمار نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس روایت کو کہ سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ چھ سال کی عمر میں سنہ ۴ھ میں انتقال کر گئے ہر سنی مؤرخ نے بھی نقل کیا ہے ایک نے دوسرے کے لکھے کو دیکھ کر بس مکھی پر مکھی ماری ہے اور یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ جب سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ سنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے تو ان کی عمر چھ سال کیسے بنتی ہے؟ اس بات پر سب مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سیدنا عبداللہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ وہاں ہجرت کر کے گئے تھے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

تزوج عثمان رقية وهاجربها الى الحبشه فولدت له عبدالله هناك۔

(الاصابہ: ۴/۳۰۴، الاستیعاب: ۴/۲۹۹)

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور ان کے ساتھ ہی حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔''

تمام اہل سیر کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ ہجرت حبشہ سنہ ۵ نبوی میں ہوئی تھی۔

(سیرۃ النبی: ۱/۳۷)

Marfat.com

اس لحاظ سے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر دس بارہ سال بنتی ہے نہ کہ چھ سال۔ معلوم نہیں کہ ان مورخین نے ان کی عمر چھ سال کیسے لکھ دی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ۴ھ میں چھ سال کی عمر میں انتقال کر جانا تمام سنی مورخین اور اہل سیر نے بھی لکھا ہے جن میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جیسے محققین بھی شامل ہیں۔ عام مورخین نے تو پھر بھی چھ سال کی عمر میں ان کا انتقال کرنا لکھا ہے لیکن علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے چار سال کی عمر میں ان کا وفات پا جانا لکھ دیا ہے جو اور زیادہ تعجب کی بات ہے۔ (جوامع السیرۃ: ص ۲۸)

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ جب عبداللہ بن رقیہ رضی اللہ عنہ کی عمر ۱۲ سال ثابت ہوتی ہے تو بارہ سال کی عمر کے لڑکے کو مرغ نے کیسے ٹھونگا مار کر ہلاک کر دیا۔ بارہ سال کا عربی لڑکا اور وہ بھی نواسہ رسول ﷺ تو جوان ہوتا ہے، مرغوں کے ٹھونگے کھانے والا بچہ نہیں ہوتا۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ شاید تاریخ عالم کا پہلا واقعہ ہے کہ ایک مرغ نے ٹھونگا مار کر ایک جوان بچے کو زخمی کر دیا جو بعد میں اسی زخم کی تاب نہ لا کر اس جہان فانی سے انتقال کر گیا۔

ابن قتیبہ الدینوری نے تو اپنی تحقیق کے اور ہی گل کھلا دیئے۔ انھوں نے اولاد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

فولد عثمان بن عفان عبدالله الاكبر امه فاختة بنت غزوان، وعبدالله الاصغر امه رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (المعارف: ص ۸۵)

"سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ الاکبر ان کی والدہ کا نام فاختہ بنت غزوان تھا اور عبداللہ الاصغر ان کی والدہ کا نام سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھا۔"

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے پہلی شادی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوئی اور سب سے پہلا جو لڑکا آپ کے ہاں پیدا ہوا وہ عبداللہ بن رقیہ رضی اللہ عنہ تھا، اس لیے ہر لحاظ سے عبداللہ الاکبر وہ لڑکا ہوا نہ کہ وہ لڑکا جو بعد میں آپ رضی اللہ عنہا کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت غزوان کے بطن سے ہوا۔ یہ بات دنیا کی کسی تاریخ اور لغت میں نہیں ہے کہ بڑے بیٹے کو "الاصغر" کہا جائے اور چھوٹے کو "الاکبر" کہا جائے۔ یہ صرف اس لیے کہا گیا کہ بعض کتابوں

Marfat.com

میں آیا ہے کہ ''عبداللہ الاصغر'' بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ لہٰذا صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا اور رسول اللہ ﷺ کا نواسہ لکھ دیا جائے۔ یہ ہے تاریخی بزرجمہروں کا کارنامہ۔

یہ سنی اہل سیر کی روایت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کی کوئی نسل نہیں چلی اور وہ سنہ ۴ ھ میں چھ سال کی عمر میں مرغ کے ٹھونگ مارنے سے انتقال کر گئے تھے، لیکن اب ایک شیعہ مؤرخ مسعودی کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتا ہے:

وکان له من الولد عبدالله الاکبر وعبدالله الاصغر وامهما رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (مروج الذہب: ۲/۳۴۱)

''اور آپ کی اولاد میں سے ایک عبداللہ الاکبر اور دوسرے عبداللہ الاصغرہ تھے۔ ان دونوں کی والدہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔''

ان عبداللہ الاکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مسعودی نے لکھا ہے:

وکان عبدالله الاکبر يلقب بالمطرف بجماله وحسنه وکان کثير التزوج، کثير الطلاق۔ (مروج الذہب: ۲/۳۴۱)

''اور عبداللہ الاکبر کا لقب اس کے حسن و جمال کی وجہ سے مطرف تھا، اور انھوں نے بہت شادیاں کی تھیں اور بہت عورتوں کو طلاق دی تھی۔''

مسعودی کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے عبداللہ مرغ کے ٹھونگ سے انتقال کر گئے تھے، اور ایسا کہنا ضروری ہے، لہٰذا اس نے لکھ دیا:

وبلغ عبدالله الاصغر من السن ستاً و سبعين عامةً فنقره دبك فی عينه وکان ذالك سبب موته۔ (مروج الذہب: ۲/۳۴۱)

''عبداللہ الاصغر جب ۷۶ سال کے ہوئے تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگا مارا جو ان کی موت کا سبب بنا۔''

مسعودی کی اس بات سے یہ صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے عبداللہ الاکبر چھ سال کی عمر میں انتقال نہیں کر گئے تھے بلکہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے بہت شادیاں کیں اور بہت سی بیویوں کو طلاق بھی دی۔ جب شادیاں بہت زیادہ کیں تو یقینی بات

Marfat.com

ہے کہ اولاد بھی ہوئی ہوگی، اور تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کی نسل بھی چلی اور آج تک موجود ہے، لیکن ہمارے اہل سیر نے سبائی سازش سے مات کھا کر ان کو بچپن ہی میں فوت کر دیا تاکہ اس نواسۂ رسول کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔

یہ وہی عبداللہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی شاگردی کا شرف سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ (سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ) کو بھی حاصل ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''لیکن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کبار تابعین اور علم و دین کے لحاظ سے اہم شخصیتوں میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے باپ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا، اور دیگر امہات المومنین، سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ، سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان سے علم حاصل کیا تھا۔'' (منہاج السنہ: ۲/۱۲۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا اور کب کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ اس لیے کیا گیا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی اس بیٹی کی نسل کو ختم کر دیا جائے۔ پہلے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا رسول اللہ ﷺ کی دوسری تین بیٹیوں کو آپ ﷺ کی بیٹیاں ماننے ہی سے یک قلم انکار کر دیا گیا، لیکن جب ان کے بڑوں نے اپنی کتابوں میں اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادیاں تھیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی ہمشیرہ تھیں تو اب سبائی ذہن اور ذریت ابن سباء نے دوسری سازش یہ کی کہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے سیدنا عبداللہ بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو چھ سال کی عمر میں راہی ملک عدم بنا دیا اور ان کی کوئی اور بیماری تو ذہن میں نہ آئی لہٰذا کتابوں میں یہ لکھ دیا کہ مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگا مارا جس کے نتیجہ میں ان کا چہرہ متورم ہو گیا اور وہ انتقال کر گئے حالانکہ یہ ایک ایسا وقوعہ تراشا گیا جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی نہ ہوا۔ پھر اس عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر بعض نے چار سال، اکثر نے چھ سال بتائی حالانکہ تقویمی حساب سے ان کی عمر ۱۲ سال بنتی ہے، لیکن اس قسم کی روایت وضع کرنے والوں کا خیال تھا کہ ۱۲ سال کی عمر کے بچے کی اس طرح کی موت کو کوئی سلیم

Marfat.com

العقل شخص قبول نہیں کرے گا، لہٰذا اس کی عمر چھ سال بتادی جو کہ اس روایت کے غلط ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے، بلکہ مسعودی نے تو اور بھی عقل کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اس نے عبداللہ الاکبر کو جوان اور شادی شدہ تسلیم کرلیا لیکن عبداللہ الاصغر بن رقیہ کو چھ سال کی عمر میں نہیں بلکہ ۷۶ سال کی عمر تک پہنچا کر پھر مرغ کی ٹھونگ سے ان کا انتقال کرنا لکھ دیا جس کو ایک موٹی سے موٹی عقل والا انسان بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔

دوسرا سوال یہ کہ ایسا کب کیا گیا؟ سیرت اور رجال کی کتابوں کی اگر ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بات سب سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ صغیر میں لکھی اور اس سبائی سازش کا وہ سب سے پہلے شکار ہوئے۔ انھوں نے ابن شہاب زہری کے حوالہ سے یہ بات نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ نواسے سیدنا عبداللہ الاکبر رضی اللہ عنہ بن رقیہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اس روایت میں مرغ کے ٹھونگے والی بات درج نہیں ہے۔ تاریخ صغیر سے پہلے یہ روایت کسی اور کتاب میں درج نہیں ہوئی نہ ہی کسی کتاب میں اس کا کوئی سراغ ملتا ہے۔

پھر تعجب یہ ہے کہ صحیح بخاری کا مولف اتنے اہم معاملہ کے بارے میں ایک منقطع روایت نقل کرتا ہے۔ منقطع اس لحاظ سے کہ امام بخاری نے ابن شہاب زہری کو دیکھا تک نہیں۔ ان سے یہ روایت انھوں نے کیسے سن لی؟ کیونکہ ابن شہاب زہری کا سن وفات ۱۲۴ھ ہے جب کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سن پیدائش ۱۹۴ھ اور سن وفات ۲۵۶ھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت ابن شہاب زہری کی وفات ہوئی تھی اس وقت امام بخاری ابھی رحم مادر میں بھی نہیں آئے تھے، لہٰذا انھوں نے زہری سے یہ روایت کیسے سن لی؟ معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی راوی ہے جو امام بخاری نے چھوڑ دیا ہے اور کسی مصلحت کے باعث اس کا نام نہیں لیا، لہٰذا یہ روایت انقطاع کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زہری جو اس روایت کا راوی ہے، اس کا خود اپنا حدود اربعہ کیا ہے؟ علمائے رجال کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ذہنی اور فکری لحاظ سے اس کا تعلق کس گروہ سے ہے؟ تقیہ باز تو نہیں؟ ان تمام باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

علمائے جرح و تعدیل کی کتابوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ محمد بن مسلم

Marfat.com

المعروف ابن شہاب زہری اندر سے رافضی تھا، اور حدیث اور تاریخ کی ہر وہ روایت جس کا تعلق بنوامیہ اور بنو ہاشم سے ہے، اس میں ان حضرت نے اپنے رفض کے جوہر دکھائے ہیں۔ چنانچہ وہ روایت جس میں مرقوم ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور دونوں نے فدک کی زمین میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم انبیاء علیہم السلام جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے کھا تو سکتی ہے، حصہ نہیں لے سکتی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: ''جو کچھ اس مال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے میں بھی وہی کروں گا۔ ابن شہاب زہری نے کہا: بس سیدہ فاطمہ ناراض ہوگئیں اور انھوں نے اپنے انتقال تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی کلام نہ کیا۔

(بخاری: ۲/۹۹۶، سنن کبریٰ، بیہقی: ۶/۳۰۰، المصنف عبدالرزاق: ۵/۴۷۲)

اس سلسلہ میں جس قدر روایات حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں جن میں یہ لفظ ہیں کہ ''سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور پھر انتقال تک انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کلام نہیں کیا۔ وہ الفاظ ابن شہاب زہری کے ہیں اور ان الفاظ کے ساتھ انھوں نے اہل سنت کی کتابوں میں شیعیت داخل کر دی ہے۔ ایسے ہی واقعہ فدک اور حواب کے کتوں کا جہاں بھی ذکر آتا ہے، وہاں روایت کے راویوں میں ابن شہاب زہری آپ کو چھپا ہوا ضرور نظر آئے گا۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں ہر محدث نے اگرچہ ان کے علم وفضل کی تعریف کی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ ان کی اکثر روایات مرسل ہیں۔ یہ تدلیس بہت کرتے ہیں۔ گویا کہ ابن شہاب زہری ارسال اور تدلیس کے امام ہیں۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب: ۱۱/۳۲۷، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۰۹، میزان الاعتدال: ۴/۴۰)

مرسل اور مدلس احادیث کو محدثین نے ضعیف احادیث کی اقسام میں شمار کیا ہے۔ البتہ مراسیل صحابہ ضعیف نہیں ہیں۔ (التدریب: ص ۱۷)

مثال کے طور پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اکثر و بیشتر روایات مرسل ہیں کیونکہ عہد نبوت میں وہ بچے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۲۔۱۳ سال سے

Marfat.com

زیادہ نہ تھی۔

ابن شہاب زہری میں تدلیس اور ارسال کے علاوہ ایک خرابی یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات روایت کی وضاحت کے لیے اس کی از خود تفسیر وتشریح کر دیتے ہیں۔ اس طریقہ سے روایت کے اصل الفاظ اور تفسیری الفاظ میں فرق نہیں ہو سکتا بلکہ نفس الامر میں اختلاط ہو جاتا ہے۔
(اس کی مثال کے لیے ملاحظہ ہو بخاری: ۲/۹۹۶ کی روایات ''لا نورث ما ترکنا صدقۃ'')

چنانچہ امام ربیعہ بن عبدالرحمٰن زہری کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب آپ لوگ کوئی روایت بیان کریں تو اپنی رائے اور روایت میں فرق رکھا کریں تا کہ لوگوں کو آپ کی رائے اور روایت میں فرق معلوم ہو سکے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام ذہبی: ۵/ ۲۴۸)

ابن شہاب زہری کے بارے میں پیر قمر الدین سیالوی مرحوم اپنی ایک کتاب میں فرماتے ہیں:

''اہل السنّت والجماعت پر اعتراض کرنے سے پہلے اہل السنّت والجماعت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے۔ ذاکرین اہل تشیع جب اپنے اصول مذہب سے ناواقف ہیں تو اہل السنّت والجماعت کے اصول کیوں کر سمجھ سکتے ہیں۔ یہاں اہل السنّت والجماعت کا اصل الاصول یہ ہے کہ حدیث کی صحت یا ضعف راوی کی صحت اور ضعف پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کا راوی صحیح العقیدہ، سچا، صحیح حافظہ والا ہے تو اس کی روایت کو صحیح مانا جائے گا ورنہ وہ روایت ضعیف کہلائے گی۔ اب فدک والی روایات میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں، صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں، اور یہ ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا نظر آتا ہے۔ اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایتوں کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنّت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر وفکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنّت کے لیے قابل توجہ ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کلینی اس میں کیا فرق تھا۔'' (مذہب شیعہ: ص ۱۳، لاہور)

Marfat.com

یہ تھا مختصر تذکرہ ابن شہاب زہری کا۔ اسی زہری نے سب سے پہلے یہ روایت گھڑی کہ عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ جو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، بچپن ہی میں انتقال کر گئے، اور اس روایت کو امام بخاری نے سب سے پہلے اپنی تاریخ صغیر میں نقل کیا۔ (تاریخ صغیر: ص ۳۲)

لیکن زہری کی اس روایت میں مرغ کے ٹھونگے کا ذکر نہیں تھا۔ یہ روایت ویسے تو زہری کی وجہ ہی سے قابل قبول اور قابل حجت نہیں ہے۔ پھر زہری نے یہ روایت کس سے لی اس کا بھی سند میں کوئی ذکر نہیں۔ تیسری بات یہ کہ بخاری نے زہری سے یہ روایت کس راوی کے ذریعہ سنی کیونکہ زہری کی وفات کے ۷۰ سال بعد امام بخاری پیدا ہوئے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان کوئی شخص واسطہ ہے جس نے امام بخاری کو زہری کی یہ روایت سنائی، لیکن امام بخاری نے اس شخص کا نام نہیں لیا۔ اس وجہ سے یہ روایت نہ صرف منقطع ہے بلکہ کذب پر بھی مبنی ہے۔

ابن شہاب زہری کی روایت امام بخاری کی تاریخ صغیر کے باعث شہرت حاصل کر گئی۔ اب اس روایت پر ایک اور رافضی ابن قتیبہ نے گرہ لگائی اور جو کمی زہری سے رہ گئی تھی اس کو اس نے پورا کر دیا یعنی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت عمر کا تعین کہ وہ اس وقت چھ سال کے تھے، اور دوسرا ان کے انتقال کا سبب کہ اُن کی وفات مرغ کی ٹھونگ سے ہوئی۔ چنانچہ ابن قتیبہ نے اس بات کو اپنی کتاب ''المعارف'' میں دو مقامات پر نقل کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ سے انتقال کر گئے، لیکن شاید عبداللہ الاصغر بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے، لہٰذا انھوں نے عبداللہ الاصغر کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا لکھ دیا اور عبداللہ الاکبر کو فاختہ بنت غزوان کا بیٹا بنا دیا۔ جب کہ معاملہ برعکس تھا یعنی عبداللہ الاکبر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا تھا۔

ابن قتیبہ نے یہ نہیں بتایا کہ ان سے یہ روایت کس نے کی کہ عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ یعنی بقول ابن قتیبہ عبداللہ الاصغر چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ سے انتقال کر گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی پولٹری فارم والے نے انھیں کوئی بڑا سا مرغ دکھلا دیا ہوگا اور انھوں نے یقین کر لیا ہوگا کہ یہ انسانوں کو بھی مار سکتا ہے۔

ابن قتیبہ کے بعد ابن جریر طبری آیا جو سنہ ۲۲۰ھ میں پیدا ہوا اور سنہ ۳۱۰ھ میں اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس نے واقدی جو کہ ایک مسلمہ کذاب تھا، کے حوالے سے عبداللہ بن رقیہ

Marfat.com

کے بارے میں وہی نظریہ پیش کیا جو اس سے قبل ابن قتیبہ پیش کر چکا تھا۔ اس نے محمد بن عمر (الواقدی) کے حوالہ سے جو روایت نقل کی اس کے الفاظ یہ ہیں:

فبلغ عبداللہ ست سنین فنقرہ دیك علیٰ عینه فمرض، فمات جمادی الاولیٰ سنة اربع من الهجرة فصلی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم ونزل فی حضرته عثمان۔

"پس عبداللہ جب چھ سال کے ہوئے تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ پر ٹھونگا مارا جس سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری سے سنہ ۴ھ میں وہ انتقال کر گئے۔ نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں قبر میں اتارا۔" (طبری: ۳/۴۴۴)

طبری کے بعد اب ہر مؤرخ نے اس بات کو نقل کرنا شروع کر دیا کہ عبداللہ چھ سال کی عمر میں مرغ کی ٹھونگ سے انتقال کر گئے، لیکن ہماری تحقیق کے مطابق یہ روایت سبائی ذہن کی پیداوار ہے۔

جنازہ اور تدفین:

بلاذری اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقال پر سرور کائنات ﷺ نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ اسی حالت میں عبداللہ کو اپنی گود میں لیا۔ آنکھیں نمناک بلکہ اشک بار ہوئیں۔ اور اسی غمناکی کی حالت میں فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحیم و شفیق بندوں پر رحم فرماتا ہے۔" اس کے بعد اس کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور سیدنا عثمان نے قبر میں اتر کر تدفین کے فرائض انجام دیئے۔ (انساب الاشراف بلاذری: ۱/۴۰۱، طبری: ۳/۴۴۴)

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی خانگی زندگی:

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی خانگی زندگی نہایت اچھی تھی کیونکہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک متمول اور فیاض آدمی تھے، اس وجہ سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو گھریلو ضروریات کے لیے کبھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ایک خادمہ ام عیاش رضی اللہ عنہا نام کی تھی جو آپ ﷺ

Marfat.com

کی خدمت گزاری کرتی تھی۔ آپ کو وضو کراتی اور دوسرے کئی کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتی۔

(اسد الغابہ: ۵/ ۶۰۷)

آپ ﷺ نے ام عیاش رضی اللہ عنہا بطور ہدیہ اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کو عنایت فرما دی تھی۔ ام عیاش اب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہ کر ان کی خدمت گزاری کرتی تھیں اور گھریلو کام کاج میں سیدہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ (اسد الغابہ: ۵/ ۶۰۷)

سرکار دو عالم ﷺ بعض اوقات اپنی اس صاحب زادی کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کی خیر و عافیت کا پتہ کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ اپنے شوہر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سر کو دھو رہی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے بیٹی کی اس خدمت کو دیکھ کر فرمایا: ”بیٹی! اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو اور دونوں حسن معاملہ کے ساتھ اپنی زندگی گزاریں۔ عثمان رضی اللہ عنہ میرے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے اخلاق میں مجھ سے مشابہ ہیں۔“ (کنز العمال: ۶/ ۱۴۹)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت کرتے تھے اور اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ کی تلقین فرماتے تھے۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری:

جو شخص اس دنیا میں آیا ہے اس نے ایک روز اس دنیا سے جانا ہے، اور جانے کا کوئی نہ کوئی سبب بھی ہوتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں اقامت کے دوران سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اچانک بیمار ہو گئیں۔ یہ سنہ ۲ھ کے اوائل کا واقعہ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر کی تیاری میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ جب غزوہ کے لیے تشریف لے جانے لگے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہے لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ میرے ساتھ نہ جائیں بلکہ اس کی تیمار داری کے لیے مدینہ طیبہ میں رہیں۔ ان کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کی مدد کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم فرمایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں شمولیت کے لیے جاؤں، لیکن جناب رسول اللہ ﷺ نے آپ کی دل جوئی کے لیے فرمایا:

Marfat.com

((ان لك اجر رجل ممن شهد بدراً وسهمه)) (بخاری: ۵۲۳۱-۴۴۲-۴۸۲/۲)

''یعنی آپ کے لیے بدر میں حاضر ہونے والوں کے برابر اجر اور غنائم میں سے حصہ بھی ہے۔''

آپ ﷺ کے فرمان کے باعث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جنگ میں شمولیت نہ کر سکے اور آپ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں رکے رہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق آپ کو جنگ بدر میں شمولیت کا اجر و ثواب بھی ملا گویا سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کی خدمت کا درجہ جنگ بدر میں شمولیت کے برابر تھا۔ یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہت بڑی عظمت اور اعزاز ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی صاحب زادیوں میں سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا ہی یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ چنانچہ علامہ نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''نبی اکرم ﷺ کی اجازت اور فرمان کی وجہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر سے پیچھے رہ گئے اور اس میں شمولیت نہ کر سکے۔ ان کے ذمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری تھی۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر کے غنائم میں سے برابر کا حصہ دیا اور جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے اجر و ثواب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ''تمھارا اجر و ثواب بھی اہل بدر کے برابر ہے۔'' (مجمع الزوائد: ۹/ ۲۱۷)

گویا سیدہ رضی اللہ عنہا کی تیمار داری کا ثواب اور اجر جنگ بدر میں شرکت کرنے والے مجاہدین کے برابر ہے۔ اس چیز کو شیعہ مؤرخین نے بھی تحریر کیا ہے اور تسلیم بھی کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو التنبیہ والاشراف، مسعودی تحت ذکر السنۃ الثانیہ من الھجرۃ)

وفات:

رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں سرکار دو عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ بدر کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ بالآخر ہجرت نبوی سے سترہ ماہ بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا سرکار دو عالم ﷺ کی غیر موجودگی میں انتقال ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۲۴، تفسیر القرطبی: ۱۴/ ۲۴۲)

Marfat.com

بعض علماء کے نزدیک سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہجرت کے ایک سال دس ماہ بعد ہوا تھا۔

(مسند ابی داؤد الطیالسی: ص ۳۵۱)

جنگ بدر میں فتح کے بعد اہل مدینہ کو فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے گئے۔ ایک سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دوسرے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو عوالی مدینہ یعنی بالائی بستیوں میں گشت کر کے اطلاع دینے کی ہدایت فرمائی اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اہل سافلہ یعنی نشیبی بستیوں میں اطلاع دینے کے لیے بھیجا۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی قصواء پر روانہ کیا۔

مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کا ایک کام جھوٹی افواہیں پھیلانا بھی تھا۔ انھوں نے مدینہ طیبہ میں ایک جھوٹی خبر پہلے سے یہ پھیلا رکھی تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ میدان بدر میں (معاذ اللہ) قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمان نہایت شکستہ خاطر تھے۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔ اس سے مسلمانوں کا حزن و ملال دوگنا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان ﷺ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ میں چھوڑ دیا تھا لیکن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جانبر نہ ہو سکیں اور انتقال فرما گئیں۔

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب آپ ﷺ کی اونٹنی قصوا پر سوار فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ آپ اس وقت مدینہ طیبہ میں پہنچے جس وقت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تُربت لوگ مٹی ڈال رہے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ جب بدر کی فتح کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ جنت البقیع میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر کچھ عورتیں بھی جمع ہو گئیں اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پر رونے لگیں۔ جب عورتوں کی آواز ذرا بلند ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں پر سختی کرنے سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیا اور عورتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ شیطانی آواز سے باز رہو۔ جب تک آنکھ اور دل سے رونا صادر ہو تو یہ رحمت کی علامت ہے لیکن جب زبان سے واویلا اور ہاتھوں سے جزع فزع ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ (ذخائر العقبیٰ: ص ۱۶۳)

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر سرکار دو عالم ﷺ کچھ زیادہ ہی مغموم تھے اس کی ایک

Marfat.com

وجہ یہ بھی تھی کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ کی غیر موجودگی میں ہوا تھا اور آپ اس کے آخری لمحات کے وقت اور اس کی تکفین وتدفین میں شمولیت نہ فرما سکے۔ ایک باپ کے لیے یہ نہایت حسرت کا مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی حسرت کے انداز میں فرمایا:

((الحقی بسلفنا عثمان بن مظعون))[1]

(طبقات ابن سعد: ۸/۲۴، الاصابہ: ۴/۲۹۷، زرقانی: ۳/۱۹۹)

اے رقیہ! تو ہمارے سلف صالحین عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر شامل ہو۔

علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد محترم کے ساتھ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر حاضر ہوئیں اور اپنی اس پیاری بہن کے غم میں قبر پر کھڑی رونے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اپنے ہاتھ اور کپڑے سے آنسو پونچھے اور انھیں صبر وسکون کی تلقین فرمائی۔

(سنن کبریٰ بیہقی: ۴/۷۱، طبقات ابن سعد: ۸/۲۴، وفاء الوفاء سمہودی: ۳/۸۹۵)

شیعہ علماء نے بھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے انھی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فروع کافی: ۱/۱۳۳، منتہی الامال: ۱/۱۰۸)

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی دو صاحب زادیوں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر درود بھیجنے کے لیے بھی لکھا ہے۔ چنانچہ شیعہ حضرات کی کتاب تہذیب الاحکام میں جو صحاح اربعہ میں سے ہے، لکھا ہے:

اللهم صل على القاسم والطاهر ابني نبيك، اللهم صل على رقية بنت نبيك والعن من آذى نبيك فيها، اللهم صل على ام كلثوم بنت نبيك والعن من آذى نبيك فيها ۔ (تہذیب الاحکام: ص۱۵۴، تحفۃ العوام، باب: ۱۹)

---

[1] عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک قدیم الاسلام صحابی اور السابقون الاولون میں سے تھے۔ ہجرت حبشہ کی فضیلت بھی انھیں حاصل تھی۔ مدینہ طیبہ میں مہاجرین میں سے انتقال فرمانے والے سب سے پہلے آدمی ہیں اور جنت البقیع میں بھی مہاجرین میں سے پہلے دفن ہونے والے شخص ہیں۔ ان کے انتقال کے وقت سرکار دو عالم ﷺ بڑے غم ناک تھے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو بوسہ سے بھی نوازا تھا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو "سلف صالحین" کے نام سے ذکر فرمایا۔ (الاصابہ: ۲/۴۵۷)

Marfat.com

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ

سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کی تیسری صاحب زادی کا نام سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کا اسم گرامی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہے اور اسی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔
(زرقانی: ۳/۱۹۹)

اکثر علماء کے نزدیک یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔ (اسد الغابہ: ۵/۶۱۲)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اپنی تمام بہنوں اور والدہ کے ساتھ ہی اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئی تھیں۔ (تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۴۲، طبقات ابن سعد: ۸/۲۵)

آپ نے سرکار دو عالم ﷺ کے اذن سے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو سرکار دو عالم ﷺ کے ہجرت کے رفیق سفر تھے لیکن اہل وعیال دونوں کے مکہ ہی میں تھے۔ ہجرت سے کچھ عرصہ بعد سرکار دو عالم ﷺ نے اہل وعیال کو مدینہ طیبہ بلانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس مقصد کے لیے ابو رافع رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے تیار کیا اور انھیں سواریاں دے کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا اور آمد و رفعت کے مصارف بھی عطا فرمائے جن کی تعداد پانچ سو درہم بتائی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے ان کو دو اونٹ بھی دیئے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر ہمارے اہل وعیال کو ساتھ لیتے آئیں۔ ان کے ساتھ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن اریقط الدوئلی کو دو اونٹ دے کر بھیجا اور اپنے بیٹے عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ بھیجا کہ وہ بھی ان کے اہل وعیال کو ان کے ساتھ روانہ کر دے یعنی یہ دونوں گھرانے ایک دوسرے کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔

Marfat.com

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے مطابق زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے اور سرکار دو عالم ﷺ کے گھر والوں سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا اور اپنے لڑکے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لیا۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کے اہل و عیال کے ساتھ رہتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ام رومان رضی اللہ عنہا اور اپنی دونوں بہنوں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر ہجرت کو نکلے اور سرکار دو عالم ﷺ کے اہل و عیال کے ساتھ ہم سفر ہو کر مدینہ پہنچے جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو اس وقت سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر میں مصروف تھے اور مسجد کے اطراف میں اپنے حجروں کی تعمیر کروا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کو حارثہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کے مکان پر ٹھہرایا اور سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وہ حجرہ تعمیر کروایا جس میں آج سرکار دو جہاں ﷺ کا مزار اقدس ہے۔ اس حجرہ مبارکہ کا ایک دریچہ مسجد نبوی کی جانب بنوایا تھا، جس سے آپ ﷺ نماز کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا سارا خاندان تو آ گیا تھا البتہ آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی، زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع نے روک لیا تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بعد میں ہجرت کی، اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، جیسا کہ ان کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ (طبقات: ۸/ ۱۱۸)

جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کے سفر ہجرت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہم سفر تھے، اس طرح رسول اللہ ﷺ کے اہل و عیال اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال سفر ہجرت میں ہم سفر اور اکٹھے تھے۔ یہ ان دونوں خاندانوں کی تعلقات کی یگانگت اور ان کی دلی قربت کی بین دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اہل و عیال کے سفر ہجرت کے مصارف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پیش خدمت کر کے پیغمبر ﷺ کی دعاؤں کے مستحق ٹھہرے اور ثواب دارین حاصل کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں بہنوں نے ہجرت مدینہ کا سفر باہم مل کر کیا، اور اپنی دوسری دو بہنوں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے پہلے کیا۔ گویا یہ دونوں ہجرت میں ان دونوں سے سبقت لے گئیں۔

Marfat.com

نکاح:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال پر نہایت غم و اندوہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دامادی ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے ختم ہو گیا۔ محبؒ طبری نے اپنی کتاب ''الریاض النضرہ'' سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ محمد (ﷺ) نے اپنی صاحب زادی کی نسبت ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کر دی ہے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بڑی خوبصورت تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حسرت پیدا ہوئی کہ مجھ سے ان کی نسبت کیوں نہیں ہوئی۔ مجھے اس بات کا بڑا قلق تھا۔ میں تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر آ گیا۔ وہاں میں نے اپنی خالہ سعدہ بن کریز کو بیٹھے دیکھا جو کہانت میں خاص دسترس رکھتی تھیں۔ انھوں نے مجھے پژمردہ خاطر دیکھ کر کہا:

البشر وحییت ثلاثاً تترا
ثم ثلاثاً وثلاثاً اخریٰ

اے عثمان! تم کو خوش خبری ہو اور سلامتی ہو، تین دفعہ، تین دفعہ اور تین دفعہ۔

ثم باخری کے تتم عشراً
اتاك خیر و قیت شراً

اور ایک دفعہ تا کہ پورے دس ہو جائیں۔ تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ رہا۔

وانکحت واللہ حصانا زھرا
وانت بکر ولقیت بکرا

بخدا! تو نے ایک نہایت پاک باز اور حسین عورت سے نکاح کیا تو خود بھی کنوارا ہے اور تیری شادی بھی دوشیزہ سے ہوگی۔ (عثمان بن عفان، عباس محمود عقاد: ص ۶۴)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی خالہ کے اس بیان پر سخت تعجب ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں آئیں۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۹۹، کنز العمال: ۱۳/ ۷۶)

Marfat.com

یہ نکاح روایات کے مطابق حق تعالیٰ کی وحی کی ہدایت پر ہوا۔ یہ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا اور رخصتی بھی ساتھ ہی ہوگئی۔ (کنزالعمال:۶/۳۷۵)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس نکاح سے بہت خوش تھے۔ خوشی کی دو وجوہات تھیں:

① ایک یہ کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین وجمیل تھیں اور ایک عورت کا حسن و جمال اس کے خاوند کے لیے مسرت وشادمانی کا باعث ہوتا ہے۔

② دوسرے یہ کہ وہ ایک نبی اور وہ بھی سید الاولین والآخرین ﷺ کی لخت جگر اور نور نظر تھیں، اور ایک پیغمبر ﷺ سے دامادی کا رشتہ بڑے فخر ومباہات کی بات ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس جوڑے کے حسن و جمال اور اس کی بہترین معاشرتی زندگی کو دیکھ کر قریش کی عورتیں کہا کرتی تھیں:

احسن شخصين رای انسان
رقية وبعلها عثمان

''انسان نے حسن و جمال میں جو بے مثال جوڑا دیکھا ہے وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

اس سلسلہ میں محمد بن یحییٰ الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جوڑا حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھا۔ چنانچہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے مجھے ایک پلیٹ میں کچھ گوشت دے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ میں ان کو گوشت دے آؤں۔ جب میں ان کے ہاں گیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت جوڑا اور کوئی نہیں دیکھا۔ میں کبھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتا اور کبھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی طرف۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹا تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''کیا تم وہاں گئے تھے؟'' عرض کیا: ''جی ہاں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس سے زیادہ حسین وجمیل جوڑا دیکھا ہے؟'' عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! نہیں، میں تو کبھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف۔''

(التمہید والبیان: ص ۱۵۵، تاریخ الخلفاء: ص ۱۵۰)

Marfat.com

ان کے علاوہ اور بہت سی روایات کتابوں میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حسن وخوبی میں یہ جوڑا تمام قریش میں ضرب المثل تھا، اور لوگ اس پر رشک کیا کرتے تھے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی دامادی کا شرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہیں تھا لیکن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے انھیں سخت صدمہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی غم میں ڈوبے رہتے تھے کہ سرور کائنات ﷺ سے میرا رشتہ مصاہرت منقطع ہو گیا ہے۔ چنانچہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں غم زدہ دیکھا تو فرمایا: ''عثمان رضی اللہ عنہ! میں تمھیں کیوں غم زدہ دیکھ رہا ہوں؟'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! مصیبت کا جو پہاڑ مجھ پر ٹوٹا ہے وہ کسی اور پر نہیں ٹوٹا۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں مغموم کیوں نہ ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ کی جو صاحب زادی میرے نکاح میں تھی، انتقال فرما گئیں جس سے میری کمر ٹوٹ گئی اور وہ رشتۂ مصاہرت بھی ختم ہو گیا جو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان تھا۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں تسلی دی اور اپنی دوسری صاحب زادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے رشتۂ ازدواج میں دے دی۔ (عثمان بن عفان: ص ۱۰۲، اسد الغابہ: ۶۱۲/۵)

ایک روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جناب سرور کائنات ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میری سو لڑکیاں بھی ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے فوت ہو جاتیں تو میں ایک کے بعد دوسری کو تم سے بیاہ دیتا یہاں تک کہ سو کے بعد میرے پاس ایک بھی نہ رہتی۔''

(عثمان بن عفان، عقاد: ص ۱۰۳)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ربیع الاول سنہ ۳ھ میں ہوئی اور جمادی الآخرہ سنہ ۳ھ میں رخصتی ہوئی۔ (اسد الغابہ: ۶۱۲/۵، طبقات ابن سعد: ۲۵/۸)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا شوہر فوت ہو گیا، اور ادھر عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی صاحب زادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے لیے پیشکش کی، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو فی الحال قبول کرنے سے معذرت چاہی۔

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

''حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ شخص نکاح کرے گا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ اس سے نکاح کرے گا جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہے۔''

(الاصابہ: ۴/۲۶۴، زرقانی: ۳/۳۰۰، نسب قریش: ص ۳۵۲)

چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آ گئیں۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا یہ نکاح بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی وحی کے تحت کیا تھا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما زوجت ام کلثوم من عثمان الا بوحی من السماء))

(التاریخ الکبیر: ۲/۲۸۱، اسد الغابہ: ۵/۶۱۳، مجمع الزوائد: ۹/۸۳، زرقانی: ۳/۲۰۰)

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے آسمانی وحی کے تحت ہوا۔ حاکم نے اس بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ

ما انا ازوج بناتی ولکن اللہ تعالیٰ یزوجھن۔ (مستدرک: ۴/۴۹)

''میں اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنی مرضی سے نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے تحت وہ نکاح ہوتے ہیں۔''

بخاری نے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

''میں نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینے کا ارادہ کیا ہے اور یہ چیز آسمانی وحی کے مطابق عمل میں آئے گی۔''

(التاریخ الکبیر: ۲/۲۸۱، زرقانی: ۳/۲۰۰، مجمع الزوائد: ۹/۸۳، کنز العمال: ۶/۱۴۹)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اے عثمان رضی اللہ عنہ! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ یہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو تمہارے نکاح میں دوں، اور جو مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کے لیے مقرر ہوا تھا اسی کے مطابق ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا

Marfat.com

مہر ہو، اور اس کے مصاحبت اور رفاقت بھی اسی کے مطابق ہو۔"

(اسد الغابہ: ۵/ ۶۱۳، مستدرک حاکم: ۴/ ۴۹)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اس زوجہ محترمہ کی بہت دلداری فرماتے اور اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش فرماتے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی اس صاحب زادی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی طبعی طور پر بڑی خوش لباس تھیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی انھیں اچھے سے اچھا لباس مہیا فرماتے۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"انھوں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ پر ایک گراں قیمت ریشمی چادر دیکھی۔"

(بخاری: ۲/ ۸۶۸، طبقات ابن سعد: ۸/ ۲۵، الاصابہ: ۴/ ۴۶۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہم کا نکاح شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(انوار نعمانیہ: ۱/ ۳۶۷)

انتقال:

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا شعبان سنہ ۹ ھ میں داغ مفارقت دے کر اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئیں۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۳۹، طبقات ابن سعد: ۸/ ۲۵، تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۴۲)

رسول اللہ ﷺ تین صاحب زادیوں کا انتقال آپ ﷺ کی حیات ہی میں ہوا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سنہ ۸ ھ میں، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سنہ ۲ ھ میں اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سنہ ۹ ھ میں انتقال فرما گئیں آپ ﷺ ان صاحبزادیوں کے انتقال پر صابر وشاکر رہے اور امت کے لیے اپنا اسوہ حسنہ چھوڑا کہ ہر غم واندوہ کے موقع پر آدمی کو صبر وشکر سے کام لینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک بار پھر غموں کے سمندر میں ڈوب گئے۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب نے دیا بعض روایتوں میں لیلیٰ بنت قائف اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کے نام بھی آتے ہیں کہ انھوں نے بھی غسلِ ام کلثوم رضی اللہ عنہا میں تعاون کیا تھا۔ ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا ویسے بھی عورتوں کو غسل دیا کرتی تھیں۔ (الاستیعاب)

Marfat.com

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے غسل میں بھی یہ موجود تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو غم زدہ دیکھ کر فرمایا:

((لو کن عشراً لزوجتھن عثمان)) (طبقات:۸/ ۲۵، مجمع الزوائد:۹/ ۲۱۷)

''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کو بیاہ دیتا۔''

یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا سلوک رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادیوں کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کے غسل اور کفن کے انتظامات رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائے۔ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم غسل دینے والیوں کو ارشاد فرمایا کہ بیری کے پتوں والے پانی سے تین یا پانچ یا سات بار غسل دلائیں۔ اس کے بعد آخر میں کافور کی خوشبو لگائیں، اس کے بعد مجھے اطلاع کریں۔ چنانچہ غسل کے بعد جب آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے ہمیں کفن کے کپڑے اس ترتیب سے پکڑائے کہ پہلے ایک چادر، پھر ایک قمیص اور پھر ایک اوڑھنی اور اس کے بعد ایک چادر اور پھر ایک بڑی چادر جس میں سیدہ رضی اللہ عنہا کے تمام جسم کو لپیٹ دیا گیا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس مکان کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے پاس یہ کپڑے تھے جو آپ ﷺ نے ایک ایک کر کے ہمیں دیئے۔ اس طرح سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تکفین کی گئی۔

نماز جنازہ:

تجہیز و تکفین کے بعد سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے خود سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ ایک بہت بڑی فضیلت تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد نے آپ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔

نماز جنازہ کے بعد دفن کے لیے جنازہ کو جنت البقیع میں لایا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں اتارا۔ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک دفن تھے۔

Marfat.com

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔

ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس على القبر فرأيت عينيه تدمعان

''اور رسول اللہ ﷺ اس کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔''

(بخاری: ۱/۱۷۳، اصابہ: ۴/۴۶۶، طبقات ابن سعد: ۸/۲۶، شرح السنہ بغوی: ۵/۳۹۴، تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۴۳)

ایک شبہ اور اس کا جواب:

بعض لوگ سادہ دل مسلمانوں کو ایک مغالطہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے صرف ایک صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن یا تو ① سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پچھلے شوہر سے تھیں یا پھر ② ویسے ہی یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب تھیں۔

یہ مغالطہ اور شبہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم خود اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (الاحزاب: ۵۹:۳۳)

''اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ نیچے لٹکائیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں، اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی ان کو نہ ستائے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں حق جل وعلا شانہ نے ''بنات'' کا لفظ استعمال فرما کر یہ بتا دیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ کیونکہ لفظ ''بنات'' بنت کی جمع ہے اور

Marfat.com

عربی زبان میں جمع کا لفظ کم از کم تین افراد پر بولا جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں ''بنات'' سے مراد امت کی عورتیں اور بیٹیاں ہیں تو اس شبہ کا جواب حق تعالیٰ نے خود ہی اگلے لفظ ﴿نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (مومنوں کی عورتیں) میں دے دیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ''بنات'' سے یہاں مراد امت کی بیٹیاں یا عورتیں ہیں یا تو تعصب کی وجہ سے ہے یا جہالت کی وجہ سے۔ وگرنہ قرآن کریم کی آیت صراحت سے بیان کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خود کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وہ سب بیٹیاں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں اور ان کے والد محترم جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔

چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم امها خديجه بنت خويلد وقال ابن شهاب فتزوج عثمان بن عفان رضى الله عنه رقيه بمكة وهاجرت معه الى ارض الحبشة۔

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے بطن سے جناب رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ابن شہاب کا قول ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں شادی کی اور انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔'' (استیعاب: ۴/۲۹۹)

ملا باقر مجلسی جو تاریخ و حدیث میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی اولاد کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

در قرب الاسناد، سند معتبر از حضرت صادق رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ رضی اللہ عنہا متولد شد طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ را بحضرت امیر المومنین تزویج نمود و تزویج کرد با بوالعاص بن ربیعہ کہ از بنی امیہ بود زینب را و بہ عثمان بن عفان ام کلثوم را و پیش از آنکہ بخانہ آں برود برحمت الٰہی واصل شد و بعد از و رقیہ را با او تزویج نمود۔

''قرب الاسناد میں معتبر سند کے ساتھ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

Marfat.com

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جناب رسول اللہ ﷺ کی جو اولاد ہوئی، وہ طاہر رضی اللہ عنہ، قاسم رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے بیاہا اور زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیعہ اموی سے کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا اور قبل اس کے کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں جاتیں، انتقال کر گئیں۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔" (حیات القلوب: ۲/۴۴۶، لکھنؤ)

یہی ملا باقر مجلسی ایک مقام پر اولاد رسول ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ابن بابویہ بسند معتبر از اں حضرت روایت کردہ است کہ از برائے رسول متولد شد از خدیجہ رضی اللہ عنہا قاسم رضی اللہ عنہ و طاہر رضی اللہ عنہ و نام طاہر رضی اللہ عنہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بود و ام کلثوم رضی اللہ عنہا و رقیہ رضی اللہ عنہا و زینب رضی اللہ عنہا و فاطمہ رضی اللہ عنہا و حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ فاطمہ را تزویج نمود و تزویج نمود زینب را ابوالعاص رضی اللہ عنہ ابن ربیع و او مردے بود از بنی امیہ و عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ام کلثوم را بتزویج نمود و پیش از آنکہ بخانہ آورد برحمت الٰہی واصل شد پس چوں بجنگ بدر رفتند حضرت رسول ﷺ رقیہ را باو تزویج نمود۔

"ابن بابویہ نے بسند معتبر حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ قاسم رضی اللہ عنہ، طاہر رضی اللہ عنہ اور طاہر کا نام عبداللہ تھا، اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا، فاطمہ رضی اللہ عنہا، اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا اور زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیعہ کا اور وہ خاندان بنو امیہ سے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے سیدہ ام کلثوم کا نکاح ہوا (!) اور پیشتر اس کے کہ وہ انھیں اپنے گھر لاتے وہ انتقال کر گئیں۔ پس جب جنگ بدر کو گئے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی ان سے شادی کر دی۔" (حیات القلوب: ۲/۵۵۹)

اولاد رسول ﷺ کے بارے میں سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ:

فولدت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولده كلهم الا ابراهيم، القاسم وبه

Marfat.com

كان يكنى والطاهر الطيب وزينب ورقية و ام كلثوم وفاطمةعليهم السلام فاما القاسم، الطيب، الطاهر، فهلكوا فى الجاهلية واما بناته كلهن ادركن الاسلام فاسلمن و هاجرن معه صلى الله عليه وسلم۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہوئی سوائے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے (اور جو اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی وہ یہ ہے) قاسم رضی اللہ عنہ جن کے نام پر آپ نے اپنی کنیت (ابوالقاسم) رکھی اور طاہر رضی اللہ عنہ، طیب رضی اللہ عنہ، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ قاسم رضی اللہ عنہ اور طیب رضی اللہ عنہ، طاہر رضی اللہ عنہ تو قبل از نبوت ہی انتقال کر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب صاحب زادیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تک رہیں، اسلام لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔'' (سیرت ابن ہشام: ۱/۵۰)

ابن سعد نے ہشام بن محمد بن السائب کلبی کا بیان نقل کیا ہے کہ:

''مکہ میں نبوت سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے پہلے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، پھر زینب رضی اللہ عنہا، پھر رقیہ رضی اللہ عنہا پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۳)

علامہ طبری، ابو جعفر محمد بن حبیب، علامہ ابن عبدالبر اور ابن سعد وغیرہ نے مستند حوالوں سے بیان کیا ہے کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دو شوہر انتقال کر چکے تھے۔ ایک ابو ہالہ تمیمی جس سے ان کے ہاں ہند بن ابو ہالہ پیدا ہوئے اور دوسرے عتیق بن عائذ مخزومی جس سے ان کے ہاں ایک لڑکی ہندہ نامی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد ان کا نکاح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور تمام علمائے انساب اس بارے میں متفق ہیں کہ آپ کے صلب سے ان کے ہاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، پیدا ہوئیں۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبری: ۲/۴۱۱، کتاب المحبر: ۷۸-۷۹-۴۵۲، طبقات ابن سعد: ۸/۱۴-۱۶، استیعاب: ۲/۷۱۸)

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے:

Marfat.com

''سیدہ ؓ کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی چار صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے بڑی سیدہ زینب ؓ، ان سے چھوٹی سیدہ رقیہ ؓ ان سے چھوٹی سیدہ فاطمہ ؓ اور ان سے چھوٹی سیدہ ام کلثوم ؓ۔'' (جوامع السیرۃ: ص ۳۸۔۳۹)

مشہور شیعی مورخ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ:

جمعے از علماء خاصہ و عامہ را اعتقاد آنست کہ رقیہ و ام کلثوم دختران خدیجہ بودند از شوہر دیگر کہ پیش از حضرت رسول ﷺ داشتہ و حضرت ایشا نرا تربیت کردہ بود و دختر حقیقی آں جناب بودند و بعضے گفتہ اند کہ دختران ہالہ خواہر خدیجہ بودند و برنفی ایں دو قول روایات معتبرہ دلالت کنند۔

''علمائے عامہ و خاصہ کی ایک جماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ سیدہ رقیہ ؓ اور سیدہ ام کلثوم ؓ سیدہ خدیجہ ؓ کی صاحب زادیاں نہ تھیں بلکہ ان کے دوسرے شوہر جو رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے سے پہلے تھا، سے تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تربیت کی تھی اور وہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقی صاحب زادیاں نہ تھیں بعض نے یہ کہا کہ وہ سیدہ خدیجہ ؓ کی بہن ہالہ کی صاحب زادیاں تھیں، لیکن ان دونوں اقوال کی نفی اور تردید پر معتبر روایات دلالت کرتی ہیں۔''

(حیات القلوب: ۲/۵۲)

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیوں کا انکار کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کے رسول ﷺ کو ایذاء پہنچا رہے ہیں اور جو اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا دے اس کی سزا قرآن حکیم کے مطابق یہ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا﴾ (الاحزاب: ۳۳:۵۷)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی لعنت ہے اور اللہ نے ان کے لیے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

کسی شخص کی سگی اولاد کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اس کی اولاد نہیں، اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی سگی بیٹیوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ان کی

Marfat.com

بیٹیاں نہیں تھیں، ان سے زیادہ تکلیف اور ایذا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اور کوئی نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیتے ہیں کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا واقعی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیاں تھیں لیکن آپ ﷺ نے انھیں (معاذ اللہ) ایک منافق اور فاسق کے ساتھ بیاہ دیا تھا۔ چنانچہ نعمت اللہ الجزائری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

''اختلاف کا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ان دونوں صاحب زادیوں کے یکے بعد دیگرے آنے کا کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بظاہر مسلمان اور بباطن (معاذ اللہ۔ ظفر) منافق تھے۔ رسول اللہ ﷺ اسلام کے ظاہری احکام کے مکلّف تھے جیسا کہ ہم ہیں اور آپ ﷺ منافقین کے دلی طور پر مومن ہو جانے کے خیال سے ان سے میل جول رکھتے تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ حقیقی ایمان کا ارادہ فرماتے تو بہت تھوڑے لوگ خالص مومن نکلتے، کیونکہ صحابہ کی غالب اکثریت اس زمانے میں منافق تھی۔''

(انوار النعمانیہ: ۱/۸۰، ایران)

میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے داماد اور امامت کے ذوالنورین کے بارے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچی ہو گی بلکہ عرش الٰہی بھی کانپ گیا ہو گا۔ جب ہم اپنا داماد کسی منافق یا فاسق کو نہیں بنا سکتے تو طاہر و مطہر پیغمبر ﷺ اپنی بیٹیوں کو نفاق و فسق کی گندگیوں میں کیسے دھکیل سکتا ہے کیونکہ انھی حضرات کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ

''نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی پاک دامن بیٹی کا کسی فاسق کے ساتھ نکاح کرے، اس پر ہر روز ایک ہزار لعنت نازل ہوتی ہے اور اس کا کوئی عمل آسمان کی طرف نہیں چڑھتا اور نہ ہی اس کی کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے کوئی فدیہ یا معاوضہ قبول کیا جاتا ہے۔'' (ارشاد القلوب: ۱/۱۷۴، بیروت)

دامادیٔ رسول ﷺ سے انکار:

بعض جاہل لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دامادِ رسول ہونے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی صورت بھی سیدنا عثمان کو رسول اللہ ﷺ کا داماد ماننے کو تیار نہیں۔ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کے داماد صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ایسی بات کہنے والے نہ صرف متعصب اور ہٹ دھرم ہیں بلکہ جاہل اور غبی بھی ہیں۔ کیونکہ تاریخ کی سب کتابوں میں اور نہ صرف تاریخ کی بلکہ شیعہ اور اہل سنت کی حدیث کی کتابوں میں بھی صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دو حقیقی بہنیں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما ان کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی دو صاحب زادیوں کے نکاح کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

وهاجر (عثمان) الى الحبشة اول الناس ومعه وزوجته رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عاد الى مكه وهاجر الى المدينة فلما كانت وقعة بدر اشتغل بتمريض ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم واقام بسببها فى المدينة وضرب له رسول الله صلى الله عليه وسلم بسهمه عنها واجره فيها فهو معدود فيمن شهدها فلما توفيت زوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم باختها ام كلثوم فتوفيت ايضاً فى صحبة وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان عندنا اخرى لزوجناها بعثمان رضی اللہ عنہ۔

''اور آپ (عثمان رضی اللہ عنہ) نے سب لوگوں سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ پھر وہاں سے آپ مکہ تشریف لائے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ پس جب جنگ بدر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی (سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا) کی تیمارداری میں مصروف رہے اور اسی سبب مدینہ طیبہ میں موجود رہے (اور جنگ میں شرکت نہ کر سکے) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ کے مال غنیمت میں سے انھیں برابر حصہ دیا اور اجر وثواب میں بھی انھیں شامل کیا۔اس سبب سے وہ شرکاء بدر میں سے شمار ہوتے ہیں۔ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی ہمشیرہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کر دی اور وہ بھی آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہی فوت ہوئیں (ان کی وفات پر) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بھی بیٹی موجود ہوتی تو میں اس کو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں دے دیتا۔''

(البدایہ والنہایہ: ۲۰۰/۷)

Marfat.com

اس بارے میں عصمہ بن مالک رضی اللہ عنہ کی مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال پر ارشاد فرمایا:

((زوجوا عثمان لو كان لي ثالثة لزوجته وما زوجته الا بالوحي من الله))

''لوگو! تم عثمان رضی اللہ عنہ کو رشتہ دے دو کیونکہ (عثمان رضی اللہ عنہ اس قدر نیک طینت ہیں کہ) اگر میری کوئی تیسری صاحب زادی بھی ہوتی تو میں اس کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہ دیتا اور میں خود (اپنی بیٹیوں کو کسی سے) نہیں بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے ایسا کرتا ہوں۔''

(نبراس: ٤٨٦، حاشیہ تاریخ الخلفاء)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے داماد رسول ﷺ ہونے کے بارے میں نہ صرف اہل سنت کی کتب ہی بھری پڑی ہیں بلکہ شیعہ حضرات کی معتبر کتب بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح داماد رسول ﷺ تھے بلکہ ان کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی دو صاحب زادیاں تھیں جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک صاحب زادی تھی۔

نہج البلاغہ جس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور شیعہ حضرات کے نزدیک نہایت معتبر کتاب ہے، اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس شرف کے بارے میں ان الفاظ کا اظہار فرماتے ہیں:

وقد رايت كما راينا وسمعت كما سمعنا وصحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم كما صحبنا وما ابن ابى قحافة ولا ابن الخطاب باولى بعمل الحق منك وانت اقرب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وشيجه رحم منهما وقد نلت من صهره مالم ينالا۔

''اور آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی دیکھا جیسا ہم نے دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی ان سے سنا جیسا ہم نے سنا اور آپ رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی ایسی ہی صحبت اٹھائی جیسی ہم نے اٹھائی اور نہ ہی ابن ابی قحافہ (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور نہ ہی ابن الخطاب (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) حق پر عمل کرنے میں آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ رحمی قرابت کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں سے زیادہ

Marfat.com

قریب تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو دامادی رسول کا وہ عز وشرف حاصل ہوا جو ان دونوں کو حاصل نہ ہوا تھا۔'' (نہج البلاغہ: ص۲۹۱، بیروت)

شیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ علیہ محشی نہج البلاغہ اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

انما کان عثمان اقرب و شیجة لرسول الله لانه من بنی امیة ابن عبد شمس بن عبد مناف رابع اجداد النبی صلی الله علیه وسلم اما ابوبکر فهو من بنی تیم بن مرة سابع اجداد النبی و عمر بن عدی بن کعب ثامن اجداده واما افضلیة علیهما فی الصهر فلانه بزوج بنتی رسول الله رقیة وام کلثوم توفیت الاولی وزوجه النبی بالثانیة ولذا سمی ذالنورین۔

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے) زیادہ قریبی تھے کیونکہ وہ بنوامیہ بن عبد شمس بن مناف میں سے تھے اور چوتھی پشت میں رسول اللہ ﷺ سے ملتے تھے۔ لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بنوتیم بن مرہ میں سے تھے اور ساتویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے ملتے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بنوعدی بن کعب میں سے تھے اور آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے ملتے تھے اور دامادی کے لحاظ سے (بھی آپ رضی اللہ عنہ کو) ان دونوں پر افضیلت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی دو صاحب زادیاں رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں تھیں۔ جب آپ کی پہلی صاحب زادی فوت ہوگئی تو آپ نے دوسری صاحب زادی کا ان سے نکاح کر دیا۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین (دونوروں والا) کہا جاتا تھا۔''

(نہج البلاغہ: ص۲۹۱-۲۹۲)

مشہور شیعہ مجتہد قاضی نور اللہ شوستری جن کو شہید ثالث بھی کہا جاتا ہے، اپنی مشہور کتاب ''مجالس المومنین'' میں لکھتے ہیں:

اگر نبی دختر بعثمان داد ولی دختر بعمر فرستاد۔ (مجالس المومنین، مجلس نمبر۳، ص:۸۷)

''اگر نبی ﷺ نے اپنی صاحب زادی عثمان رضی اللہ عنہ کو نکاح میں دی تو ولی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے اپنی صاحب زادی عمر رضی اللہ عنہ کو نکاح میں دے دی۔''

صاحب مجمع البیان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

فخرج الیها سراً احد عشر رجلا واربع نسوة وهم عثمان بن عفان وامراته رقیة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ (مجمع البیان: ۳/۲۳۳)

''پس حبشہ کی جانب گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے مخفی طور پر ہجرت کی اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان اوران کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔''

شیعہ فقہ کی کتاب ''مسالک الافہام'' میں اس مسئلہ کے تحت کہ آیا ہاشمیہ عورت کسی غیر ہاشمی مرد سے شادی کرسکتی ہے، دلیل کے طور پر لکھا ہے کہ:

و زوج النبی ابنته عثمان و زوج ابنته زینب بابی العاص بن الربیع ولیسا من بنی هاشم۔

''جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحب زادی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا اور دوسری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن الربیع سے کیا اور یہ دونوں بنی ہاشم میں سے نہ تھے۔'' (مسالک الافہام، الی تنقیح شرائع الاسلام: ص۵۳۲)

ملا باقر مجلسی جو شیعہ مذہب کے ستون سمجھے جاتے ہیں، لکھتے ہیں:

عیاشی روایت کردہ است کہ از حضرت صادق پرسیدند کہ آیا حضرت رسول دختر خود را بعثمان داد، حضرت فرمود بلیٰ۔ (حیات القلوب: ۲/۵۶۳)

''عیاشی نے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحب زادی کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا ہاں۔''

ملا باقر مجلسی ایک اور مقام پر مہاجرین حبشہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس یازدہ مرد و چہار زن خفیہ از اہل مکہ گریختند و بجانب حبشہ رواں شدند واز جملہ آنہا عثمان بود و رقیہ دختر رسول ﷺ کہ زن اُو بود۔'' (حیات القلوب: ۲/۲۹۴)

''پس اہل مکہ میں سے گیارہ مرد اور چار عورتوں نے خفیہ حبشہ کی جانب ہجرت کی اور ان میں سے ایک عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں جو ان کی اہلیہ محترمہ تھیں۔''

شیعہ مجتہد آقا شیخ عباس قمی لکھتے ہیں:

Marfat.com

وتزویج نمود فاطمہ رضی اللہ عنہا را بہ حضرت امیرالمومنین وزینب رضی اللہ عنہا را بابی العاص بن ربیع کہ از بنی امیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہا را بہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان و پیش از آنکہ بخانہ عثمان بردو برحمت الہی واصل شد وبعداز وحضرت رقیہ رضی اللہ عنہا را باو تزویج نمود۔

''اور آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا اور زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیع سے کیا جو بنی امیہ میں سے تھے اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے حبالۂ عقد میں آئیں اور قبل اس کے کہ وہ سیدنا عثمان کے گھر تشریف لاتیں، آپ انتقال کر گئیں اور اس کے بعد آپ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔''

(منتہی الآمال فی تواریخ النبی والآل: ۱/۱۰۰)

اس سلسلہ میں شیعہ مذہب کی کتابوں سے بہت سے حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہم طوالت کی وجہ سے انھی پر اکتفا کرتے ہیں۔ صاحب علم حضرات اس مسئلہ کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف مراجعت فرمائیں:

(اصول کافی مع شرح اصافی، کتاب الحجہ: ۳/۱۴۷، استبصار: ۱/۲۴۵، تہذیب الاحکام: ۱/۱۵۴، تحفہ العوام: ص ۱۲، احسن القصص: ص ۳۹۹، تاریخ آل امجاد: ص ۹، حیات القلوب: ۲/۳۳۰۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۸، نیز ملاحظہ فرمائیں، تاریخ الخلفاء: ص ۱۴۷۔ ۱۴۸، اصابہ: ۴/۴۹۷، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۹۹، ابن اثیر: ۳/۹۵)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

تاریخ کی روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں آنے سے قبل ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے بیاہی ہوئی تھیں اور جب آپ ﷺ نے دعوائے نبوت کیا اور ابولہب کے بارے میں قرآن حکیم کی سورت ﴿تبت یدا ابی لھب وتب﴾ نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو تمھارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے اس حکم کی تعمیل کی اور حضور ﷺ کی دونوں صاحب زادیوں کو طلاق دے دی۔ اگرچہ

Marfat.com

عتبہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور عتیبہ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دی لیکن عتیبہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کیا بلکہ طلاق دے کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا:

''میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی صاحب زادی کو طلاق دے دی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ پر حملہ کیا اور آپ ﷺ کا پیراہن مبارک چاک کر دیا۔ اس پر آپ نے اس کے حق میں بددعا فرمائی کہ:

((اللهم سلط عليه كلب من كلابك))

''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما۔''

چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا۔ راستہ میں مقام زرقاء میں اترا۔ ابولہب اور عتبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آیا۔ وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبا لیا۔ عتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ (زرقانی: ۳/۱۹۹)

اس واقعہ کے سلسلہ میں اگرچہ بعض روایات میں تزویج کا لفظ آتا ہے لیکن اس سے مراد صرف نسبت یا منگنی ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنی ان دونوں بیٹیوں کو ابولہب کے بیٹوں کے ساتھ منسوب کیا ہوا تھا اور طلاق سے مراد بھی صرف منگنی کا توڑ دینا ہے۔ کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کے بیٹوں سے منگنی اور نسبت کے وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر کوئی سات سال تھی اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی پانچ سال اور یہ منگنی قبل از بعثت ہوئی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت سے منسوخ ہو گئی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں اور سیدہ رضی اللہ عنہا اس وقت پیدا ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ کی عمر ۳۳ سال تھی۔

اس حساب سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا چونکہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے دو تین سال چھوٹی تھیں، اس لحاظ سے بعثت نبوت کے وقت ان تینوں صاحب زادیوں کی عمر بالترتیب حسب ذیل بنتی ہے:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ۱۰ سال سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ۷ سال، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۵ سال،

Marfat.com

اسی وجہ سے علماء نے اس تزویج کو منگنی پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاذا كانت اكبر هن بهذا السن فكيف تزوج من هو اصغر منها نعم ان ثبت ذالك يكون عقد نكاح الى حين يحصل التاهل فكان الفراق وقع قبل ذالك۔

''پس جب سب سے بڑی صاحب زادی کی یہ عمر ہے تو جو صاحب زادی ان سے چھوٹی تھی ان کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر تزویج ثابت ہو جائے تو اس سے مراد نسبت اور منگنی ہے جو متاہل زندگی گزارنے تک ہوتی ہے۔ پس یہ وقت آنے تک آپس میں جدائی ہوگئی۔'' (اصابہ:۴/۴۶۶)

خلاصہ یہ کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی نسبت اور منگنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئی تھی لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی اور رخصتی سے قبل ہی ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹوں سے طلاق دلوا دی اور ان دونوں صاحب زادیوں کی یکے بعد دیگرے شادی بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ مال و دولت اور خاندانی شرافت و نجابت کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایسی نکھری اور ستھری زندگی گزارتے اور اپنے اہل و عیال کو اتنی اچھی طرح رکھتے کہ بڑے لوگ ان سے ازدواجی رشتہ کے خواہش مند رہتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر ان سے فرمایا تھا:

''اگر میرے دس لڑکیاں ہوتیں تو ان سب کی (یکے بعد دیگرے) تم سے شادی کر دیتا۔'' (العقد الفرید ابن عبدربہ:۱/۷۸)

Marfat.com

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی تھیں۔ یہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ یہ اس زمانہ میں پیدا ہوئیں جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی عمر مبارک اس وقت ۳۵ سال تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۸/۱۱، الاصابہ: ۴/ ۳۶۵، تفسیر قرطبی: ۱۴/ ۲۴۱)

بعض حضرات کے نزدیک ان کی ولادت بعثت نبوی کے قریب ہوئی اور سرکار دو عالم ﷺ کی عمر مبارک اس وقت ۴۱ سال تھی۔ (الاصابہ: ۴/ ۳۶۵)

سیدہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی فاطمہ تھا اور القاب جو کتابوں میں آئے ہیں وہ ''زہراء'' اور ''بتول'' ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی چاروں صاحب زادیاں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔ ان کی پرورش اور تربیت رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمائی۔ سب سے چھوٹی صاحب زادی ہونے کے ناطے سرکار دو عالم ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی۔

کتابوں میں منقول ہے کہ ان کی چال ڈھال اپنے والد محترم جناب سرکار دو عالم ﷺ سے ملتی جلتی تھی۔ (مسلم: ۲/ ۲۹۰، الاستیعاب: ۴/ ۳۶۳)

اور بھی کئی عادات آپ ﷺ کے مشابہ تھیں جیسے صبر و تحمل اور نشست و برخاست وغیرہ۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مارأیت احداً اشبہ سمتاً و لاھدیاً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

''یعنی میں نے قیام و قعود، نشست و برخاست کے عادات و اطوار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ مشابہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔''

بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی گفتار و رفتار اور لب و لہجہ اپنے والد گرامی

Marfat.com

قدر سے بہت ملتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد قریش میں ایک ہل چل مچ گئی اور اسی گھبراہٹ میں انھیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعوتِ توحید کو روکنے کے لیے کیا کریں۔ آپ ﷺ کے پہاڑی کے وعظ کے بعد ابولہب نے جو نازیبا کلمات آپ ﷺ کی شان میں کہے تھے، حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی پرزور مذمت کی۔ جب ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کو قرآن حکیم کی اس مذمت کا علم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائی اور سرکار دو عالم ﷺ کو تلاش کرنے لگی۔ آپ اس وقت مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہ آپ کو ڈھونڈتی ہوئی مسجد الحرام میں آ گئی۔ یہ اپنی مٹھی میں پتھر لیے ہوئے تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی بصارت سلب کر لی۔ وہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑی تھی لیکن آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی۔ وہ صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ! تمھارا ساتھی کہاں ہے؟'' مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہماری مذمت کرتا ہے، مجھے لات وعزیٰ کی قسم! اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اس کے منہ پر پتھر دے ماروں گی۔ دیکھو، میں شاعرہ ہوں۔'' پھر اس نے آپ ﷺ کی مذمت میں یہ شعر پڑھا:

مذمماً عصینا　　　وامرہ ابینا　　　ودینہ قلینا

ہم نے مذمم کی نافرمانی کی، اس کے امر کو تسلیم نہ کیا، اور اس کے دین کو نفرت اور حقارت کے باعث چھوڑ دیا۔''

یہ شعر پڑھ کر وہ واپس چلی گئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں؟'' فرمایا: ''نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت سلب کر لی۔''

(سیرۃ ابن ہشام: ۱/۳۳۵)

ابوجہل اور ابولہب جیسے مفسدہ پرداز اور بدبخت لوگوں کے علاوہ عقبہ بن ابی معیط بھی اپنی شقاوت اور خباثت میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد ﷺ سجدہ میں جائیں تو ان پر ڈال دے؟'' کسی شخص نے اس کام کے لیے حامی نہ

Marfat.com

بھری۔ آخر قوم کا بدبخت ترین اور شقی ترین شخص عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس بدبخت نے آپ ﷺ کی پیٹھ اور دونوں کندھوں کے درمیان اس اوجھڑی کو ڈال دیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ ماجرا دیکھ رہا تھا لیکن میرے حالات اس زمانہ میں ایسے نہ تھے کہ میں آپ ﷺ کا تحفظ کر سکتا۔ کاش کہ میرے اندر آپ ﷺ کو بچانے کی استطاعت اور طاقت ہوتی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ بدبخت اور نابکار لوگ یہ کام کر کے ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ اِدھر یہ بدبخت ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور اُدھر شہنشاہ کونین ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے۔ سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ کی پیٹھ سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینکی۔ تب آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا۔ پھر تین مرتبہ فرمایا: "اللھم علیك بقریش" (اے اللہ! تو قریش کو پکڑ لے۔) جب آپ ﷺ نے یہ بددعا کی تو انھیں بہت گراں گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر مکہ میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے نام لے لے کر بددعا کی۔ ''اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف کو پکڑ لے۔'' ایک ساتویں شخص کا نام بھی لیا لیکن راوی کے ذہن سے وہ نام اتر گیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ﷺ نے لیے تھے، وہ سب کے سب جنگ بدر میں مارے گئے اور بدر کے کنویں میں پھینکے گئے۔

(بخاری: ۱/۵۴۳)

ہجرت:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ پھر کچھ مدت کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ بلانے کا انتظام کیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو

Marfat.com

ہم کو اور اپنی بیٹیوں (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہو گئے تو آپ ﷺ نے ہمارے منگوانے کے لیے انتظام فرمایا۔ چنانچہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے متعین فرمایا اور ان کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم عنایت فرمائے تاکہ ان کو آمد و رفت کے مصارف میں صرف کر سکیں۔ یہ درہم رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کیے تھے۔

دوسری طرف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اہل و عیال کو منگوانے کے لیے عبداللہ بن اریقط لیثی کو سواریاں دے کر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ اپنی والدہ (ام رومان رضی اللہ عنہا) اور اپنی بہنوں (عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا) کو ساتھ لائیں۔ جب یہ حضرات مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر ''قدید'' کے مقام پر پہنچے تو انھوں نے ضرورت کے مطابق سواریاں خریدیں اور پھر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس وقت وہ بھی ہجرت مدینہ کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ پس یہ تمام حضرات مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اور یہ تمام قافلہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا۔

(سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۰۹، البدایہ والنہایہ: ۳/۲۰۲)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تزویج:

علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت ان کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ تھی اور بعض حضرات کے نزدیک اٹھارہ سال تھی جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشہور قول کے مطابق اکیس سال تھی۔ (الاکمال فی اسماء الرجال: ص ۶۱۳ تفسیر قرطبی: ۱۴/۲۳۱)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کے لیے شرفائے قریش نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی۔ سرکار دو عالم ﷺ ان کی اس استدعا پر خاموش رہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خواستگاری کی درخواست کرنا چاہتے تھے لیکن اپنی تنگ دستی کے باعث آپ ﷺ سے کوئی بات نہ کر سکے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے

Marfat.com

فرمایا: اٹھو، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور ان کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کے لیے تیار کریں۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تنگ دستی مانع ہو تو ان کی امداد کریں۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو سراہا، چنانچہ یہ سب حضرات اٹھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر پر موجود نہ تھے بلکہ اپنا اونٹ لے کر ایک انصاری کے باغ میں آب کشی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ یہ تینوں حضرات اس باغ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیسے آنا ہوا؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ نیک خصائل ہیں، دوسرے لوگوں سے گوئے سبقت لیے ہوئے ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ سے نسبی رشتہ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ دوسروں سے قریب تر ہیں اور حضور ﷺ کی صحبت میں بھی ہمیشہ سے ہیں، لہٰذا آپ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری میں کون سا امر مانع ہے۔ میرا خیال ہے کہ خدا اور رسول ﷺ نے یہ رشتہ آپ کے لیے رکھا ہوا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمانے لگے: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم نے میرے غم کو تازہ کر دیا اور میرے سینہ کی پوشیدہ آرزو کو برانگیختہ کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مزید کہا:

کہ باشد کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا را نخواہد، ولیکن من باعتبار تنگ دستی شرم می کنم از آنکہ ایں معنی را اظہار نمائم۔

''کون شخص ہے جو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری کا خواہاں نہ ہو لیکن میں تنگ دستی اور فقر و فاقہ کی وجہ سے اس خواستگاری کے اظہار میں شرم محسوس کرتا ہوں۔''

چنانچہ ان تینوں حضرات نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بات پر راضی کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے کے لیے رضا مند کر لیا۔ اس غرض کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ کھولا۔ باغ سے واپس گھر تشریف لائے اور اونٹ باندھ کر اور جوتا پہن کر رسول اللہ ﷺ کے گھر چلے گئے۔ (جلاء العیون: ص ۳۱)

پھر یہی نہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خواستگاری پر ہی آمادہ کیا بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شادی کا سامان اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے جہیز خریدنے کے لیے روپیہ پیسہ سے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی۔ ملا باقر مجلسی نے ہی اپنی کتاب جلاء العیون میں اس کی تفصیل بیان کی ہے جو کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی

Marfat.com

زبانی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! اٹھو اور شادی کے مصارف کے لیے اپنی زرہ فروخت کر ڈالو۔ چنانچہ میں نے جا کر اپنی زرہ فروخت کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے دامن میں ساری رقم لا کر ڈال دی۔'' (جلاء العیون: ص ۱۲۶)

وہ زرہ آپ رضی اللہ عنہ نے کتنے میں فروخت کی اور کس کے ہاتھ فروخت کی؟ اس کی تفصیل سنیے: صاحب کشف الغمہ علی بن عیسیٰ الاربلی کے بیان کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم میں یہ زرہ فروخت کی۔ چنانچہ اس نے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے:

بعته باربع مأته دراهم۔ (کشف الغمہ: ۱/۳۵۹)

لیکن علامہ زرقانی نے قیمت فروخت ۴۸۰ درہم بتائی ہے۔ (زرقانی: ۲/۳)

اب رہا یہ سوال کہ زرہ کس کے ہاتھ فروخت کی۔ مؤرخین نے صاف صاف اور صریح الفاظ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے یہ زرہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی۔ فرماتے ہیں:

''جب میں نے درہم وصول کر لیے اور زرہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لے لی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے ابوالحسن! (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کنیت) میں تم سے زیادہ اس زرہ کا مستحق نہیں ہوں اور تو مجھ سے زیادہ ان درہموں کا مستحق ہے، لہٰذا یہ زرہ میری طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کو ہدیہ ہے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ زرہ اور درہم لے لیے اور دونوں چیزیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں، اور عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات کے بارے میں (کہ انھوں نے زرہ اور درہم دونوں مجھے دے دیے) میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ پس آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر کی۔ (کشف الغمہ: ۱/۳۵۹)

علامہ زرقانی نے بہت سی دعاؤں کا ذکر کیا:

فدعا لعثمان بدعوات۔ (زرقانی: ۲/۳)

زرہ کی رقم سے کیا کچھ خریدا گیا:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو زرہ کے بدلہ میں جو رقم ملی (ایک روایت کے

Marfat.com

مطابق چار سو درہم اور دوسری روایت کے مطابق ۴۸۰ درہم تھی) وہ آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دی۔ آپ ﷺ نے اس رقم سے ایک مٹھی بھر کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے خوشبو خرید کر لائے، اور اس رقم میں سے دو مٹھیاں بھر کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے مناسب کپڑے اور جہیز کا دوسرا مناسب سامان خرید کر لائیں۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا۔ یہ حضرات جو چیز بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے خریدتے، پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دکھاتے۔ اگر وہ پسند کرتے تو وہ چیز خریدی جاتی وگرنہ واپس کر دی جاتی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان حضرات نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرضی سے کیا کچھ خریدا۔ تاریخ کے رپورٹروں نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے:

''ایک قمیص، ایک اوڑھنی، ایک خیبری سیاہ چادر، ایک بنی ہوئی چارپائی، بستر کے دو گدے (ایک گدا کھجور کی چھال سے بھرا ہوا، اور دوسرا بھیڑ کی اون سے بھرا ہوا) اور اذخر (گھاس) سے بھرا ہوا ایک بالین، ایک اونی کپڑا، ایک چمڑے کا مشکیزہ، دودھ کے لیے لکڑی کا ایک پیالہ، ایک گھڑا اور چند مٹی کے کوزے۔''

بازار سے جب یہ سامان خریدا گیا تو سیدہ رضی اللہ عنہا کے اس جہیزی سامان کی کچھ اشیاء کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اٹھایا اور باقی اشیاء دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اٹھائیں جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے تھے۔ جب یہ سامان سرور کائنات ﷺ کے سامنے رکھا گیا تو آپ ﷺ نے ایک ایک چیز کو اٹھا کر ملاحظہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ دعا فرمائی:

خداوندا! مبارک گرداں ایں را بر اہل بیت من۔ (جلاء العیون: ص ۱۷۶)

''اے اللہ! میری اہل بیت پر ان چیزوں میں برکت عطا فرما۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا میں گواہی:

جب جہیز کا یہ سامان آ گیا تو خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ختمی مرتبت ﷺ نے مجھے فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ،

Marfat.com

طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور انصار کے چند حضرات کو بلا لاؤ۔"

جب یہ سب حضرات آ گئے تو جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان الله امرني ان ازوج فاطمة من علي بن ابي طالب، فاشهدوا اني قد زوجته)) (الریاض النضرۃ:۲/۲۴۱، بحار الانوار:۱۰/۲۷، کشف الغمہ:۱/۴۳۸)

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے کر دوں، پس تم سب گواہ رہو کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے اس سارے واقعہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی سلیم الفطرت انسان کے قلب میں یہ شائبہ بھی نہیں گزر سکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت نبوت کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ کدورت یا میل تھا۔ وہ تو سایہ نبوت میں اس طرح زندگی گزار رہے تھے جیسے ایک خاندان کے افراد آپس میں محبت و دل جمعی کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں۔ ان کے اختلافات کی روایات تو منافقین اور دشمنانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گھڑی ہیں جن کو بعض حضرات اپنے سیاسی اور فرقہ وارانہ مقاصد کے لیے زیب داستان کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حصہ:

یہ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جن کو دشمنان اہل بیت میں سے سمجھا جاتا ہے، نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ کردار ادا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان پر اعتماد تھا تبھی تو ان کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی خریداری کے لیے بھیجا اور نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں ان کو گواہ بنایا، اب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ماؤں یعنی امہات المومنین رضوان اللہ علیھن اجمعین کا رویہ ملاحظہ فرمائیں۔ کسی تاریخ کی نہیں حدیث کی کتاب ابن ماجہ میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے لیے تیاری کرو۔ یہ دونوں فرماتی ہیں کہ ہم نے وادیٔ بطحا سے مٹی منگوا کر رخصتی کے مکان کو لیپا پوتا، صاف کیا، پھر اپنے ہاتھوں سے کھجور کی چھال ٹھیک کر کے دو گدے تیار کیے۔ پھر کھجور اور منقیٰ

Marfat.com

سے خوراک تیار کی اور ٹھنڈا پانی مہیا کیا۔ پھر اس مکان کے ایک کونہ میں ایک لکڑی گاڑ دی تا کہ اس پر کپڑے اور مشکیزہ لٹکایا جا سکے۔ مائیں اپنی بیٹیوں کی رخصتی کے وقت جو کچھ کرتی ہیں وہی کچھ خلوص دل سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ان ماؤں نے بھی کیا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد فرمایا:

فما راينا عرساً احسن من عرس فاطمة۔ (ابن ماجہ: ص ۱۳۹)

''ہم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے بہتر اور کوئی شادی نہیں دیکھی۔''

یہ خوشی اور محبت کے جذبات ہیں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلے۔ کوئی دشمن اور غیر محبّ ایسے الفاظ منہ سے نہیں نکالتا بلکہ وہ تو اچھے کام میں بھی سو سو کیڑے نکالتا ہے۔

یہ تو تھی واقعہ کی صحیح ترجمانی جو محدث ابن ماجہ نے بیان کی۔ اب ان لوگوں کی زبان سے اس واقعہ کو سنئے جن کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بغض وعناد بھرا ہوا ہے۔ جن کو ان کے نام تک لینا گوارا نہیں۔ ابو جعفر طوسی نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا کہ نبی اکرم ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد امہات المومنین رضوان اللہ علیھن اجمعین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کون کون یہاں موجود ہیں؟

''سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہوں، یہ زینب ہے اور یہ فلاں فلاں ہے۔'' (امالی شیخ ابو جعفر طوسی: ۱/۴۰)

اب اس فلاں فلاں سے کون مراد ہیں؟ اس سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں، لیکن راوی کے دل میں ان کے بارے میں بغض وعناد کی آگ بھری ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادیاں ہیں، لہٰذا وہ ان کے نام تک لینا گوارا نہیں کرتا۔ یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے فرقہ واریت کو ہوا دی ہے وگرنہ وہ لوگ تو آپس میں سب ایک سیر وشکر تھے۔

کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی آپس میں بہت محبت ومودت تھی۔ امہات المومنین رضوان اللہ علیھن اجمعین سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت شفقت ومحبت فرماتی تھیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی اتنی ہی عزت و

Marfat.com

احترام فرماتی تھیں جتنا ایک ماں کی جاتی ہے۔ چنانچہ کتابوں میں ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے پاس تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن موجود تھیں۔ اتنے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی چال اپنے والد محترم کے عین مطابق تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو فرمایا: ''مرحبا، اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر ان کے کان میں آہستہ سے کچھ فرمایا اور وہ بے ساختہ رونے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پریشانی اور غمگینی کو دیکھ کر دوبارہ ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ مسکرانے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سرگوشی کے بارے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ میں اپنے ابا کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس حق کی بنا پر جو میرا تجھ پر ہے یعنی ماں ہونے کے ناطے میں تجھ سے پوچھتی ہوں کہ وہ کون سی بات تھی جو رسول اللہ ﷺ نے تیرے کان میں کہی تھی؟ جواب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اب میں وہ بیان کرتی ہوں، جب حضور ﷺ نے پہلی دفعہ میرے کان میں کچھ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ عنقریب میں اس دنیا سے انتقال کر جاؤں گا۔ تم صبر کرنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ میں تیرے لیے عمدہ اور بہترین پیش رو ہوں۔ میں یہ بات سن کر رونے لگی۔ پھر میری پریشانی دیکھ کر دوسری بار سرکار دو عالم ﷺ نے دوبارہ میرے کان میں فرمایا: ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو سب عورتوں کی سردار بنے۔'' اس پر میں مسکرانے لگی جیسا کہ آپ نے دیکھا۔ (مسلم: ۲/۲۹۰، الاستیعاب لابن عبدالبر: ۴/۳۶۳)

اسی صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اے میری پیاری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیوں نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا تو عائشہ سے محبت کر۔'' (مسلم: ۲/۲۸۵، نسائی: ۲/۷۸)

اندازہ فرمایئے کہ سرکار دو عالم ﷺ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت و مودت کی تلقین فرما رہے ہیں، اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے انتہاء درجہ کی شفقت

Marfat.com

فرماتی ہیں اور یہاں تاریخ کے دروغ گو اور دروغ باف رپورٹر یہ بتا رہے ہیں کہ خاندانِ نبوت اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن آپس میں برسرِ پیکار تھیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ جن سے اللہ کا رسول محبت کرے ان سے خاندان نبوت محبت نہ کریں۔ اور سب جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ مردوں میں سب سے زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو محبوب جانتے تھے اور عورتوں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ صاحب ''روضۃ الصفا'' نقل کرتے ہیں:

''ایک سفر میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے سپہ سالار تھے۔ اس جماعت میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ سیدہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ان دونوں سے زیادہ نیک بخت اور دوست سمجھتے ہیں، تبھی تو مجھے اس جماعت کا سپہ سالار بنایا ہے۔ اپنے اس خیال کو حضور ﷺ سے تصدیق کرانے کے لیے پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کس کو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں؟ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کو، میں نے پوچھا نہیں، مردوں میں سے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: اس کے باپ کو۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد کس کو؟ فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو۔''

(تاریخ روضۃ الصفا:۲/۳۸۰)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بارے میں اس قدر موضوع اور غلط قسم کی روایات بنائی گئی ہیں جن کا ذکر کرنا ان کی شخصیت اور ان کے فضائل و مناقب کے خلاف ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

وقد وردت احادیث موضوعة فی تزویج علی بفاطمة لم تذکر رغبة عنها۔

(البدایہ والنہایہ:۶/۳۳۲)

''یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تزویج کے بارے میں بہت سی جعلی اور موضوع روایات کتابوں میں ملتی ہیں، ہم ان سے اعراض برتتے ہوئے انھیں اپنی کتاب میں ذکر نہیں کرتے۔''

اسی طرح نکاح کے علاوہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت نبوت کے بارے میں کچھ لوگوں نے موضوع روایات بنائی ہوئی ہیں جن کو بیان کر کے وہ اپنی مجالس کی رونق میں

Marfat.com

اضافہ کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پہلے دو داماد سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متمول اور امیر آدمی تھے۔ ان کی گھریلو زندگی نہایت پرسکون تھی، لیکن ان کے مقابلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہایت قلاش تھے۔ ایک اونٹ تھا جس سے لوگوں کے باغوں کو جا کر پانی دیتے اور اس کے بدلہ میں چند کھجوریں مل جاتیں جن پر ان کا گزارا تھا۔ پہلے تو یہ اکیلے تھے لیکن اب ازدواجی زندگی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بوجھ بھی ان پر آن پڑا تھا۔ مگر گھر میں وہی غربت ناچ رہی تھی۔ اس وجہ سے کتابوں میں مرقوم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں اور یہ بات انھوں نے برسر منبر کہی کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے میرا نکاح ہوا تو حالت یہ تھی کہ ہمارے پاس رات کو سونے کے لیے ایک بکری کی کھال تھی۔ رات کو یہ ہماری خواب گاہ ہوتی اور دن کو اسی پر ہم اپنے اونٹ کو چارہ ڈالتے تھے۔"

(سنن سعید بن منصور: ۱۵۴/۳، طبقات ابن سعد: ۱۳/۸)

خانگی کاموں کی تقسیم کار:

ازدواجی زندگی میں خانگی امور کی تقسیم کار ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسی غلط تقسیم کار کے باعث آج یورپ اور امریکہ میں خاندانی نظام تلپٹ ہوا ہوا ہے، اور خاندانی نظام کی ابتری کے باعث ان کی پوری معاشرتی زندگی تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قبل ازیں خانگی زندگی کا کوئی تجربہ نہیں تھا، اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے بارے میں تقسیم کار کچھ یوں فرمائی کہ "فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کا تمام کام کاج انجام دیں گی جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیرون خانہ کے فرائض انجام دیں گے۔ (حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی: ۱۰۴/۶)

ایک اور روایت جو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بیرون خانہ کی تمام ضروریات میں پوری کروں گا جب کہ گھر کے اندر کے تمام معاملات اور امور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کفایت کریں گی۔ آٹا پیسنا، آٹا گوندھنا اور روٹی پکانا وغیرہ۔ (سیر اعلام النبلاء: ۹۱/۲، الاصابہ: ۳۹۸/۴)

Marfat.com

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جتنا عرصہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں زندہ رہیں، معاشی طور پر انھوں نے نہایت تنگ دستی کی زندگی گزاری کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مالی حالت نہایت کمزور تھیں بلکہ ان کی دوسری بہنیں اپنے گھروں میں خوش حالی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کئی کئی روز تک فاقہ سے رہتیں، چکی پیستے پیستے ہاتھوں کو چھالے پڑ گئے، پانی ڈھوتے ڈھوتے تھک جاتیں۔ اسلام کا ابتدائی دور تھا، ابھی اتنی فتوحات نہ ہوئی تھیں۔ بعض دفعہ جو فتو حالت ہوتیں ان میں غلام اور لونڈیاں مال غنیمت میں آ جاتیں جو مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں کچھ غلام اور لونڈیاں آئیں۔ اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بطور مشورہ کہا کہ آپ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خادم یا لونڈی کا مطالبہ کریں جو خانگی امور میں آپ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ بٹائے۔ مشورہ اچھا تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں لیکن اس وقت کچھ اور لوگ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس لیے سیدہ رضی اللہ عنہا واپس آ گئیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض نہ کر سکیں۔ سرکار دو عالم ﷺ سمجھ گئے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کسی کام کے لیے آئی تھیں۔ اس لیے ان لوگوں سے فراغت کے بعد سرکار دو عالم ﷺ خود سیدہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی گھر میں موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے آنے کا سبب دریافت کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو حیاء کے باعث خاموش رہے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام خود کرتی ہے، چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ پانی لانے کے لیے مشکیزہ خود اٹھاتی ہے جس سے آپ رضی اللہ عنہا کے نازک جسم پر نشان پڑ گئے ہیں۔ آپ ﷺ کے پاس کچھ خُدّام اور لونڈیاں آئی ہیں۔ میں نے ہی سیدہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا کہ آپ ﷺ سے ایک خادم کا مطالبہ کریں تاکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے سہولت کا باعث ہو۔

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی بات ختم کر چکے تو سرکار دو عالم ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''بیٹی! تمھیں اپنے خانگی فرائض خود انجام دینے چاہئیں۔ میں تمھیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں جس وقت رات کو آرام کرنے لگو تو اسے پڑھ لیا کرو۔ ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر۔ یہ کل کلمات سو بنتے ہیں۔ یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہیں۔ یہ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے راضی ہوں۔''

(ابوداؤد: ۲/۶۴، بخاری: ۱/۴۳۹، ۲/۸۰۷، مسند احمد: ۱/۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۷)

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی زندگی زاہدانہ اور مشقت بھری تھی۔ بعض دفعہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا لباس بھی نہایت مختصر ہوتا تھا۔ (ابوداؤد: ۲/۲۱۳) لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا اپنی زندگی کے ایام نہایت صبر و شکر سے گزارتی تھیں۔ نہ کسی سے گلہ نہ شکوہ اور نہ ہی کسی کو دیکھ کر دل میں حسرت پیدا ہوتی تھی۔ واقعی خاتون جنت تھی۔ کبھی کبھی میاں بیوی کے درمیان گلہ شکوہ ہو جاتا جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ دنیا کی زیب و زینت کو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی اولاد بھی دنیا کے ٹھاٹھ باٹھ اور زیب و زینت کو یک قلم ناپسند کرتی تھی۔ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ تشریف لائے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں ایک منقش پردہ لٹکا رکھا تھا جس پر کئی قسم کے نقوش اور پردے بنے ہوئے تھے۔ آپ دروازہ پر کھڑے رہے اور اندر تشریف نہ لے گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ جب آپ ﷺ دروازے پر رک گئے تو میں نے آپ ﷺ سے رکنے کا سبب پوچھا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''نبی ﷺ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ایسے مکان میں داخل ہو جو مزین اور منقش بنایا گیا ہو۔'' (مشکوٰۃ: ص ۲۷۷)

غزوۂ احد میں خدمات:

میدان احد میں جب اسلامی لشکر فتح و نصرت سے ہم کنار ہو کر دنیا کی تاریخ کے اوراق پر اپنی تابناک فتح کے نقش ثبت کر رہا تھا، تو درّہ پر متعین تیر انداز دستہ کی اکثریت نے ایک ایسی خوفناک غلطی کی جس نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور اسلامی لشکر کا اتنا نقصان اور قائد اسلام ﷺ کو اس قدر تکلیف پہنچی جو نا قابل بیان ہے، اور مسلمانوں کی وہ ہیبت اور دبدبہ جو جنگ بدر کی فتح کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا، کافی حد تک جاتا رہا۔

اب دشمن نے جو اسلامی لشکر پر یلغار کی اس یلغار کا مقصد بلا شک و شبہ صرف شمع رسالت کو بجھانا تھا، لہٰذا وہ سرکار دو عالم ﷺ پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور جاں نثارانِ نبوت ذات اقدس کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھے اور ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے۔ بخاری کی روایت کے مطابق ایک لمحہ ایسا بھی آیا جب صرف دو صحابی آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے رہ

Marfat.com

گئے۔ ان میں ایک سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھوں نے تاریخ عالم میں اپنی نادر الوجود جانبازی کی مثال قائم کر دی، لیکن حضور ﷺ شدید زخمی ہوئے۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیط رضی اللہ عنہا زخمیوں کے لیے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائیں۔ ابا کو دیکھا کہ چہرہ مبارک کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ اس کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرنے دے رہے اور خون کو کپڑوں پر لے رہے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھوئے، لیکن خون تھمتا نہیں تھا۔ چنانچہ چٹائی کا ایک ٹکڑا لایا گیا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔ (زرقانی:۲/۳۹ رواہ البخاری والطبرانی)

سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ سرور کائنات ﷺ کا زخم کس نے دھویا؟ پانی کس نے بہایا اور علاج کس چیز سے کیا گیا؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا زخم دھو رہی تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی بہا رہے تھے۔ جب سیدہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی کی وجہ سے خون بڑھتا ہی جاتا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور زخموں پر چپکا دیا جس سے خون رک گیا۔ (بخاری:۲/۵۸۴)

دینی مسائل کی تعلیم:

سرکار دو عالم ﷺ ایک معلم بھی تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ ﷺ جیسے دوسرے لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے تھے ویسے ہی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اولاد کو بھی دینی مسائل بتاتے تھے جو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ قربانی کا موقع تھا، آپ ﷺ نے اپنی صاحب زادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم اپنی قربانی کے ذبح ہونے کے وقت اس کے پاس کھڑی رہو اور اس کو دیکھو۔ نیز فرمایا کہ قربانی کے خون کے ہر قطرہ کے بدلے میں گناہ معاف ہوتے ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ مسئلہ میرے لیے خاص ہے؟ یا تمام مسلمانوں کے لیے ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے لیے اور سب

Marfat.com

مسلمانوں کے لیے ہے۔'' (فتح الربانی: ۵۹/۱۳)

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے قربانی کے گوشت کی بابت دریافت کیا گیا کہ وہ بچا کر رکھنا چاہیے یا نہیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے سرکار دو عالم ﷺ نے قربانی کا گوشت بچا کر رکھنے سے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں بچا کر رکھنے کی اجازت دے دی۔ ہوا یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کسی سفر سے گھر تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قربانی کا پکا ہوا گوشت پیش کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس کے کھانے سے کیا سرکار دو عالم ﷺ نے منع نہیں فرمایا تھا؟ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہی مسئلہ خود سرکار دو عالم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کا گوشت سال بھر کھایا جا سکتا ہے۔'' (مسند امام احمد بن حنبل: ۲۸۲/۶)

اسی مسند امام احمد میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب سرکار دو عالم ﷺ مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے:

((صل علی محمد وسلم وقال اللهم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك))

''یعنی رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام ہو اور اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور اپنی رحمت کا دروازے میرے لیے کھول دے۔''

اور آپ ﷺ جب مسجد سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے:

((صل علیٰ محمد وسلم، ثم قال اللهم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك))

''یعنی نبی کریم ﷺ پر درود و سلام ہو، پھر فرماتے اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور اپنے فضل کے دروازے میرے لیے کھول دے۔'' (مسند احمد: ۲۸۶/۶)

رسول اللہ ﷺ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آپ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی تھیں اور چھوٹی اولاد سے والدین کو اکثر و بیشتر زیادہ محبت ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ دوسری یہ کہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک سیدہ رضی اللہ عنہا کی خانگی زندگی بڑی مشقت آمیز رہی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کئی کئی دن تک فاقے بھی برداشت کیے کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاشی حالات اچھے نہیں تھے اور سیدہ اپنی اولاد سے محبت کے ناطے نہایت صبر و شکر کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزار رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں یہ سب کچھ تھا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا جب بھی سرکار دو عالم ﷺ کے پاس

Marfat.com

تشریف لاتیں تو آپ ﷺ اس کی رعایت خاطر کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور پیار کرنے کے لیے سیدہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اور اس کو محبت و شفقت سے بوسہ دیتے اور جہاں آپ ﷺ بیٹھے ہوتے وہاں سیدہ کو بٹھاتے۔ اور جب سرکار دو عالم ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تو سیدہ رضی اللہ عنہا احتراماً کھڑی ہو جاتیں، آپ ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دیتیں اور اپنی نشست پر بٹھاتیں۔ (مشکوٰۃ: ص۴۰۲، بحوالہ ابوداؤد)

ایک دفعہ دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک کام کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اس کام کے بارے میں آپ ﷺ سے گفتگو ہوئی جس کے لیے سیدہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا گیا تھا۔ گفتگو کے دوران کسی بات پر سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

ای بنية! ألست تحبين ما أحب، قالت بلیٰ، وقال احبی هذه ......الخ

''اے میری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی جس سے میں محبت رکھتا ہوں، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیوں نہیں، میں اسے محبوب رکھتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت رکھنا۔'' (مسلم: ۲/۲۸۵، نسائی: ۲/۷۸)

معلوم ہوا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ام المومنین ہونے کے ناطے لازماً احترام کرتی تھیں، پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے ان کو مزید تاکید کر رکھی تھی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محبت کا رویہ اور حسنِ سلوک رکھنا۔

میاں بیوی میں شکر رنجی:

میاں بیوی جو ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں، ان کے درمیان گاہے بہ گاہے شکر رنجی اور کسی بات پر ناراضگی بھی ہو جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ فتح مکہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا۔ اس بات کی اطلاع کسی طریقہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی ہو گئی۔ آپ رضی اللہ عنہا سخت کبیدہ خاطر اور ناراض ہو کر اپنے والد محترم جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلی آئیں اور تمام ماجرا آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ آپ کو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس بات سے رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس بارے میں خطبہ ارشاد فرمایا: ''فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا

Marfat.com

ٹکڑا ہے جس نے اس کو ایذا دی اس نے گویا مجھ کو ایذا دی یا اس کو ایذا پہنچانا گویا مجھ کو ایذا پہنچانا ہے۔ نیز فرمایا: "مجھے اندیشہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غیرت کی وجہ سے اپنے دین کے معاملہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔ اور جو چیز فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بری لگے وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ اور پھر بنی عبد شمس میں سے اپنے داماد (ابوالعاص) کا ذکر فرمایا کہ میں نے ان کو اپنی دختر نکاح کر کے دی تھی، اس نے میرے ساتھ جو بات کی وہ سچ کر دکھائی، اور جو وعدہ کیا اسے پورا کیا، نیز فرمایا کہ میں اپنی طرف سے حلال کو حرام نہیں کرتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہ ہوں گی۔ روایت کرنے والے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ناراضگی کی یہ صورت پیدا ہوگئی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ (بخاری: ۱/ ۴۳۸، ۵۲۸، ۲/ ۷۸۷)

شکر رنجی کے یہ واقعات سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کئی مرتبہ پیش آئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دونوں کے مابین رنجیدگی ہوگئی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ بیٹی کی بات سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بیٹی! اپنے خاوند کی اطاعت کرنی چاہیے، اور یہ سمجھ لے کہ ایسی کون سی عورت ہے کہ جس کے پاس اس کا شوہر خاموشی سے چلا آئے؟ اس کو تنبیہ وغیرہ کا حق ہوتا ہے۔" (طبقات ابن سعد: ۸/ ۶۱، الاصابہ: ۴/ ۳۹۸)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو سید عالم ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کیوں ناراض ہوئے؟ یہ واقعہ فتح مکہ یعنی سنہ ۸ھ کے بعد پیش آیا اور ان ایام میں رسول اللہ ﷺ کی ساری بیٹیاں انتقال فرما چکی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا صرف اکیلی رہ گئی تھیں۔ (فتح الباری: ۹/ ۲۷۰، ۷/ ۶۹)

امام زرقانی نے لکھا ہے کہ ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ خطبہ کا واقعہ فتح مکہ کے بعد پیش آیا اور اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی کوئی صاحب زادی زندہ موجود نہ تھی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی ماں کے بعد اپنی بہنوں کے انتقال کی مصیبت بھی اٹھا چکی تھیں۔ پس اس وقت سوکن کی وجہ سے اذیت اٹھانا اور غیرت سے کڑھنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غم و الم کی زیادتی کا باعث تھا۔ (زرقانی: ۳/ ۲۰۵)

Marfat.com

دختر ابوجہل کے اعمام (چچے) جن کو بنی ہشام بن مغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک کا نام حارث بن ہشام اور دوسرے کا نام سلمہ بن ہشام تھا، ان کے ہاں جا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ (منگنی) کی گفتگو کی۔ یہ دونوں بھائی سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا عرض کیا اور اپنی بھتیجی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینے کی اجازت چاہی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی بات سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہو کر بار بار ارشاد فرمایا کہ میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ پھر اس مسئلہ پر آپ ﷺ نے لوگوں کو ایک مستقل خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ میں نے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی نکاح کر کے دی اور اس نے ہمارے ساتھ بڑا اچھا معاملہ کیا۔ اس نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا اس کو اس نے پورا کیا۔ گویا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک کی تحسین و تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا کہ میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ نیز فرمایا: ''فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو چیز اس کو ایذا دیتی ہے وہ میرے لیے بھی ایذا کا باعث ہے۔ مزید فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فطری غیرت کے باعث دین کے معاملہ میں کسی آزمائش و ابتلاء میں پڑے یعنی غیرت و غضب کی بنا پر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو شریعت کے مطابق نہ ہو۔

(بخاری: ۲/ ۷۸۷، ۱/ ۴۳۸، فتح الباری: ۹/ ۲۷۰، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۳۳، فتح الباری: ۷/ ۶۹)

آپ ﷺ کے اس خطبہ سے ایک تو یہ پتہ چلا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پہلے داماد سیدنا ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتۂ دامادی کے معاملات نہایت اچھے تھے۔ تبھی تو آپ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی، اور رسول اللہ ﷺ کو پوری زندگی ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا اور نہ آپ ﷺ سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ پر کبھی ناراض ہوئے۔

اس خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایذا کا باعث ہے وہ آپ ﷺ کے لیے بھی ایذا کا باعث ہے۔

اسلام میں بعض مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق آپ ﷺ کی ذات اقدس سے خاص ہے۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کی موجودگی

Marfat.com

میں ان پر کوئی سوکن نہ لانا خصائص نبوی ﷺ میں سے ہے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے:

والذی یظہرلی انہ لایبعد فی خصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لایتزوج علی بناتہ۔ (فتح الباری: ۹/۲۷۰)

ایسا ہی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الخصائص الکبریٰ: ۲/۲۵۵ پر لکھا ہے یعنی یہ چیز کچھ بعید نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی صاحب زادیوں کے نکاح پر کسی دوسرے نکاح کا عدم جواز رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

یہ واقعات شیعہ کتابوں میں موجود ہیں۔ اس لیے ان کا انکار کوئی نہیں کرسکتا ہے۔

وفاتِ نبوی ﷺ سے قبل سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رازدارانہ گفتگو:

حجۃ الوداع سے فراغت اور دین کے مکمل ہونے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

((ان عبداً من عباد اللہ خیرہ اللہ بین الدنیا والآخرۃ و بین ماعندہ فاختار ماعندہ))

''لوگو! بے شک اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور آخرت اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرے، لیکن اللہ کے اس بندے نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں کو اختیار کیا۔''

یہ بات کہہ کر آپ ﷺ تو خاموش ہو گئے لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ رسول اللہ ﷺ تو یہ سب کچھ اپنے ہی بارے میں فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ تو اب اس دنیا کو چھوڑنے والے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحیح سمجھا تھا اور چند روز کے بعد واضح ہو گیا کہ جس بندہ کو اختیار دیا گیا وہ کوئی اور نہ تھا بلکہ خود سرکار دو عالم ﷺ تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔ (بخاری: ۱/۵۱۶)

رسول اللہ ﷺ ۱۳ یا ۱۴ روز بیمار رہے۔ مرض کی شدت کے باوجود وفات سے چار روز پہلے تک تمام نمازیں خود ہی مسجد میں جا کر پڑھاتے تھے۔ اس روز بھی مغرب کی نماز مسجد میں پڑھائی اور سورۃ المرسلات پڑھی۔ (بخاری: ۲/۶۳۷) لیکن پھر اس کے بعد بیماری کی

Marfat.com

شدت سے مسجد میں جانے کی سکت نہ رہی۔ چنانچہ بعد والی نمازیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پڑھاتے رہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیر کے روز بظاہر طبیعت میں کچھ سکون محسوس ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز فجر میں مصروف تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر مسجد میں نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں مصروف ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ مسلم میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں اس قدر ضُعف تھا کہ پردہ بھی اچھی طرح نہ گرا سکے۔ (مسلم: ۱/۱۶۷) یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رُخِ انور کی زیارت کی۔ چہرۂ انور کا یہ حال تھا کہ گویا مصحف کا ایک ورق تھا یعنی بالکل سفید ہو گیا تھا۔ (مسلم: ۱/۱۶۷)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز فجر سے فارغ ہو کر سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اب کچھ سکون اور افاقہ ہے، اور جو بے چینی طبیعت میں پہلے تھی وہ اب نہیں رہی کیونکہ اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں بہت کرب اور بے چینی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کرب اور بے چینی کو دیکھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بے ساختہ پکار اٹھیں ”ہائے ابا جان کی تکلیف اور بے چینی۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ”تمھارے ابا کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ (بخاری: ۲/۶۴۱)

بعض روایات میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو اپنے پاس بٹھایا اور ان کے کان میں کچھ کہا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا بے ساختہ رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی غمگینی دیکھ کر دوبارہ ان کے کان میں کچھ کہا تو سیدہ رضی اللہ عنہا مسکرانے لگیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مجلس سے جانے کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہا کے کان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رازدارانہ بات کا ہرگز افشاء نہیں کرنا چاہتی۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس حق کی قسم دلا کر بات کی جو میرا اُن پر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا مجھے ضرور وہ بات بتائیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پہلی دفعہ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے کان میں سرگوشی کی تو فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ایک دفعہ آ کر قرآن حکیم مجھے سناتے ہیں اور مجھ سے سنتے ہیں اور اس سال دو بار مجھے انھوں نے قرآن مجید سنا اور سنایا ہے۔ میں اس سے یہی خیال کرتا ہوں کہ میری وفات قریب آ گئی ہے۔ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اللہ سے ڈرتی رہنا اور صبر اختیار کرنا، میں تیرے لیے بہترین پیشرو ہوں گا۔ پس میں یہ سن کر رونے لگی کہ ابا کی جدائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے میری گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر دوبارہ میرے کان میں فرمایا: ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ تم اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو؟''

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ اسی مرض میں، میں اللہ تعالیٰ کی طرف رحلت کر جاؤں گا۔ چنانچہ میں رونے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے میرے کان میں کہا: ''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! تو میرے اہل بیت میں سے پہلی شخصیت ہو گی جو میرے پیچھے آئے گی۔'' یہ سن کر میں مسکرانے لگی۔ (مشکوٰۃ: ص ۵۶۸، متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد اظہار تاسف کے طور پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ''اے ابا ﷺ! آپ ﷺ نے اپنے رب کی دعوت قبول فرما لی، اے ابا ﷺ! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہو گا، اے ابا ﷺ! ہم جبریل علیہ السلام کو آپ ﷺ کے انتقال کی خبر دیتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے مراحل طے ہوئے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کے دفن کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واپس ہوئے تو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا اور ازراہِ تحسر وافسوس سوال کیا کہ:

یا انس! اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب (بخاری: مشکوٰۃ: ص ۵۴۷، سنن الدارمی: ص ۴۳)

''اے انس! رسول اللہ ﷺ کے جسدِ اطہر پر مٹی ڈالنا تم لوگوں کو کس طرح اچھا لگا۔''

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک وصیت فرمائی:

((اذا انامت فلا تخمشی علیّٰ وجهها ولا ترخی علی شعراً ولا تنادی بالویل ولاتقیمی علی نائحة)) (فروع کافی: ۲/ ۲۲۸، معانی الاخبار شیخ صدوق: ص ۱۱۱)

''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا جب میں انتقال کر جاؤں تو اپنے بال نہ نوچنا، بال نہ کھولنا، واویلا نہ کرنا اور نہ خود نوحہ کرنا اور نہ نوحہ گروں کو بلانا۔''

ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب: ۲/۸۵۲ پر بھی یہ روایت ابن بابویہ قُمی کی سند سے نقل کی ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور شروع ہوا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بطور سفیر اور نمائندہ کے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا اور متروکاتِ نبوی ﷺ میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ اس سلسلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے:

''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ ارادہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجیں اور ان کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے متروکات میں سے اپنی میراث مانگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔'' (بخاری: ۲/۹۹۵)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی کتابوں میں مرقوم ہے کہ انھوں نے اپنی میراث کا مطالبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ چنانچہ بخاری میں سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی خالہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس صدقات مدینہ، فدک اور خمس خیبر کا مطالبہ میراث کے طور پر کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لانورث ماترکنا صدقة))

''ہم انبیاء کی وراثت جاری نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں

Marfat.com

وقف اور صدقہ ہوتا ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا: ''آل محمد ﷺ اس مال میں سے کھا سکتی ہے اور جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے زمانہ میں اپنی آل کے لیے اس مال میں سے خرچ کرتے تھے ہم بھی اسی طرح اس پر عمل کریں گے اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کریں گے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، انھوں نے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد کہا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! ہم آپ کی فضیلت اور شرافت کا اعتراف کرتے ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس قرابت کا بھی ذکر کیا جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی اور ان کے حقوق کا بھی ذکر کیا۔

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، رسول اللہ ﷺ کی قرابت اور رشتہ داری مجھے اپنی قرابت داری سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔'' (بخاری: ۱/۵۲۶)

بخاری: ۲/۵۷۶ میں ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس قسم کا مطالبہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ روایت: ۱/۲۸۹ پر نقل کی ہے۔

بعض حضرات کی طرف سے زیادہ تر فدک کو زیر بحث لایا جاتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث نبوی ﷺ خصوصی طور پر ''فدک'' سے محروم کر دیا۔ یہ اعتراض سراسر غلط ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ''

دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے انتقال فرماتے وقت کیا چھوڑا تھا۔ ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سیدنا عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا اور نہ کوئی دینار، نہ کوئی غلام اور نہ کوئی باندی اور نہ کوئی اور شے سوائے ایک خچر بیضاء کے اور اپنے ہتھیار اور کچھ زمین جو آپ ﷺ اپنی زندگی میں صدقہ کر گئے۔'' (بخاری: ۱/۳۸۲)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علالت:

سرکار دو عالم ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمائے چند ماہ ہوئے تھے کہ سیدہ

Marfat.com

فاطمہ رضی اللہ عنہا علیل ہوگئیں۔ علالت کے ان ایام میں آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ اگر میرے بعد آپ رضی اللہ عنہ شادی کرنا چاہیں تو میری بھانجی امامہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لینا۔ یہ وصیت کئی علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کی ہے۔ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے:

''جب سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا جوان ہوگئیں تو ان سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد شادی کی کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ آپ ان کے ساتھ شادی کر لینا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق ان سے شادی کی۔''

(اسد الغابہ: ۵/ ۴۰۰، فروع کافی: ۲/ ۲۴۳)

کتابوں میں لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نہایت مغموم رہتی تھیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت ۲۸ یا ۲۹ سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس جو اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں، آتی تھیں، کتاب الامالی میں ہے کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے معاملہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی معاونت کرتی تھیں، اور یہ کام سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے آخری اوقات تک انجام دیا۔'' (کتاب الامالی: /۱۰۷)

سیدہ رضی اللہ عنہا کی علالت کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کرتے رہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیدہ کی علالت کے بارے میں پوچھتے رہتے۔ بالآخر سرکار دو عالم ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد چند روز بیمار رہ کر ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۱ھ منگل کی رات ۲۸ یا ۲۹ سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا ہمیشہ کے لیے اس دار فانی کو چھوڑ گئیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کی آخری اولاد تھیں۔ اب اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غم والم میں مبتلا کر دیا۔ یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی نشانی تھیں۔ ان کے انتقال سے سرکار دو عالم ﷺ کی نسبی نشانی ختم ہوگئی۔ اب صرف آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن باقی رہ گئی تھیں۔ لہٰذا ہر صحابی رسول ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ ان کے جنازہ میں شریک ہوکر ثواب دارین

Marfat.com

حاصل کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب کے بعد اور عشاء سے قبل ہوا تھا۔ اس مختصر وقت میں جو حضرات موجود تھے وہ اکٹھے ہو گئے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کو وصیت کی تھی کہ آپ مجھے بعد از وفات غسل دیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کی معاونت کریں۔ چنانچہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے آپ کے غسل کا انتظام کیا۔ ان کے ساتھ غسل کی معاونت میں بعض اور بیبیاں بھی شامل ہو گئیں جیسے ابو رافع رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمیٰ اور سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا وغیرھا جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس سارے انتظام کی نگرانی کرتے رہے۔

(اسد الغابہ: ۵/ ۴۷۸، البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۳۳)

یہ جو بعض موضوع روایات میں آتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال سے قبل ہی غسل کر لیا تھا اور یہ وصیت کی تھی کہ انتقال کے بعد انھیں غسل نہ دیا جائے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے:

ضعیف لایعول علیه، الله اعلم (البدایہ والنہایہ: ۶/ ۳۳۳)

''یہ ضعیف ہے، ان باتوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ:

سیدہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آگے تشریف لا کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ خلیفۂ رسول ﷺ ہیں۔ میں آپ کی موجودگی میں جنازہ پڑھانے کے لیے پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ یہ آپ ہی کا حق ہے۔ لہٰذا آپ آگے تشریف لائیں اور نماز جنازہ پڑھائیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور چار تکبیروں کے ساتھ سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی۔

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۹، کنز العمال: ۶/ ۳۱۸ تحت فضل الصدیق)

ریاض النضرۃ میں محب الطبری نے سیدنا جعفر صادق سے نقل کیا ہے اور وہ اپنے

Marfat.com

والد سیدنا باقر رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ اپنے والد سیدنا زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب اور عشاء کے درمیان ہوا۔ ان کی وفات پر ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ جب نماز جنازہ کے لیے جنازہ سامنے رکھا گیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے تشریف لائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابوالحسن! کیا آپ کی موجودگی میں؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ آگے تشریف لائیں، اللہ کی قسم! آپ کے بغیر کوئی دوسرا شخص فاطمہ رضی اللہ عنہا پر جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات ہی کو سیدہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر دیا گیا۔ (ریاض النضرۃ:۱/۱۵۶)

سیدہ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں رات کے وقت دفن کیا گیا اور نماز جنازہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ (طبقات ابن سعد: ۸/۱۹)

دفن کے لیے قبر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اترے۔ (الاصابہ: ۴/۳۵۴)

یہ جو بعض روایات میں بیان کیا جاتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں، اس وجہ سے ان کو سیدہ رضی اللہ عنہا کے دفن کی اطلاع نہیں دی گئی اور وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوئے، یہ سب روایات ناقابل اعتبار اور دشمنانِ صحابہ کی اختراع کردہ ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیرۃ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' میں بیان کر دی ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سب سے پہلی زوجہ محترمہ تھیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی موجودگی میں دوسری شادی ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے کرنا چاہی لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات تک دوسری شادی نہ کی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جو اولاد ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

ایک صاحب زادہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ دوسرا صاحب زادہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور تیسرا

Marfat.com

صاحب زادہ سیدنا محسن جو صغرسنی ہی میں فوت ہو گیا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ۵ شعبان سنہ ۴ھ میں ہوئی۔ (نسب قریش: ص ۲۴) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مشہور روایت کے مطابق آپ کی دو صاحب زادیاں تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹیوں کے نام اپنی بہنوں کے نام پر رکھے تاکہ ان کی یاد تازہ رہے۔ چنانچہ بڑی بیٹی کا نام بڑی بہن کے نام پر زینب رکھا جو سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار کی زوجہ محترمہ تھیں اور دوسری بیٹی کا نام بھی اپنی بہن کے نام پر ام کلثوم رکھا جس کا نکاح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنہ ۱۷ھ میں ہوا تھا جب وہ امیر المومنین تھے۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد بھی دی۔ (نسب قریش: ص ۲۵)

Marfat.com

اُمّ المؤمنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ

نام ونسب:

نام سودہ رضی اللہ عنہا تھا، قبیلہ عامر بن لوئی سے تعلق تھا جو قریش کا ایک معروف ومعزز قبیلہ تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔ (عیون الاثر: ۲/۳۹۳)

ماں کی طرف سے سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

الشموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

(الطبقات الکبریٰ: ۸/۵۲، جمہرۃ انساب العرب: ص ۱۶۷، انساب الاشراف: ۱/۴۰۷، اسد الغابہ: ۷/۱۵۷)

شموس کی والدہ خواجہ عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی تھی۔ اس وجہ سے بنونجار سے تعلق تھا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام الاسود تھی۔

(تہذیب الاسماء والصفات: ۲/۳۴۸، التحفۃ اللطیفہ، سخاوی: ۱/۴۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں آنے سے قبل سکران بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ سکران اُن کے والد کے چچازاد بھائی تھے اور سہیل بن عامر بن لوئی اور سہیل اور حاطب اور سلیط کے بھائی تھے۔ یہ سارے کے سارے اصحاب رسول ﷺ تھے۔

(عیون الاثر: ۲/۳۹۳)

Marfat.com

نکاح:

ابتداء میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان کے شوہر نے بھی دعوت اسلام پر لبیک کہا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس لحاظ سے دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام ہیں، ہجرت حبشہ اولیٰ کے وقت تو دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہے اور کفار مکہ کی سختیاں جھیلتے رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچے تو مہاجرین کی ایک بہت بڑی تعداد حبشہ کی ہجرت پر آمادہ ہوگئی۔ چنانچہ ۸۶ مردوں اور ۱۷ عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو بھی تھے۔

(ابن ہشام: ۱/ ۱۱۱، عیون الاثر: ۱/ ۱۱۶، ۲/ ۳۹۳)

کئی برس گزارنے کے بعد جب سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو ان کے خاوند سکران رضی اللہ عنہ کا مکہ میں انتقال ہو گیا۔ (عیون الاثر: ۲/ ۳۹۳، جوامع السیرۃ لابن حزم: ص ۶۶)

ایک روایت یہ ہے کہ سکران رضی اللہ عنہ کا انتقال مکہ میں نہیں بلکہ حبشہ میں ہوا۔ یہ موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کا قول ہے۔ (اسد الغابہ: ۲/ ۴۱۲)

حریمِ نبوت ﷺ میں داخلہ:

سکران رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد یہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ایک روایت کے مطابق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرا نکاح ان سے کیا۔

(عیون الاثر: ۲/ ۳۹۳)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال سے سرکار دو عالم ﷺ نہایت غمگین و پریشان تھے کیونکہ وہ ہر مشکل وقت میں آپ ﷺ کی غم خواری اور غم گساری کیا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی اہلیہ محترمہ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو ایک مونس و غم گسار رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ آپ ﷺ کے ایماء سے وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد ماجد کے پاس گئیں۔ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ نے آپ پر خیر و برکت کے

Marfat.com

دروازے کھول دیئے ہیں۔" انھوں نے کہا وہ کیا؟ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا " مجھے رسول اللہ ﷺ نے تیری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تجھے ان کی طرف سے شادی کا پیغام دوں۔" سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ " مجھے منظور ہے لیکن آپ میرے والد کے پاس جائیں اور انھیں یہ بات بتائیں۔"

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کے پاس گئی جو نہایت بوڑھے تھے اور انھیں جاہلیت کے طریقہ کے مطابق "انعم صباحا" کہہ کر سلام کیا۔

انھوں نے پوچھا: کون ہے؟

میں نے جواب دیا: خولہ رضی اللہ عنہا

انھوں نے کہا: مرحبا، کیسے آئی ہو؟

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: " محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے آپ کی بیٹی کے لیے شادی کا پیغام دیا ہے۔" انھوں نے کہا: " ہاں محمد (ﷺ) کریم کفو ہیں (ھو کفو کریم) لیکن تیری سہیلی سودہ رضی اللہ عنہا کیا کہتی ہے؟"

خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اسے یہ پیشکش قبول ہے۔

غرض اس طرح سب مراتب طے ہو گئے۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام خود وہاں تشریف لے گئے۔ سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم زر مہر مقرر ہوا۔

نکاح کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن زمعہ جو اس وقت دولت ایمان سے محروم تھے آئے اور انھیں یہ معلوم ہوا کہ سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا ہے۔ یہ سن کر انھیں بہت افسوس ہوا اور اپنے سر میں خاک ڈال لی۔ بعد میں جب وہ دولت اسلام سے مشرف ہوئے تو ساری زندگی اپنی اس حماقت پر افسوس کرتے رہے۔

(المعجم الکبیر: ۳/۲۴، مجمع الزوائد: ۲۴۶/۹، مسند احمد: ۲۱/۶)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے قبل سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے اسی کو صحیح کہا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۳۱/۳)

عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول بھی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا۔

Marfat.com

اس بارے میں ابن شہاب زہری کے دو قول ہیں۔ کتاب کے شروع میں ہم نے ترتیب کے بارے میں جو بحث کی ہے وہاں ملاحظہ فرما لی جائے اور مختلف حضرات کے اس بارے میں جو اقوال ہیں ان کے بارے میں ملاحظہ ہو: اسد الغابہ: ۵/ ۱۵۷، تہذیب الاسماء والصفات للنووی، مرشد المختار الی خصائص المختار ﷺ لابن طولون الدمشقی: ص ۹۲۵۶۔

علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۶۱ میں زہری کا ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی مدینہ طیبہ میں ہوئی لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب سکران رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں تو انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سامنے سے آ رہے ہیں اور انھوں نے آ کر ان کی گردن کو چھوا ہے۔ یہ خواب انھوں نے اپنے خاوند سکران رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا اگر تمھارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں انتقال کر جاؤں گا اور تیرا نکاح سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوگا۔ پھر ایک اور رات انھوں نے خواب دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں اور ان پر چاند ٹوٹ کر گرا ہے۔ یہ خواب بھی انھوں نے اپنے خاوند سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر تمھارا یہ خواب سچا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں تھوڑے عرصہ کے بعد انتقال کر جاؤں گا۔ چنانچہ اسی روز سکران رضی اللہ عنہ بیمار پڑے اور تھوڑے دنوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوگئی۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۵۶)

عام حالات:

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے عام حالات کوئی اتنے زیادہ کتابوں میں مذکور نہیں۔ نبوت کے تیرھویں سال میں جب سرکار دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں سے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ چنانچہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لے آئے۔ ان کے آنے سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے رہنے کے لیے ایک مکان تیار کروالیا تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی مدینہ طیبہ آ گیا اور یہاں کچھ عرصے کے بعد

Marfat.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوگئی۔ اب حریم نبوت میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، ایک بوڑھی عورت اور دوسری جوان عورت تھی۔ دونوں میں بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مزاح بھی ہوتا اور چھیڑ چھاڑ بھی ہوتی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز وہ ہمیں ملنے کے لیے تشریف لائیں۔ جب وہ آ کر بیٹھیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے اور میرے درمیان بیٹھ گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک پاؤں میری طرف تھا اور دوسرا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی طرف۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حریرہ بنایا ہوا تھا۔ میں نے سودہ رضی اللہ عنہا کو بھی کھانے کی پیشکش کی، لیکن انھوں نے کھانے سے انکار کیا۔ میں نے کہا کہ یا تو آپ رضی اللہ عنہا حریرہ کھائیں وگرنہ میں آپ رضی اللہ عنہا کے منہ پر مل دوں گی لیکن سودہ رضی اللہ عنہا نے پھر بھی کھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ میں نے پلیٹ میں سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے منہ پر مل دیا۔ انھوں نے بھی تھوڑا سا حریرہ لے کر میرے منہ پر مل دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت ہنسے۔

(نسائی فی عشرۃ النساء، حدیث: ۳۱، تحفۃ الاشراف: ۱۲/۳۶۱، ابویعلی: ۴/۲۸۵، مجمع الزوائد: ۴/۳۱۶، کتاب العیال لابن ابی الدنیا، حدیث: ۵۶۷)

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں آگے پیچھے آئی تھیں۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب بوڑھی ہوگئیں تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں سرکار دوعالم ﷺ مجھے طلاق نہ دے دیں اور وہ شرفِ صحبت اور شرف زوجیت سے محروم نہ ہو جائیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ قیامت کے روز آپ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن میں سے اٹھیں۔ چنانچہ انھوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس پر راضی ہو گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس پیشکش سے خوش ہو گئیں۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر: ۴/۱۸۶۷، ورواہ البیہقی بعض الفاظہ عن الامام الشافعی، السنن الکبریٰ: ۷/۷۴)

ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کی کھال میں آنا اس سے زیادہ پسند نہیں کیا جتنا سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کی کھال میں آنا (جنھوں نے اپنی ساری زندگی گوشہ نشینی اور عبادت میں کاٹ دی۔ کسی جھگڑے سے واسطہ نہیں رکھا اور نہ مرد سے سروکار

Marfat.com

بلکہ اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی۔ گویا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آرزو کی کہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے طریق اور خصلت پر ہوتیں) جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو انھوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخش دی اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی باری کا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔

(مسلم، حدیث: ۱۴۶۳، نسائی فی عشرۃ النساء، حدیث: ۴۸، تحفۃ الاشراف: ۱۲/۱۲۴، ابن سعد: ۸/۵۴، بخاری ہبۃ المرء بغیر زوجہا، حدیث: ۲۵۹۳)

حافظ ابن القیم قدس سرہ نے لکھا ہے کہ یہ ان کے خصائص میں سے تھا کہ انھوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ یہ جذبۂ ایثار ان کا اس وجہ سے تھا تاکہ وہ اس محبوبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بارگاہِ نبوت میں تقرب حاصل کریں۔ (جلاء الافہام: ص ۱۸۲)

۱۰ھ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا۔ اس موقع پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں، اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہ سکتی تھیں بلکہ سست رفتار تھیں لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے سے قبل ان کو جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ وہ لوگوں سے پہلے مزدلفہ روانہ ہوگئیں کیونکہ انھیں بھیڑ میں چلنے سے تکلیف ہوتی تھی۔

(بخاری، حدیث: ۱۶۸۰۔۱۶۸۱، مسلم، حدیث: ۱۲۹۰، نسائی: ۵/۲۶۲)

وفات:

ایک مرتبہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بارگاہِ رسالت میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سب سے پہلے کون وفات پائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس کے ظاہری معنی سمجھے اور آپس میں ہاتھ ناپنے شروع کیے۔ سب سے بڑا اور لمبا ہاتھ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ لیکن جب سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے آپ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھا۔ (کشف الاستار: ۳/۲۴۳)

بہرحال واقدی نے ان کا سن وفات عہد خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شوال ۵۴ھ بتایا

Marfat.com

ہے کہ مدینہ طیبہ میں شوال ۵۴ھ میں انتقال فرمایا۔

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۵۷ وقال الواقدی وہذا الثابت عندنا: ۸/ ۵۵)

لیکن مشہور اور ثقہ لوگوں کی روایت یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اخیر میں مدینہ طیبہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ (الاستیعاب: ۴/ ۱۸۶۷، الاصابہ: ۷/ ۴۲۱، انساب الاشراف: ۱/ ۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی اس لیے خیال ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی یہ تاریخ الخمیس میں بھی روایت ہے اسی پر سب کا اتفاق ہے اور یہی صحیح ہے۔ (زرقانی: ۳/ ۲۶۲)

اولاد:

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا سیدنا سکران رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ انھوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (زرقانی: ۳/ ۲۶۰) دوسرا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ آپ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

خصائص وفضائل:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ دراز قد اور فربہ اندام تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس نے انھیں دیکھا، اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں (کیونکہ دوسری عورتوں سے بلند و بالا تھیں)۔ (بخاری: ۲/ ۷۰۷)

زرقانی اور دیگر علماء نے بھی لکھا ہے کہ وہ دراز قد تھیں۔ (زرقانی: ۳/ ۲۵۹)

آپ رضی اللہ عنہا کی مرویاتِ حدیث:

حریمِ نبوت میں رہنے کی وجہ سے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دن رات ارشادات نبوت سے مستفید ہوتی تھیں۔ لیکن حدیث کی کتابوں میں ان سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

Marfat.com

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق:

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اخلاق نبوت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ اطاعت و فرمانبرداری تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا: ''میرے بعد گھر میں بیٹھنا، سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اس فرمان پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لیے بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب رسول خدا ﷺ کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد کئی حج کیے لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ نے آپ کے انتقال کے بعد کوئی حج نہیں کیا اور برابر گھر میں بیٹھی رہیں بلکہ فرمایا کرتی تھیں:

''بخدا! رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی۔''

(مسند احمد: ۶/۳۲۴، مسند ابو یعلی: ۶/۳۴۰، مجمع الزوائد: ۳/۲۱۴)

جود و سخا اور فیاضی میں بھی ان کا ایک خاص مقام تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں۔ درہم و دینار سے انھیں کوئی محبت نہ تھی۔ جو کچھ آتا تھا اس کو راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھیجی۔ لانے والے سے پوچھا: ''اس میں کیا ہے؟'' انھوں نے کہا درہم۔ فرمانے لگیں کھجور کی طرح درہم بھی اب تھیلی میں بھیجے جانے لگے؟۔ یہ کہہ کر وہ سارے کے سارے اللہ کے راستے میں تقسیم کر دیئے۔

(طبقات ابن سعد: ۸/۵۶، الاصابہ: ۷/۷۲۱، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۶۹)

سیدہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت میں ظرافت و مزاح کا عنصر بھی تھا۔ کبھی کبھی اس انداز سے چلتیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے کہنے لگیں کہ کل رات میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس قدر دیر تک رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا، اس لیے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر مسکرا

Marfat.com

دیئے۔ (طبقات ابن سعد: ۵۴/۸، الاصابہ: ۲۱/۷ وقال الحافظ ہذا مرسل ورجالہ الصحیح)

اس ظرافت اور مزاح کے ساتھ طبیعت میں کچھ تیزی اور حدت بھی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بہت معترف تھیں، لیکن فرمایا کرتی تھیں کہ وہ بہت جلد غصے میں آ جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لیے صحرا میں جا رہی تھیں۔ راستہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مل گئے۔ چونکہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دراز قد تھیں اس وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پہچان لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا باہر نکلنا اچھا نہیں لگتا تھا اور وہ نبی اکرم ﷺ کے حضور پردہ کی تحریک بھی کر چکے تھے لہٰذا بولے: سودہ رضی اللہ عنہا! میں نے تمھیں پہچان لیا۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات ناگوار گزری اور نبی اکرم ﷺ کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری: ۲۶/۱)

ترمذی اور طبرانی وغیرہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ انھیں طلاق نہ دے دیں۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ اپنے ہاں رکھیں۔ میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیتی ہوں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

(النساء: ۴: ۱۲۸)

"پس کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔"

(ابوداود الطیالسی، حدیث: ۲۶۸۳ من طریقہ اخرجہ الترمذی فی التفسیر، حدیث: ۲۰۴۳، وقال حسن صحیح غریب وحسن اسنادہ الحافظ فی الاصابہ: ۲۰/۷، المعجم الکبیر: ۲۸۴/۱۱، ۳۲/۲۴، السنن الکبریٰ البیہقی: ۲۹۷/۷ ویشہد لہ الذی بعدہ)

اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سودہ رضی اللہ عنہا بن زمعہ جب بوڑھی اور عمر رسیدہ ہو گئیں تو انھیں اندیشہ ہو گیا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ انھیں اپنے سے جدا نہ کر دیں۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میری

Marfat.com

باری عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس عرض داشت کو قبول فرمالیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ م بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ۴:۱۲۸)

''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بد دماغی یا بے پروائی کا ہو۔ سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔''

(ابوداؤد، باب فی القسم بین النساء، حدیث: ۲۱۳۵، المستدرک حاکم: ۲/۱۸۶، صححہ و وافقہ الذہبی، طبقات ابن سعد: ۸/۵۳، تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۷۵، الدر المنثور: ۲/۷۱۰)

Marfat.com

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام عائشہ رضی اللہ عنہا، لقب صدیقہ، خطاب ام المومنین، کنیت ام عبداللہ، سرکار دو عالم ﷺ نے حمیرا اور بنت الصدیق کے لقب سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ جن روایات میں حمیرا کا لفظ آیا ہے وہ سنداً صحیح نہیں ہیں۔

(ملاحظہ ہو کشف الخفاء مزیل الالتباس مما اشتہر علی السنۃ الناس، احمد عطاء حلبی: ۱/۳۷۴)

باپ کی طرف سے نسب نامہ حسب ذیل ہے:

عائشہ بنت عبداللہ بن ابی قحافہ (عثمان) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک۔

بعض حضرات نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ اور عتیق لکھا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ نام تو عبداللہ تھا لیکن عتیق لقب تھا۔ (الاصابہ: ۴/۱۷۵۔۱۷۱)

ماں کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبدشمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

گویا سیدہ رضی اللہ عنہا باپ کی طرف سے قریشیہ تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔ اس نسب نامہ کی رو سے سیدہ کا نسب سرکار دو عالم ﷺ سے باپ کی جانب سے ساتویں آٹھویں پشت پر اور ماں کی طرف سے گیارھویں بارھویں پشت پر مل جاتا ہے۔

Marfat.com

عرب میں کنیت کو شرافت کا نشان سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے ہر مرد اور عورت اپنی کنیت ضرور رکھتی تھی۔ چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اولاد کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوئی تھیں اس وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ کے فرمان کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر ''ام عبداللہ'' رکھی۔ چنانچہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ میری کنیت کیوں نہیں رکھتے؟'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تم اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔''

(صفۃ الصفوۃ لابن جوزی: ۲/۵۱، عن عباد بن حمزہ، الادب المفرد للبخاری، حدیث: ۸۵۱، المعجم الکبیر، طبرانی: ۲۳/۱۸، طبقات ابن سعد: ۸/۶۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو میں انھیں گود میں اٹھا کر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے کر آئی۔ آپ ﷺ نے ان کے منہ پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور یہ پہلی چیز تھی جو پیدا ہونے کے بعد ان کے پیٹ میں گئی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''یہ عبداللہ ہے اور تو اُم عبداللہ۔''

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، حدیث: ۷۰۷۳، وتتمۃ: فما زلت اکنی بہا وما ولدت قط)

اسی سلسلہ میں ابوبکر بن خیثمہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''یا رسول اللہ ﷺ! میری تمام سہیلیوں کی تو کنیتیں ہیں، آپ ﷺ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرما دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو بھی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام سے اپنی کنیت رکھ لے۔ چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی جو آپ کی وفات تک رہی۔

(مسند احمد: ۶/۱۰۷۔۲۶۰، ابوداود، حدیث: ۴۹۷۰ مسند ابویعلی: ۴/۲۹۴، المعجم الکبیر طبرانی: ۲۳/۱۸، الآداب، بیہقی، حدیث: ۶۱۸، عمل الیوم واللیلہ لابن سنی، حدیث: ۴۱۶، مستدرک حاکم: ۴/۲۷۸)

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا اور وہ بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔ اس کے نام پر سیدہ رضی اللہ عنہا نے

Marfat.com

اپنی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی۔

(اخرجہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلہ، حدیث: ۱۱۶ واعزاہ السہیلی فی الروض الانف: ۴/ ۲۶۷ والزرکشی فی الاجابتہ: ص ۳۰)

لیکن یہ روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کیا ہے۔

(ہذا ما قالہ ایضاً الحافظ ابن حجر العسقلانی فی الاصابہ: ۸/ ۱۸، وانظر البدایہ والنہایہ: ۸/ ۹۵ وزاد المعاد: ۱/ ۱۰۶، والسخاوی فی القول البدیع: ص ۱۱۸)

پیدائش اور نکاح کے وقت عمر:

سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا (والدہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا۔ عبداللہ کی وفات کے بعد وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کی دو اولادیں ہوئیں۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں پیدا ہوئیں اور بعض پانچویں سال کے آخر میں ان کا پیدا ہونا لکھتے ہیں۔ مشہور روایات کے مطابق ان کی پیدائش کا سن یہی بتایا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے کے مؤرخین اور اصحاب سیر نے بھی یہی لکھا ہے اور ہم بھی بادل نخواستہ پہلے اسی کے قائل تھے، لیکن دل و دماغ میں ہر وقت یہی خلجان رہتا تھا کہ اتنی چھوٹی عمر میں سیدہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہو گیا ہے کیونکہ اگر پیدائش اس سن میں تسلیم کی جائے تو پھر نکاح کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال بنتی ہے، لیکن واقعاتی شہادتوں اور قوی قرائن اس بات کا ساتھ نہیں دیتے کہ نکاح کے وقت سیدہ کی عمر چھ سال تھی۔ بلکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ بوقت نکاح سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر سولہ سترہ سال تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ راوی سے ''عشرۃ'' کا لفظ درج کرنا رہ گیا ہے۔ وہ کون سی واقعاتی شہادتیں اور قوی قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت نکاح سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر سولہ سترہ سال تھی، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

① روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علاتی بہن سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

Marfat.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۱۰ سال بڑی تھیں (اکمال فی اسماء الرجال: ص ۵۵۸) امام ذہبی نے بھی عبدالرحمن بن ابی الزناد کا قول نقل کیا ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۵۲)

ایسا ہی حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب: ۴/۲ پر لکھا ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال عمر میں بڑی تھیں۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہجرت کے وقت سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۷ سال تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

"ولدت قبل الهجرة بسبع عشرين سنة۔"

"وہ ہجرت سے ۲۷ سال قبل پیدا ہوئیں۔" (الاصابہ: ۴/۲۲۵)

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ ۷۳ھ میں ان کا انتقال ہوا اور انتقال کے وقت ان کی عمر سو سال تھی۔ (الاستیعاب علی الاصابہ: ۴/۲۲۵)

علامہ ابن اثیر نے بھی اسد الغابہ: ۵/۳۹۲ پر لکھا ہے کہ ہجرت سے ۲۷ سال قبل پیدا ہوئیں۔ ۱۷ آدمیوں کے بعد ایمان لائیں اور ۷۳ھ میں وفات پائی۔ ایسا ہی حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ (البدایہ والنہایہ تذکرہ عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ)

اب جبکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر ہجرت کے وقت ۲۷ سال تھی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اس بہن سے دس سال چھوٹی تھیں تو صاف ظاہر ہے کہ ہجرت کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر سترہ سال بنتی ہے۔

(۲) دوسری دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہمارے ارباب سیر اور مؤرخین نے بلکہ بخاری کی بعض روایات میں بھی یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ۴ یا ۵ ہجری میں پیدا ہوئیں لیکن اس بات کی تردید خود اصحابِ سیر نے ایک دوسری روایت میں کر دی اور بتا دیا کہ سیدہ کی عمر ہجرۃ نبوی کے وقت ۱۷۔۱۸ سال تھی۔ اس سے کم نہ تھی۔ چنانچہ ابن ہشام نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" میں ۱ سنہ نبوی میں جو حضرات ایمان لائے ان کی جو فہرست دی ہے اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی مرقوم ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

Marfat.com

"ثم اسلم ابو عبیدہ بن الجراح واسماء بنت ابی بکر و عائشہ بنت ابی بکر وھی یومئذ صغیرۃ۔"

"پھر سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ اور سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان ایام میں چھوٹی تھیں۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۱/۳۵۴، عیون الاثر: ج ۱)

ابن ہشام کے علاوہ علامہ قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے:

"قال ابن سعد اول امراۃ اسلمت بعد خدیجۃ ام الفضل زوج العباس واسماء بنت ابی بکر و عائشہ اختھا" (مواہب اللدنیہ: ص ۴۶)

ایسا ہی اس کی شرح زرقانی کے ص ۲۴۶ پر مرقوم ہے، لیکن یہاں بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام کے ساتھ بریکٹ میں یہ لکھا ہے کہ "اس وقت وہ چھوٹی تھیں۔" (وھی صغیرۃ) یہی بات کئی اور مؤرخین نے بھی لکھی ہے۔

اب جب ۱ھ نبوی میں ایمان لانے والوں میں ایک نام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی ہے اگرچہ یہ بھی ساتھ لکھ دیا کہ وہ ان دنوں چھوٹی تھیں تو اس سے دو امور ثابت ہوئے۔

(الف) ۱ھ نبوت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا ہو چکی تھیں، لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی پیدائش ۴ یا ۵ نبوت میں ہوئی وہ سراسر غلط ہے۔

(ب) دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس زمانہ میں اتنی تھی کہ وہ ایمان لانے اور نہ لانے کے معاملہ کو بخوبی سمجھ سکتی تھیں۔ اگر ایمان لانے کے وقت ان کی عمر ۵ سال بھی تسلیم کر لی جائے تو ہجرت نبوی کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال بنتی ہے اور ہجرت سے ایک سال بعد یعنی شوال ۱ھ میں ان کی عمر ۱۹ سال بنتی ہے جو کہ ایک بالغ اور شادی کے قابل عورت کی عمر ہے۔

(۳) ہماری تیسری دلیل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی اداسی اور پریشانی کی زندگی نظر آنے لگی، کیونکہ سیدہ

Marfat.com

خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسے مونس و غم خوار کا چلے جانا ایک داعی کے لیے ایسا ہوتا ہے جیسے غموں کے پہاڑ اس پر گر پڑے ہوں۔ باہر لوگوں کی اذیتیں اور گھر میں مونس و غم خوار کی عدم موجودگی اور اس پر مستزاد یہ کہ تین چھوٹی بچیاں جن کے سر پر ماں کی شفقت کا کوئی سائبان نہیں، آپ ﷺ کے لیے ایک بہت بڑی پریشانی کا باعث تھا۔ چنانچہ ایک روز آپ ﷺ اسی حزن و ملال کے عالم میں گھر میں تشریف فرما تھے کہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو اس طرح غمزدہ دیکھ کر کہنے لگیں! یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کب تک بغیر بیوی کے رہیں گے؟ آپ ﷺ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ ﷺ نے خولہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ بات سن کر فرمایا کہ کس سے نکاح کروں؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اگر آپ ﷺ بیوہ چاہتے ہیں تو وہ بھی موجود ہے اور اگر کنواری کی خواہش ہے تو وہ بھی موجود ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیوہ کون ہے اور کنواری کون؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: بیوہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور کنواری ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ دونوں کو جا کر میرا پیام دو۔''

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ پہلے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئی اور ان کی اہلیہ محترمہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے کس قدر بھلائی اور بہتری کا سامان بہم پہنچایا۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا: ''وہ کیا؟'' میں نے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کی صاحب زادی عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ اپنے لیے مانگا ہے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہیں تھے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: ''خولہ! تھوڑی دیر انتظار کرو، ابوبکر رضی اللہ عنہ آتے ہی ہوں گے۔'' چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی وہی کچھ کہا جو ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میری یہ بات سن کر نہایت تعجب ہوا اور انھوں نے نہایت حیرانی سے یہ سوال کیا کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ یہ تو ان کی بھتیجی ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ بات سن کر میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور ان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کے بارے میں عرض کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نسبی بھائی کی بیٹی حرام ہوتی ہے دینی بھائی کی بیٹی حرام نہیں ہے، لہٰذا عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح میرے ساتھ ہو سکتا ہے۔ میں پھر واپس ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور انھیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے مطلع کیا۔ یہ جواب سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''خولہ رضی اللہ عنہا! ٹھہرو میں ابھی آرہا ہوں۔'' اور باہر تشریف لے گئے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدھے مطعم بن عدی کے گھر گئے۔ مطعم بن عدی مکہ کا ایک رئیس تھا۔ ذاتی طور پر ایک شریف آدمی تھا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف سے واپس تشریف لائے تو مکہ کے قریب کوہ حراء کے دامن میں ٹھہر گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزاعہ کے ایک آدمی کے ذریعے اخنس بن شریق کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے لیکن اخنس نے یہ کہہ کر پناہ دینے سے معذرت کر دی کہ میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اخنس کے انکار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کے پاس پیغام بھجوایا لیکن اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ بنی عامر کی دی ہوئی پناہ بنو کعب پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھجوایا۔ مطعم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا جواب اثبات میں دیا اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے بیٹوں اور قبیلہ کے لوگوں کو بلایا اور کہا: تم لوگ ہتھیار باندھ کر خانہ کعبہ کے گوشوں میں جمع ہو جاؤ کیونکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد مطعم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے اندر آجائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ پیغام ملا تو آپ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ میں داخل ہوئے اور سیدھے مسجد حرام تشریف لے گئے۔ مطعم نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ''اے اہل قریش! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے دی ہے، اب ان سے کوئی تعرض نہ کرے۔'' ادھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے حجر اسود کے پاس تشریف لے گئے۔ اسے بوسہ دیا پھر دو رکعت نماز پڑھی اور گھر تشریف لے آئے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور اس کے لڑکوں نے ہتھیار بند ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد حلقہ باندھے رکھا تا آنکہ آپ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ (ابن ہشام: ۱/۹۱۴_۴۲۲، زاد المعاد: ۲/۴۶ وغیرہ)

یہ واقعہ ہم نے جملہ معترضہ کے طور پر صرف اس لیے بیان کیا ہے تاکہ پتہ چلے کہ مطعم بن عدی کافر ہونے کے باوجود ایک شریف النفس انسان تھا۔ اپنی اس ذاتی شرافت ہی

Marfat.com

کی وجہ سے اس نے آپ ﷺ کو پناہ دی۔ آپ ﷺ نے بھی اس کے اس حسن سلوک کو کبھی فراموش نہ فرمایا۔ چنانچہ بدر میں جب کفار مکہ کی ایک اچھی خاصی تعداد قیدی ہو کر آئی اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لیے ان کے بیٹے جبیر بن مطعم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، اور وہ مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو رہا کر دیتا۔''

(بخاری: ۲/۳/۵۷۳، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''سیرۃ خاتم النبیین ﷺ'')

اس شریف النفس شخص کے بیٹے جبیر بن مطعم سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وعدہ کیا ہوا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے باعزت اور شریف انسان کے لیے وعدہ خلافی ایک جرم کے مترادف بات تھی۔ دوسرے معطم بن عدی ابھی تک کفر کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے بیٹے جبیر سے اپنی شبنم کی طرح صاف اور پوتر بیٹی کا نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے وہ مطعم بن عدی کے گھر گئے۔ اس وقت مطعم اور اس کی بیوی دونوں گھر میں موجود تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم سے کہا کہ مجھے اس رشتہ کے بارے میں آخری بات بتا دو۔ مطعم تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر کچھ نہ بولا، مگر اس کی بیوی نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں کہا: کہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر میں آجائے گی تو ہمارا لڑکا بے دین ہو جائے گا، اس وجہ سے بھی ہم اس رشتہ کی تکمیل سے ڈر رہے ہیں۔ مطعم کی بیوی کا یہ جواب سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم کو مخاطب کر کے کہا کہ تمھاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ مطعم نے جواب دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو میری بیوی کہہ رہی ہے وہ تو تم سن ہی رہے ہو، گویا اس طریقہ سے مطعم نے اپنی بیوی کی بات کی تصدیق کر دی اور اس رشتہ کی تکمیل سے انکار کر دیا۔

میاں بیوی کا یہ جواب سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے اٹھ کر چلے آئے۔ گھر آ کر خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ دو کہ میں اس رشتہ سے راضی ہوں۔ چنانچہ اس طریقہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ کا نکاح ہو گیا۔

(مسند احمد: ۶/۲۱۱، ورواہ الطبرانی برجال ثقات والبیہقی سند حسن)

Marfat.com

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ نکاح سے قبل مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم کے ساتھ منگنی ہو چکی تھی یا پھر نکاح ہو چکا تھا۔

② جبیر بن مطعم اس وقت ایک جواں سال آدمی تھا اور اس کے جواں سال ہونے پر بخاری کی یہ روایات ایک بین دلیل ہیں کہ جبیر بن مطعم ہجرت کے وقت اس سازش میں شریک تھا جو قریش نے سرکار دو عالم ﷺ کے قتل کے بارے میں دارالندوہ میں تیار کی تھی۔ (السيرة النبويه ابن هشام: ۴۸۱/۱) پھر یہ روایت بھی ہمارے اس دعویٰ کو اور زیادہ پختہ کرتی ہے کہ جبیر بن مطعم جنگ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بطور سفارشی گیا تھا اور آپ ﷺ نے اسے فرمایا تھا کہ میں تیری سفارش تو قبول نہیں کرتا البتہ اگر تیرا باپ آج زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے ان تمام قیدیوں کو چھوڑ دیتا۔ (بخاری: ۵۷۳/۲، الاصابہ ترجمہ جبیر بن مطعم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جبیر ان دنوں خوب جواں سال تھا۔ اب ایک جواں سال آدمی پانچ سالہ بچی سے کیسے شادی کر سکتا ہے جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عرب میں صغرسنی کی شادی کا بالکل رواج نہیں تھا کیونکہ تاریخ وسیر کی ورق گردانی کرنے سے ایک مثال بھی نہیں پیش کی جاسکتی کہ کسی نوجوان عرب یا نوجوان صحابی رسول نے کسی کم سن لڑکی سے شادی کی ہو۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی اور اس وقت وہ بالغہ تھیں کیونکہ ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔

اگر یہ کہا جائے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف وعدہ ہی کیا ہوا تھا، نکاح تو نہیں ہوا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مختلف روایات کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نکاح ہی ہو چکا تھا کیونکہ بعض روایات میں الفاظ "اعطیتھا" اور "فطلقھا" آئے ہیں جو کہ نکاح پر دال ہیں۔ یہ نکاح اس وقت ہوا تھا جب مشرکین سے مسلمانوں کو نکاح کرنے کی ممانعت نہیں تھی لیکن اب حالات کی کروٹیں ان تمام مسلمانوں کو مجبور کر رہی تھیں کہ وہ اس قسم کی نسبتیں اور تعلقات مشرکین سے منقطع کر دیں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی نہایت خاموشی،

Marfat.com

حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے اس رشتہ کو مطعم بن عدی کے بیٹے کے ساتھ منقطع کر دیا۔ پھر طبقات ابن سعد کی اسی روایت میں ہے کہ "ثم تزوجها رسول الله صلی الله علیه وسلم و کانت بکر۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا جب کہ آپ کنواری تھیں۔

(طبقات ابن سعد: ۵۸/۸)

اس نکاح سے انقطاع کا طریقہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ اختیار کیا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

(۴) ذرا غور فرمایئے کہ جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کی عمر مبارک پچاس سال کے قریب تھی۔ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں جن میں سے دو کی شادی ہو چکی تھی اور دو گھر میں نا کتخدا (غیر شادی شدہ) تھیں۔ باہر سے جب آپ لوگوں کے ستائے ہوئے گھر تشریف لاتے تو ان دو بیٹیوں کی حالت دیکھ کر آپ کو اور زیادہ پریشانی ہوتی۔ اس وجہ سے آپ کو ایسی اہلیہ کی ضرورت تھی جو آپ کی دلداری بھی کرے اور بچیوں کی غمگساری بھی۔ اس ضرورت کو ایک چھ سالہ بچی سے نکاح کر کے پورا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے ایک عاقلہ اور بالغہ عورت کی ضرورت تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا خیال ظاہر فرمایا وہ اسی لیے تھا کہ وہ بالغہ بھی تھیں اور آپ ﷺ کی اس ضرورت کو پورا بھی کر سکتی تھیں۔

(۵) خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو جو تجویز دی تھی کہ آپ ﷺ بیوہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں یا کنواری سے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ بیوہ کون ہے اور کنواری کون؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ بیوہ سودہ رضی اللہ عنہا اور کنواری عائشہ رضی اللہ عنہا۔ آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخوبی جانتے تھے کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دینی بھائی تھے اور آپ ﷺ قریباً ہر روز اُن کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نابالغہ اور کم سن ہوتیں تو آپ خولہ رضی اللہ عنہا کو اسی وقت یہ فرما دیتے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو ابھی بہت چھوٹی ہے اس لیے میں اس کے ساتھ کیسے شادی کر سکتا ہوں؟ لیکن نہ آپ ﷺ نے ایسا فرمایا اور

Marfat.com

نہ ہی خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا کہ ایک تو بیوہ ہے اور دوسری چھ سالہ بچی ہے بلکہ کہا کہ ایک بیوہ اور دوسری کنواری ہے۔

(۶) پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہونے کا عذر پیش کیا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں کوئی عذر پیش نہیں کیا، اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت صغر سن ہوتیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے یہی عذر کرتے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو ابھی نابالغہ ہے۔ شادی کے قابل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت کم سنی کی نہ تھی بلکہ آپ رضی اللہ عنہا ایک بالغہ اور قابل شادی تھیں۔

(۷) مطعم بن عدی اور اس کی بیوی نے بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ عذر نہیں کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی کم سن بچی ہے۔ اس کی عمر ابھی صرف چھ سال ہے۔ جب جوان ہو جائے تو پھر دیکھیں گے کہ حالات کیا کروٹ بدلتے ہیں۔ بلکہ انھوں نے جو عذر پیش کیا وہ یہ تھا کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد ہمارے گھر آئیں گی تو ہمارے بچے کو بے دین کر دیں گی۔ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت پانچ چھ سال ہوتی تو اس عذر کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ پانچ چھ سال کی دلہن اپنے جوان خاوند کو کیا دین سے پھیر سکتی ہے؟ بلکہ یہ عمر متاثر ہونے والی ہوتی ہے مؤثر کرنے والی نہیں ہوتی۔

اس سلسلۂ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں روایت میں کچھ چوک ہوئی ہے اور ان کی عمر کے بارے میں جو یہ روایت میں کہا گیا ہے کہ شادی کے وقت ان کی عمر ''ست سنین'' (یعنی چھ سال) تھی اس میں راوی سے عمداً یا سہواً ''عشرۃ'' کا لفظ رہ گیا ہے۔ راوی بتانا یہ چاہتا ہے کہ شادی کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر ''ست عشر'' تھی۔ اور ''عشر'' (یعنی دس) کا لفظ روایت میں رہ گیا ہے۔ یہ روایت چونکہ بخاری میں ہے لہٰذا بخاری کی جلالت شان کی وجہ سے اسی طرح روایت ہوتا چلا آیا ہے اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی کہ چھ سال کی بچی سے نکاح کس لیے کیا جا رہا ہے۔ جبکہ اس معاشرہ میں کم سنی کی شادی کا رواج بھی نہ تھا۔ اگر سیدہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا ہوتا جو کہ اس معاشرہ کے رسم و رواج کے بالکل خلاف تھا تو مسلمان نہ سہی کفار مکہ تو اس پر ضرور اعتراض کرتے جیسے انھوں نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر اعتراض کیا تھا کہ محمد (ﷺ) نے اپنے

Marfat.com

منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے اور قرآن کو اس کا جواب دینا پڑا۔ لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ پورے مکہ میں اس کے بارے میں کوئی آواز نہ اٹھی۔ حالانکہ اس وقت اہل مکہ کی مخالفت اسلام اور داعی اسلام کے بارے میں اپنے پورے نقطۂ عروج پر تھی اور وہ آپ ﷺ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے جس کی مثال نہیں ملتی۔

بخاری میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں روایت ہشام بن عروہ سے ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ جب وہ عراق گئے تو ایک تو اخیر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا یعنی متاثر تھا اور دوسرے وہ اپنے پاس سے رطب و یابس بیان کرنے لگے تھے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۴۸)

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''محمد ابن اسحاق کذاب، ہشام بن عروہ کذاب۔'' (تاریخ بغداد: ۱/ ۲۲۳)

اس لیے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس بارے میں جان بوجھ کر ''عشرۃ'' کا لفظ روایت سے نکالا گیا ہے تاکہ پیغمبر اسلام کو بدنام کیا جا سکے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا سرکار دو عالم ﷺ سے نکاح سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی شوال اھ میں ۱۹ برس کی عمر میں ہوئی۔

ان قرائن و شواہد کے علاوہ اور بھی کئی قرائن ہیں جن کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا مسئلہ کوئی ایمانیات کا مسئلہ نہیں ہے لیکن ہمارے سیرت نگاروں نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں یوں بیان کیا ہے جیسا کہ یہ اسلام کے بنیادی مسائل میں سے ہو۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے جہاں سیدہ کی کم سنی کا تذکرہ فرمایا، وہاں ایک ایسی غلطی کر گئے جو ان کی شایان شان نہ تھی۔ وہ یہ کہ سید صاحب نے لکھ دیا ہے کہ:

''لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ (سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا: ص ۱۱)

حالانکہ سیدہ رضی اللہ عنہا مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن معطم سے منسوب ہو چکی تھیں۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جبیر بن مطعم کے بیٹے کا نام لیا ہے۔ جب اتنے بڑے لوگوں سے یہ غلطی ہو سکتی ہے تو عمر کی غلطی کیوں نہیں ہو سکتی؟

Marfat.com

حریمِ نبوت میں داخلہ:

رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کا رمضان ۱۰ نبوت میں انتقال ہو گیا۔ وہ آپ ﷺ کی نہایت غم خوار اور غم گسار بیوی تھیں۔ تنہائی کے اضطراب میں، مصائب کے ہجوم میں، ستم کاریوں کے تلاطم میں اور ستم رانیوں کی یورشوں مین وہ اپنے فرشتوں سے زیادہ پاک اور مقدس شوہر کے ساتھ رہیں۔ وہ ہر جگہ اور ہر مقام پر آپ ﷺ کو تسکین دیتی تھیں، دل جوئی اور غم گساری کرتی تھیں اور آپ ﷺ کے مصائب و آلام میں آپ ﷺ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ ایسی غم گسار اور وفا شعار بیوی کی وفات پر آپ ﷺ نہایت ملول اور غم زدہ رہتے تھے بلکہ اس تنہائی کے غم سے زندگی کے دن گزارنے بھی دشوار ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر بڑی فکر ہوئی۔ چنانچہ ایک مشہور اور جلیل القدر صحابی سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم ایک روز آپ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ اپنا غم غلط کرنے کے لیے دوسرا نکاح فرما لیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کس سے؟'' خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ''بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی عورتیں موجود ہیں۔ جس کو آپ ﷺ پسند فرمائیں اور اس کے بارے میں گفتگو کی جائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیوہ کون ہے اور کنواری کون ہے؟'' عرض کی ''بیوہ تو سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا۔'' ارشاد فرمایا: ''ٹھیک ہے دونوں کے متعلق گفتگو کرو۔''

سرکار دو عالم ﷺ کی مرضی پا کر سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور ان سے اس بارے میں بات کی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر کچھ پریشانی ہوئی کیونکہ عرب اپنے منہ بولے بھائی کی اولاد سے بھی شادی نہیں کرتے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ بولے بھائی تھے۔ اس لحاظ سے سیدہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھتیجی لگتی تھی۔ اس وجہ سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خولہ رضی اللہ عنہا! عائشہ ﷺ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھتیجی ہے لہٰذا آپ ﷺ سے اس کا نکاح کیوں کر ہو سکتا ہے؟ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم ﷺ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اس تشویش کے بارے میں استفسار کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے دینی بھائی ہیں اور دینی بھائیوں

Marfat.com

کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا خولہ رضی اللہ عنہا! ابھی کچھ انتظار کرو۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مطعم بن عدی کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں، اس لیے ان سے پوچھنا بھی ضروری تھی۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مطعم کے گھر گئے اور ان سے ان کی مرضی پوچھی۔ مطعم کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا اس لیے اس کی بیوی نے کہا کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آ گئی تو ہمارا لڑکا صابی (بے دین) ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم کو یہ رشتہ منظور نہیں۔

اب ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت خوش تھے۔ انھوں نے خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ سے جا کر کہہ دو کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ (بخاری: ۲/ ۶۸۷، مسند احمد: ۶/ ۲۱۱)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المعجم الکبیر: ۲۳/ ۲۳، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۵ وقال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح غیر محمد بن عمرو بن علقمہ وہو حسن الحدیث، مسند احمد: ۶/ ۲۱۰۔ ۲۱۱، السنن الکبریٰ: ۷/ ۱۲۹، فتح الباری: ۷/ ۲۶۶)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سادگی سے ہوا۔ سیدہ عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں کہ ان کی انا آئی اور ان کو اپنے ساتھ لے گئی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھا دیا۔ طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھے خبر نہ ہوئی۔ جب میری والدہ نے باہر نکلنے سے روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا ہے۔ بعد ازیں میری والدہ نے مجھے بتا بھی دیا۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق سات سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ نو برس کی عمر میں رخصتی ہوئی اور جب سرکار دو عالم ﷺ نے انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ یہ عام روایت کی رو سے ہے لیکن ہمیں اس سے اختلاف ہے جیسا کہ دوسری جگہ بیان کر دیا گیا ہے کہ نکاح کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال تھی۔

زر مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر بھی پانچ سو درہم مقرر ہوئے تھے۔ (مسلم، کتاب النکاح)

طبقات ابن سعد میں ایک روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مہر میں سیدہ رضی اللہ عنہا کو ایک مکان دیا تھا جس کی قیمت پچاس درہم تھی لیکن یہ روایت درایتاً غلط ہے۔ اس کے مقابلہ

Marfat.com

میں مسند کی ایک روایت میں بھی سیدہ رضی اللہ عنہا کی اپنی زبانی زرمہر پانچ سو درہم ہی منقول ہے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ ازدواج میں بہت اختلاف ہے لیکن روایات کے ایک مستند بڑے حصہ کے مطابق جس سال سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اس کے ایک ماہ بعد شوال میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حبالۂ عقد میں آئیں۔

ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت سے دو سال قبل شوال کے مہینہ میں نکاح فرمایا، لہٰذا شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا مستحب ہے۔ ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب شوال کے مہینے میں نکاح کرنا مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ ایک دفعہ بہت پہلے شوال کے مہینہ میں عرب میں طاعون پھیلا تھا۔ اس وقت سے عرب شوال کو منحوس سمجھتے تھے اور اس مہینے میں نکاح کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۸/۶۰، نووی شرح مسلم: ۹/۲۰۹)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے شوال کے مہینہ میں نکاح فرمایا اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی۔ پس آپ ﷺ کی کون سی بیوی میرا مقابلہ کر سکتی ہے۔

(مسند احمد: ۶/۵۴۔۲۰۶، مسلم، باب استحباب التزوج فی شوال، حدیث: ۱۴۲۳، ترمذی، حدیث: ۱۰۹۳، نسائی: ۶/۷۰۔۱۳۰، ابن ماجہ، حدیث: ۱۹۹۰، مصنف عبدالرزاق: ۶/۱۹۰، مسند دارمی، حدیث: ۲۲۱۷، السنن الکبریٰ بیہقی: ۷/۲۹۰، طبقات ابن سعد: ۸/۵۹)

روایات میں آتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بارے میں آپ ﷺ کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے ایک روز فرمایا نکاح سے قبل تو مجھے دو دفعہ دکھائی گئی (ایک روایت میں ہے کہ تین رات دکھائی گئی) جبریل ریشم کے ایک کپڑے میں کوئی شے لپٹی ہوئی لے کر آئے اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کی بیوی ہے۔ میں نے جو اس کو کھولا تو وہ تو تھی۔ چنانچہ میں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والا ہے۔

(مسند احمد: ۶/۴۱۔۱۲۸۔۱۶۱، بخاری، باب تزویج عائشہ، حدیث: ۳۸۹۵ مسلم، حدیث: ۲۴۳۸)

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاجابہ'' میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کا خواب

Marfat.com

وحی ہوتا ہے گویا کہ بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اس نکاح کے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔

ترمذی میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام مجھے ایک سبز رنگ کے ریشم کے ٹکڑے میں لپیٹ کر لائے اور کہا: ''یہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کی بیوی ہے۔''

(ترمذی حدیث: ۳۸۷۵)

ابن عساکر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک مجھ سے نکاح نہیں فرمایا جب تک کہ جبریل علیہ السلام میری تصویر لے کر آپ کے پاس نہ آئے اور کہا کہ یہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کی بیوی ہے۔

(مسند حمیدی، حدیث: ۲۳۲، کشف الاستار للبزار: ۳/ ۲۳۹، مستدرک حاکم: ۴/ ۹، صححہ ووافقہ الذہبی، مسند ابویعلی: ۴/ ۴۰۷، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۲۶، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۷)

ہجرت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حریم نبوت میں آنے کے بعد قریباً تین سال تک اپنے میکے میں رہیں، دو برس تین ماہ مکہ میں اور سات آٹھ ماہ مدینہ طیبہ میں۔

اعلان نبوت کے تیرہ برس بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، کیونکہ مکہ میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے لیے مشرکین مکہ نے عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ مشرکین کے ظلم و ستم کے شعلے مسلمانوں کے صبر و تحمل کے خرمن میں آگ لگا رہے تھے اور ان کی ستم گاریاں قوت برداشت سے باہر ہو رہی تھیں۔ آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ کے اصحاب رات کی تاریکی میں ایک ایک کر کے سرزمین مکہ کو خیر باد کہہ چکے تھے صرف سرکار دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے چند ساتھی موقع کی تلاش میں تھے۔ مکہ کے گلی کوچے سنسان نظر آتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ بلاناغہ صبح و شام سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے اور ہجرت کے بارے میں صلاح و مشورہ فرماتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ خلافِ معمول چہرۂ اقدس چادر میں چھپائے ہوئے دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی دونوں صاحب زادیاں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ذرا لوگوں کو ہٹا دو کیونکہ میں کچھ

Marfat.com

ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یہاں کوئی غیر آدمی نہیں صرف گھر کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اندر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو پہلے ہی سارا سامانِ سفر تیار کیا ہوا تھا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں نے مل کر سامانِ سفر باندھا اور دونوں حضرات نے وہیں سے مدینہ طیبہ کی راہ لی۔

یہ ساری تفصیل صحیح بخاری کی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت دوپہر کے وقت فرمائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے فرمائی نہ کہ اپنے گھر سے جیسا کہ بعض روایات میں مرقوم ہے۔ بخاری کی روایت کے مقابلہ میں ان روایتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہ مختصر سا قافلہ مکہ اور مدینہ کی راہ کی مختلف صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے نبوت کے چودھویں سال بارہ ربیع الاول کو مدینہ کی پاک سرزمین میں داخل ہوا۔ چند روز قیام کے بعد آپ نے اپنے اہل وعیال لانے کے لیے سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ اور اپنے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا ایک آدمی اپنے اہل وعیال کو لانے کے لیے بھیج دیا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ اور دونوں بہنوں کو لے کر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے جس اونٹ پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں وہ بھاگ نکلا اور اس تیزی سے دوڑا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے نیچے گرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے ایک آواز سنی کہ اس کی رسی پھینک دو۔ چنانچہ میں نے اونٹ کی رسی پھینک دی اور وہ اسی وقت ٹھہر گیا اور واپس پلٹا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کسی آدمی نے اس کو پکڑ کر واپس پلٹایا ہو۔

(المعجم الکبیر: ۱۸۳/۲۳، مجمع الزوائد: ۲۲۸ وقال الہیثمی اسنادہ حسن)

اس طرح یہ حضرات راستہ کی تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے کچھ مکانات بنوا رہے تھے۔ چنانچہ آپ کی دونوں صاحب زادیاں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ اسی نئے گھر میں فروکش ہوئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلّہ میں اتریں اور سات آٹھ ماہ یہیں اپنی والدہ کے ساتھ قیام پذیر رہیں۔

Marfat.com

رخصتی:

مدینہ کی آب و ہوا اکثر مہاجرین کو موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بستر علالت پر جا پڑے۔ وہ تندرست ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی تیمارداری کرتے کرتے خود بیمار ہو گئیں۔ شدت علالت کی وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا کے سر کے تمام بال گر گئے۔ جب صحت ہوئی تو ایک روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اپنی اہلیہ کو اپنے گھر کیوں نہیں لے آتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔ جان نثار نبوت نے عرض کیا کہ میری دولت کس کام آئے گی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ اوقیہ اور ایک نش (پانچ سو درہم) ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قرض لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیئے۔

اب انصار کی عورتیں دلہن کو لانے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کاشانہ پر گئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ والدہ نے آواز دی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ہانپتی کانپتی دوڑی آئی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے منہ ہاتھ دھلا کر بال سنوار دیئے۔ پھر اس کمرے میں لے گئیں جہاں انصار کی عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ انھوں نے دلہن کا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سرکار دو عالم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ آپ ایک تخت پر تشریف فرما تھے۔ ان عورتوں نے مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دیا۔

(بخاری، حدیث: ۳۸۹۴، مسلم، حدیث: ۱۴۲۲، ابن حبان، حدیث: ۷۰۵۵، المعجم الکبیر: ۲۳/۲۳، مجمع الزوائد: ۹/۲۲۵، مسند احمد: ۶/۲۱۰۔۲۱۱، السنن الکبریٰ: ۷/۱۹۲، فتح الباری: ۷/۲۶۶، مسند شافعی: ۲/۲۹، نسائی: ۶/۸۲، طبقات ابن سعد: ۸/۶۱)

اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس ضیافت کے لیے دودھ کے ایک پیالہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں سے ایک تھی جنھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم ﷺ کی آغوش میں بٹھایا تھا۔ فرماتی ہیں:

میرے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں لیکن بخدا کوئی ضیافت وغیرہ نہ ہوئی کیونکہ نبوت

Marfat.com

کے گھر میں صرف ایک پیالہ دودھ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں سے تھوڑا سا دودھ پی کر پیالہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھایا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا شرمانے لگیں۔ میں نے کہا حضور ﷺ کا عطیہ واپس نہ کرنا۔ اس کو لے لو۔ چنانچہ انھوں نے شرمگیں ہاتھوں سے پیالہ پکڑ کر دودھ پیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی سہیلیوں کو بھی دو۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اشتہاء نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: بھوک اور جھوٹ کبھی جمع نہیں ہوتے۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہم کسی شے کے بارے میں یہ کہیں کہ ہمیں اس کی خواہش نہیں ہے جبکہ ہمیں اس کی خواہش ہو، تو کیا یہ بھی جھوٹ شمار ہوگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔

(مسند احمد، فی مسند اسماء بنت عمیس: ۶/ ۴۳۸، مسند اسماء بنت یزید: ۶/ ۴۵۸، بالفاظ متقاربۃ، المعجم الکبیر: ۲۴/ ۱۷۱۔۱۷۲۔ ۲۳/ ۲۶، المعجم الصغیر: ۲/ ۲۳، مسند حمیدی: ۱/ ۱۷۹۔ ۱۸۰، مجمع الزوائد: ۴/ ۵۱، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۷۳)

چنانچہ اس شانِ سادگی کے ساتھ سیدہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی کہ نہ کوئی رسم ادا کی گئی نہ کسی شان وشوکت کا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ خدا کی قسم میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ذبح کیا گیا اور نہ کوئی بکری، ہاں ایک کھانے کا پیالہ تھا جس کو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا ہوا تھا۔

(المعجم الکبیر: ۲۳/ ۲۳، مسند احمد: ۶/ ۲۱۰۔۲۱۱، ابن حبان، حدیث: ۷۰۵۵، بخاری، حدیث: ۳۸۹۴)

رخصتی کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں ہوئی لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی شوال ۱ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب پیدا ہوئیں تو اس وقت اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہا کے گھرانے میں فطری طور پر نیکی کا دور دورہ تھا۔ گویا وہ ماں کے پیٹ سے نیکی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت ذہین اور سمجھدار آدمی تھے۔

Marfat.com

انھوں نے اپنی تمام اولاد کی تربیت نہایت اچھے طریقے سے کی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے تو ویسے بھی کاتب تقدیر نے ام المومنین رضی اللہ عنہن ہونا لکھا تھا، اس وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت دوسری اولاد سے بھی زیادہ اچھے طریقے سے ہوئی۔

اعلان نبوت کے وقت قریش کے سارے قبیلہ میں صرف سترہ آدمی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ ان میں صرف ایک عورت شفا بنت عبداللہ عدویہ بھی تھی، لیکن اسلام کے آنے کے بعد لکھنے پڑھنے کے فن کو بہت فروغ حاصل ہوا کیونکہ تعلیم کے فروغ کے لیے جتنا کام اسلام نے کیا ہے اتنا کسی اور مذہب نے نہیں کیا۔ چنانچہ اسلام کی سب سے پہلی وحی ہی لفظ ''اقراء'' سے شروع ہوئی۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پڑھنا جانتی تھیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے خاص سرکار دو عالم ﷺ کے حکم سے شفا بنت عبداللہ عدویہ سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ (ابوداؤد، کتاب الطب)

علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سرکار دو عالم ﷺ کی نوجوانی کی شادی میں کئی مصلحتیں تھیں جن میں ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ نوجوانی میں جو عین تعلیم و تربیت کا زمانہ ہوتا ہے، اس میں کسی زیرک اور ذہین عورت کو فیضان نبوت سے مستفیض اور نور رسالت سے مستنیر کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے حق تعالیٰ شانہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کو منتخب کر لیا۔ اس کے مقابلہ میں دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بیوہ ہو کر یا بڑی عمر میں حریم نبوت میں داخل ہوئی تھیں، اس وجہ سے یہ مقصد ان سے پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ علم نبوت کی جو شعاعیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے چاردانگ عالم میں پھیلیں وہ صرف انھی کا حصہ تھا۔ چنانچہ ابن سعد نے امام زہری کا قول نقل کیا ہے:

كانت عائشة اعلم الناس يسئلها الاكابر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان سے پوچھا کرتے تھے۔'' (طبقات ابن سعد: ۲/۲۶)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آفتاب نبوت سے فیض یاب ہو کر دنیا کی نصف آبادی کے لیے شمع

Marfat.com

راہ بن گئیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کی تربیت میں بہت سخت تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی اولاد کی تربیت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لیے اگر انھیں کسی پر سختی کرنی پڑتی تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو صرف اس وجہ سے مارنے کے لیے تیار ہو گئے کہ انھوں نے مہمانوں کو جلد کھانا کیوں نہیں دیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ سال کی تھیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور بیس سال کی عمر میں کاشانۂ نبوت میں داخل ہو گئیں، اس وجہ سے والدین کو ان کی دینی تربیت کا زیادہ موقع نہیں ملا کیونکہ مکہ کی زندگی کا زمانہ نہایت پُر آشوب تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا اصلی زمانہ رخصتی کے بعد شروع ہوتا ہے اور عمر کا یہی وہ حصہ ہے جس میں تعلیم و تربیت صحیح طریقہ سے ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ان کی ساری تربیت نبوت کی زیر نگرانی ہوئی۔ اسی زمانہ میں انھوں نے پڑھنا سیکھا۔ قرآن حکیم دیکھ کر پڑھتی تھیں، بلاذری کی ایک روایت میں ہے کہ لکھنا نہیں جانتی تھیں لیکن بعض روایات میں لکھنے کی نسبت ان کی طرف آئی ہے۔

(مسند احمد: ۶/ ۹۸۷)

لکھنا جانتی ہوں یا نہ جانتی ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ تربیت ان کی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوئی تھی۔ انسانیت کی تکمیل، ضروریات دین سے آشنائی، اخلاق کا تزکیہ، اسرار شریعت سے آگاہی، کلام ربانی کی معرفت اور احکام نبوی ﷺ کی واقفیت میں ان سے زیادہ کوئی تعلیم یافتہ نہ تھا۔ کیونکہ معلمِ شریعت و اخلاق ﷺ خود ان کے گھر میں تھا اور شب و روز اس کی صحبت میسر تھی اور دینی علوم و معارف کے سینکڑوں مسائل ان کے کان میں پڑتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و ارشاد کی مجالس روزانہ مسجد نبوی ﷺ میں منعقد ہوتیں جو سیدہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے بالکل ملحق تھی۔ آپ وہ باتیں بھی سنتیں اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو بلا تامل آپ ﷺ سے پوچھ لیتیں اور جب تک تسلی نہ ہوتی صبر نہ کرتیں۔ (بخاری: ۱/ ۲۱)

حدیث کی کتابوں میں سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جو سیدہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے کی وجہ سے امت کے سامنے واضح ہوئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک رضاعی چچا ملنے کے لیے آئے لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا نے غیر محرم سمجھتے ہوئے انھیں ملنے سے انکار فرمایا کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ

Marfat.com

اگر میں نے دودھ پیا ہے تو عورت کا پیا ہے، عورت کے دیور کا مجھ سے کیا تعلق؟ سرکار دو عالم ﷺ جب تشریف لائے تو آپ نے ان سے دریافت کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''وہ تمھارا چچا ہے اس کو اندر بلالو۔'' (بخاری: ۲/۹۰۹)

اس قسم کے جو سوالات و مباحث حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں وہ دراصل آپ رضی اللہ عنہا کی روزانہ تعلیم کے مختلف اسباق ہیں جو مدرسۂ نبوت سے آپ رضی اللہ عنہا لیتی تھیں۔ بعض دفعہ آپ رضی اللہ عنہا ایسے موقعوں پر بھی سوال کر لیتی تھیں جب بظاہر نبوت کی برہمی اور آزردگی کا قوی اندیشہ ہوتا تھا، لیکن آپ ﷺ سیدہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر برہم نہ ہوتے بلکہ ان کی علم و تحقیق کی پیاس کو جواب دے کر بجھانے کی کوشش فرماتے، چنانچہ واقعہ ایلاء میں جب آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس نہ جانے کا عہد فرمایا اور آپ ﷺ ۲۹ روز تک بالاخانے پر تشریف فرما رہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سخت بے قرار اور پریشان تھیں۔ اتفاق سے مہینہ ۲۹ دن کا تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ تیسویں روز بالاخانہ سے اتر کر سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ ایسے خوشی کے موقع پر سیدہ رضی اللہ عنہا کو سب کچھ گلدستہ طاق نسیان بنا دینا چاہیے تھا اور اس واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا لیکن حریم نبوت کی اس ملکہ اور مدرسۂ نبوت کی اس متعلمہ نے ایک سوال کر دیا کیونکہ آپ مزاج شناس نبوت تھیں اور نفسِ شریعت کی گرہ کشائی کو سب چیزوں سے مقدم سمجھتی تھیں۔ چنانچہ عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو ایک ماہ تک ہمارے حجروں میں نہ آنے کے لیے کہا تھا، آپ ایک روز پہلے کیونکر تشریف لائے؟'' کیونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں مہینہ تیس دن کا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عائشہ! مہینہ ۲۹ روز کا بھی ہوتا ہے۔'' اس طرح سے کئی پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوالات سے ہوئی ہے، جس سے شریعت اسلامیہ میں کئی ابواب کا اضافہ ہوا ہے۔

عام طور پر عورتیں معمولی گناہوں کی پروا نہیں کرتیں لیکن لسانِ نبوت نے ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

((یا عائشه ایاك ومحقرات الذنوب))

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو۔'' (مسند عائشہ: ص ۷۰)

Marfat.com

ایک مرتبہ سیدہ ؓ سرکار دو عالم ﷺ سے کسی عورت کا حال بیان کر رہی تھیں۔ اثنائے گفتگو میں منہ سے نکل گیا کہ وہ پست قد ہے۔ آپ ﷺ نے فوراً ٹوکا کہ ''عائشہ ؓ یہ بھی غیبت ہے۔'' (مسند عائشہ: ص ۲۰۶)

اس قسم کی اخلاقی نصائح کے علاوہ عبادات اور شریعت کی اکثر باتیں آپ انھیں سکھایا کرتے تھے اور سیدہ ؓ نہایت شوق سے انھیں سیکھتیں۔ (مسند عائشہ: ص ۳۸۔۴۷۔۵۱)

اس کے علاوہ آپ علم انساب اور علم شعر میں بھی ید طولیٰ رکھتی تھیں کیونکہ جس باپ کی آغوش میں انھوں نے تربیت پائی تھی وہ بھی علم انساب و شعر کے ماہر تھے اور بڑے بڑے ماہرین فن ان سے اصلاح و مشورہ لیتے تھے۔

عائلی زندگی:

سیدہ عائشہ ؓ کی عائلی اور گھریلو زندگی بھی نہایت خوشگوار تھی۔ سیدہ ؓ کا گھر بنو نجار کے محلّہ میں ایک معمولی گھر تھا بلکہ ایک حجرہ تھا جس کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں۔ چھت کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں کی تھی جن کے اوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا تاکہ بارش میں چھت نہ ٹپکے۔ چھت کی بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا تھا۔ دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا جو ساری عمر کبھی بند نہ ہوا۔ پردہ کے طور پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ حجرہ کے متصل ایک بالاخانہ تھا جس کو مشربہ کہتے تھے۔ ایلاء کے ایام آپ نے اسی مشربہ میں قیام فرمایا تھا۔

یہ تو حجرہ کی حقیقت تھی لیکن اس کے اندر کی کل کائنات ایک چارپائی، ایک چٹائی اور ایک بستر اور ایک کھجور کی چھال بھرا تکیہ، کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے، پانی رکھنے کا ایک برتن اور پانی پینے کے لیے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔ صاحب مسکن اگرچہ نہ صرف خود منبع انوار بلکہ دوسروں کو منبع انوار بنانے والا تھا کیونکہ قرآنی لفظ ''منیرا'' کے معنی دوسروں کو منور و مستنیر بنانے والا ہے لیکن مسکن میں راتوں کو چراغ جلانا صاحب مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔ (بخاری: ۱/۷۳) اور خود سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور ہمارے گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔ (ابوداؤد: ص ۲۰۵) حجرہ میں کل دو آدمی تھے، سیدہ عائشہ ؓ اور سرکار دو عالم ﷺ۔

Marfat.com

کچھ دنوں کے بعد حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نام کی ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ (بخاری: ۱/۳۴۸) گھر میں کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔ خود سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کبھی تین روز متواتر ایسے نہیں گزرے کہ خاندان نبوت نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی۔ (مسند احمد: ۲۱۷/۶، ۲۳۷، مسند ابو داؤد طیالسی: ص ۲۰۷) صرف چھوہارے اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔ فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سالانہ مصارف کے لیے وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ اسی (۸۰) وسق چھوہارے اور (۲۰) وثق جو، لیکن فیاضی اور جود وسخا کی وجہ سے سال بھر کے لیے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔ اس عسرت کی زندگی کے باوجود آپ رضی اللہ عنہا کی گھریلو زندگی نہایت خوشگوار اور مطمئن زندگی تھی۔ اگرچہ سیدہ رضی اللہ عنہا اپنی نوجوانی کی غفلت اور بھول چوک سے بری نہ تھیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا آٹا گوندھ کر رکھتیں اور بے خبر سو جاتیں، بکری آتی اور سارا آٹا کھا جاتی۔ اس کے علاوہ دوسری عمر رسیدہ ازواج رضی اللہ عنہن کے مقابلے میں کھانا بھی اچھا نہیں پکا سکتی تھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری زندگی میں سیدہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی اسی طرح کی عسرت کی زندگی رہی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو سارا عرب مسخر ہو چکا تھا۔ تمام صوبوں سے دولت کے انبار بیت المال میں چلے آ رہے تھے، تاہم جس روز آپ ﷺ نے انتقال فرمایا اس روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک دن کے گزارے کا سامان نہ تھا۔ (ترمذی: ص ۴۰۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بدستور خیبر کی پیداوار سے مقررہ غلہ ملتا رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نقد وظائف مقرر فرما دیئے۔ دیگر ازواج رضی اللہ عنہن کو دس ہزار درہم سالانہ ملتا لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار ملتا تھا۔ (مستدرک حاکم، ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا) مگر جس دن بیت المال سے وظیفہ آتا، اسی شام گھر میں فاقہ ہوتا۔ (بخاری)

جب عائلی زندگی خوشگوار ہو تو میاں بیوی کی باہمی معاشرت بھی اطمینان بخش ہوتی ہے۔ رخصتی کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی نو برس تک قائم رہی لیکن اس طویل مدت میں کبھی بھی باہمی ناخوش گواری کا واقعہ پیش نہیں آیا سوائے واقعہ ایلاء کے۔ ہمیشہ لطف ومحبت اور

Marfat.com

باہمی ہمدردی اور خلوص کی معاشرت قائم رہی جبکہ خاندان نبوت کی دنیوی زندگی نہایت عسرت اور فقر وفاقہ سے گزرتی تھی۔ فقر وفاقہ کی زندگی میں اکثر وبیشتر میاں بیوی کے مابین نان ونفقہ کے بارے میں جھگڑا رہتا ہے لیکن بیت نبوت میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ یہاں اگرچہ گھر کا چراغ اور چولہا بجھا ہوا تھا لیکن دل کا چراغ ہمیشہ روشن اور خوشی ومسرت کا کنول ہمیشہ کھلا رہتا۔

روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہایت محبت فرماتے تھے۔ یہ بات تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں تھی، چنانچہ وہ قصداً اسی روز بارگاہِ رسالت میں ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی تھی۔

(بخاری، حدیث: ۲۵۸۱، مسلم، حدیث: ۲۴۴۱، ترمذی، حدیث: ۳۸۷۴، سنن نسائی: ۷/۱۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی محبت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں سیدہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بدک گیا اور انھیں لے کر ایک طرف بھاگا۔ رسول اللہ ﷺ اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا و اعرو ساہ (ہائے میری دلہن)۔

(مسند احمد: ۶/۲۴۸)

ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ باہر سے تشریف لائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں شدید درد تھا اور کراہ رہی تھیں۔ آپ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر فرمایا: ''ہائے میرا سر۔'' اسی وقت سرکار دو عالم ﷺ کی بیماری شروع ہوئی اور یہی بیماری آپ ﷺ کی وفات کا باعث بنی۔

(بخاری: ۲/۴۶ مسند احمد: ۶/۲۲۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی محبت اور قدر ومنزلت کا باعث ظاہری حسن و جمال نہ تھا بلکہ باطنی فضل وکمال اور اندرونی اوصاف وکمالات تھے کیونکہ وہ فہم مسائل، اجتہاد فکر اور حفظ احکام وغیرہ میں تمام ازواج رضی اللہ عنہن سے ممتاز تھیں اس وجہ سے نبوت کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اسی طرح آپ رضی اللہ عنہا کو بھی سرکار دو عالم ﷺ سے محبت تھی بلکہ شدید محبت اور عشق تھا۔ کبھی راتوں کو بیدار ہوتیں اور آپ ﷺ کو پہلو میں نہ پا کر بے قرار ہو جاتیں۔ ایک دفعہ رات کو آنکھ کھلی تو آپ ﷺ کو نہ پایا، چونکہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، اس وجہ سے اندھیرے ہی میں ادھر ادھر ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ کا قدم مبارک ملا دیکھا کہ آپ سر بہ سجود مناجات الٰہی میں مصروف تھے۔

(موطا امام مالک، باب ماجاء فی الدعاء)

جب آیت نسخ نازل ہوئی یعنی جس بیوی کو آپ چاہیں رکھیں اور جس کو چاہیں الگ کر دیں تو آپ ﷺ نے رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے کسی کو الگ کرنا پسند نہ فرمایا لیکن یہ اختیار بہرحال آپ ﷺ کو حاصل ہو چکا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: یا رسول اللہ ﷺ! اگر یہ اختیار مجھے عطا ہوا ہوتا تو میں اس شرف میں کسی اور کو ترجیح نہ دیتی۔

(مسند احمد:۶/۷۶)

آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہر طریقہ سے دل جوئی فرمایا کرتے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش کی تھی۔ اس کی شادی ہونے لگی تو سیدہ رضی اللہ عنہا اس تقریب کو سادگی سے انجام دینے لگیں۔ سرکار دو عالم ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! گیت اور راگ تو ہے نہیں۔'' (بخاری، کتاب النکاح)

ایک مرتبہ سیدہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں۔ اتفاق سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے یہ بات دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ سرکار دو عالم ﷺ فوراً آڑے آ گئے۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو فرمایا کہو عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے تمھیں کیسے بچایا۔ (ابوداؤد، باب ماجاء فی المزاح)

آپ ﷺ کبھی کبھی دل بہلانے کے لیے کہانی بھی سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گفتگو کے دوران خرافہ کا نام آیا۔ آپ نے پوچھا خرافہ کو جانتی ہو کون تھا؟ آپ ﷺ نے پھر خرافہ کے بارے میں بتایا۔

(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی کلام رسول اللہ ﷺ، حدیث: ۲۵۰، مسند ابویعلی: ۴/۲۷۳، کشف الاستار: ۳/۱۵۹، مسند احمد: ۶/۱۵۷، مجمع الزوائد: ۴/۳۱۵)

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گیارہ سہیلیوں کی کہانی آپ ﷺ کو سنائی۔ رسول اللہ ﷺ نہایت تحمل و برداشت کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سنتے رہے۔ پھر فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تمھارے لیے ویسا ہی ہوں جیسے ابوزرع کے لیے، لیکن عین اس وقت جب آپ ﷺ اسی قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے تو دفعتاً اذان کی آواز آتی، آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ ہم کو پہچانتے ہی

Marfat.com

نہیں۔"

(یہ واقعہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین باب اشتراط الخشوع میں نقل کیا ہے، بخاری باب یکون الرجل فی اہلہ میں بھی اس کے قریب قریب حدیث ہے)

آپ ﷺ اکثر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک دستر خوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا تناول فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے ان کو بھی بلا لیا اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ (اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا)۔

ایک غزوہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رفیق سفر تھیں۔ آپ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: آؤ دوڑیں، دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ یہ دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں۔ کئی سال بعد پھر اس قسم کا ایک موقع آیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اب میں بھاری بھر کم ہوگئی تھی۔ اب کی بار سرکار دو عالم ﷺ آگے نکل گئے۔ فرمایا: یہ اس روز کا جواب ہے۔ (سنن ابی داؤد، باب السبق)

کچھ واقعات احادیث میں ایسے ہیں جن کو آج کل کے بعض جدید اور روشن خیال مفکرین اسلام قابل تنقید سمجھتے ہیں اور ان کے قلم سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جو وہ خود اپنی بیوی کے لیے بھی پسند نہیں کرتے۔ پیغمبر ﷺ کی اہلیہ کے لیے زبان درازی کا لفظ استعمال کرنا ایک بہت بڑی زیادتی ہے۔ اصل میں ایسے لوگوں کی فکر اور سوچ کا قصور ہے۔ وہ ایسے واقعات کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر ﷺ سے اس قسم کا خطاب ہے اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔ اس قسم کے جو چند واقعات حدیث وسیر کی کتابوں میں مرقوم ہیں ان کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

اسی سلسلہ میں روایت ہے کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ اپنی پہلی بیوی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تعریف فرما رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کی جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کو مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا، اتنی دیر سے اتنی تعریف فرما رہے ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر بیویاں دی ہیں۔ یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا یہ میری وہ بیوی تھی کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائی

Marfat.com

اور جب لوگ میری تکذیب کررہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کررہے تھے تو اس نے اپنی دولت میرے پاؤں پر نچھاور کردی اور اپنا مال میری غمخواری میں صرف کیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی جب کہ دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم کیا۔ (مسند احمد: ۶/ ۱۱۸۔۱۵۰)

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر میں درد تھا۔ سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں تمھیں اپنے ہاتھ سے غسل دیتا اور اپنے ہاتھوں سے تمھاری تجہیز و تکفین کرتا، تمھارے لیے دعا کرتا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ میری موت مناتے، اگر ایسا ہو جائے تو آپ ﷺ اسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ کلمات سن کر تبسم فرمایا۔ (بخاری: ۲/ ۸۴۶، مسند احمد: ۶/ ۲۲۸)

افک کے واقعہ میں جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی برأت فرمائی تو ماں نے کہا بیٹی! اٹھو اور شوہر کے قدم لو۔ تنک کر بولیں: میں اپنے خدا کے سوا جس نے میری برأت بذریعہ وحی فرمائی اور کسی کی شکر گزار نہیں ہوں گی۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! جب تم مجھ سے خوش ہوتی یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتہ چل جاتا ہے۔ ناراض ہوتی ہو تو ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم کھاتی ہو اور جب خوش ہوتی ہو تو محمد ﷺ کے رب کی قسم کھاتی ہو۔'' عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں یعنی دل میں آپ ﷺ ہی بسے ہوتے ہیں۔ (بخاری: ۲/ ۸۹۷)

گھر میں اگرچہ بریرہ رضی اللہ عنہا خادمہ موجود تھیں لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا ہر کام خود کرتی تھیں۔ آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں، کھانا خود پکاتی تھیں، آپ ﷺ کا بستر خود اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں، وضو کا پانی خود لا کر رکھتی تھیں۔ قربانی کے اونٹوں کا قلاوہ خود بٹتی تھیں۔ حضور ﷺ کے سر مبارک میں کنگھا خود کرتیں۔ عطر خود ملتی تھیں، کپڑے خود دھوتی تھیں اور سوتے وقت آپ کی مسواک اور پانی سرہانے خود رکھتی تھیں۔

(ملاحظہ ہو الادب المفرد، باب ما یوذی جارہ، بخاری واقعہ افک، ابوداؤد، شمائل، ترمذی، مسند احمد: ۶/ ۶۸، بخاری، کتاب الحج اور اعتکاف وغیرہ)

Marfat.com

ایک بیوی کے لیے سب سے اہم چیز اس کے خاوند کی پسندیدگی اور خوشی ہوتی ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدگی اور خوشی کا ہر وقت خیال رکھتی تھیں۔ ایک صحابی کو ولیمہ کی دعوت کرنا تھی، لیکن گھر میں کوئی سامان نہ تھا۔ آپ ﷺ کو جب اس کی تہی دستی اور فاقہ مستی کا پتہ چلا تو فرمایا: ''جاؤ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر کہو کہ غلہ کی ٹوکری بھیج دے۔'' انھوں نے آ کر سیدہ رضی اللہ عنہا کو پیغام دیا۔ آپ نے اسی وقت پوری ٹوکری غلہ کی اٹھوا دی اور گھر میں شام کے کھانے کے لیے کچھ نہ رہا۔ (مسند احمد:۶/۷۵)

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کا جہاد حج ہے۔'' اس فرمان کے سننے کے بعد وہ اس کی پابندی اس شدت سے کرتی تھیں کہ ان کا کوئی سال حج سے کم ہی خالی جاتا تھا۔ (بخاری، باب حج النساء)

ایک دفعہ عرفہ کے دن روزہ رکھا۔ اس روز گرمی اس قدر شدید تھی کہ لوگ سروں پر پانی ڈالتے تھے۔ کسی نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ روزہ توڑ دیجیے۔ فرمایا جب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہوتے ہیں تو میں روزہ کیسے توڑ سکتی ہوں؟ (مسند احمد:۶/۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور منع کریں تو میں ہرگز نہ مانوں۔

(مسند احمد:۶/۱۳۸)

سیدہ رضی اللہ عنہا کا کاشانۂ نبوت کا خلوت کدہ تھا۔ دولت نام کی کوئی شے وہاں نہ تھی اور نہ پسند تھی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تو سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اونچی آواز سے فرماتے:

''آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر مال و دولت سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں پھر بھی وہ تیسری کی حرص کرے گا۔ اس کی حرص کے منہ کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مال تو اپنی یاد دلانے اور مسکینوں کی مدد کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو خدا کی طرف لوٹے تو خدا بھی اس کی طرف لوٹے گا۔'' (مسند احمد:۶/۵۵)

Marfat.com

ہر روز ان الفاظ کی تکرار سے مقصود یہ تھا کہ اہل بیت نبوت کو دنیا کی بے ثباتی اور دولت کا ہیچ ہونا یاد رہے۔

اگرچہ سونے اور ریشم کا استعمال اسلام میں عورتوں کے لیے جائز ہے لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گھر میں اس قسم کے آرائشی تکلفات اور دولت وحشمت کا اظہار ناپسند تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے سونے کے کنگن پہن لیے۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تمھیں اس سے بہتر تدبیر نہ بتاؤں، تم ان کنگنوں کو اتار دو اور چاندی کے دو کنگن بنوا کر اس پر زعفران کا رنگ چڑھا دو۔'' (نسائی، کتاب الزینہ)

غزوۂ تبوک میں جب آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے واپس لوٹے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے خوشی میں خیر مقدم کے طور پر ایک مصور اور منقش پردہ آویزاں کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب دروازہ پر قدم رکھا تو رُوئے انور متغیر ہو گیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ، قصور معاف ہو، مجھ سے کیا خطا ہوئی؟ ارشاد فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! ہم کو خدا نے اینٹ اور مٹی کی آرائش کے لیے دولت نہیں دی۔''

ایک مرتبہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا اور اس کی روٹیاں پکائیں۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے، سیدہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ لگ گئی۔ ایک پڑوسن کی بکری آ کر ان کو کھا گئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا دوڑیں کہ بکری کو ماریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روکا۔ فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! ہمسایہ کو تکلیف نہ دو۔'' (الادب المفرد، باب لا یوذی جارہ)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آٹھ سوکنیں تھیں لیکن آپ رضی اللہ عنہا کا آئینہ قلب ان کے بارے میں ہر قسم کے زنگ اور غبار سے پاک تھا۔ آپ نے ان کے بارے میں کبھی کوئی نازیبا لفظ اپنے منہ سے نہیں نکالا بلکہ جب بھی موقع آیا آپ نے ان کی تعریف ہی کی۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ رضی اللہ عنہ کی وہ بہت زیادہ معترف تھیں کیونکہ انھوں نے اپنی باری سیدہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی۔ فرماتی تھیں: ''سودہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی عوت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ ان کے قالب میں میری روح ہوتی، گو ان کے مزاج میں تھوڑی سی تیزی تھی۔''

(مسلم، باب جواز ہبۃ نوبتھا لضرتھا)

عقل وفہم اور فکر وتدبر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تمام بیویوں میں

Marfat.com

... حیثیت رکھتی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ کو انھوں نے جو مشورہ دیا وہ عورتوں کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ (بخاری، ذکر حدیبیہ) فقہی فتووں اور مسئلوں میں بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد انھی کا مقام ہے۔ (طبقات: ۲/۱۲۶)

ان وجوہ سے وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسر تھیں لیکن ایک معمولی سے اتفاقی واقعہ کے سوا ان میں کبھی کوئی باہمی اختلاف نہیں ہوا۔

اسی طرح سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے بھی آپ رضی اللہ عنہا کا کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا، البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر پہلے گھبرا اٹھی تھیں۔ (طبقات ترجمہ جویریہ رضی اللہ عنہا)

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اگرچہ رشتہ میں سب بیویوں سے زیادہ آپ ﷺ سے قریب تھیں۔ شاید اس وجہ سے بقول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ''تمام بیویوں میں یہی میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔'' سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مزاج کی بھی ذرا تیز تھیں لیکن سوائے ایک دو واقعات کے ان کے درمیان کبھی کوئی پرخاش نہیں ہوئی۔ ایک مرتبہ بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے پہلے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ بارگاہِ رسالت میں عرض کریں کہ لوگوں کے ہدیئے اور تحفے جہاں آپ ﷺ قیام فرما ہوں وہیں بھیجے جائیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کی تخصیص نہ ہو۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ناکام واپس آئیں تو انھوں نے دوبارہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر بھیجا۔ انھوں نے بڑی جرأت سے آکر تقریر کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چپ چاپ ان کی باتیں سنتی اور کنکھیوں سے انھیں دیکھتی جاتی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب خاموش ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کی مرضی پا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھیں اور ایسی مسکت اور مدلل گفتگو کی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ حضور علیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا: ''کیوں نہ ہو آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔'' (صحیح مسلم، باب فضل عائشہ)

ایک دفعہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئیں۔ اس زمانہ میں گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ اسی اثناء میں حضور علیہ السلام تشریف لائے اور سیدھے ایک طرف کو بڑھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا وہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو غصہ آ گیا اور کچھ بولیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی برابر کا جواب دیا۔ دونوں کی آوازوں میں کچھ بلندی آ گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے جو یہ آوازیں سنیں تو اس کے

Marfat.com

متعلق حضور علیہ السلام سے عرض کیا: آپ باہر تشریف لے آئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا باپ کی ناراضی دیکھ کر سہم گئیں۔ نماز کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹی کے گھر تشریف لائے اور گو ابتدائی قصور ان کا نہ تھا پھر بھی انھیں تنبیہ کی۔ (صحیح مسلم، باب القسم بین الزوجات)

ایک مرتبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودیہ کہہ دیا۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور دو ماہ تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کلام نہ کیا۔ آخر وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں کہ تم درمیان میں پڑ کر میرا قصور معاف کرا دو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام سے اس سلیقہ سے گفتگو کی کہ معاملہ رفت گزشت ہو گیا۔ (مسند احمد: ۶/۹۵)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کوئی ناخوشگوار واقعہ احادیث میں مذکور نہیں ہے۔ کتابوں میں ہے کہ مرض الموت میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلوا بھیجا، وہ آئیں تو کہا کہ: ''سوکنوں میں کبھی کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ اگر کچھ ہوا ہو تو خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''خدا سب کو معاف کرے اور اس سے تم کو بری کرے۔'' سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! تم نے مجھے اس وقت خوش کیا، خدا تم کو بھی خوش رکھے۔''

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ جب انھوں نے وفات پائی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''وہ ہم میں سے زیادہ پرہیز گار تھیں۔''

(تہذیب التہذیب: ۱۲/۴۵۳)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور صرف تین سال آپ ﷺ کی صحبت میں رہیں۔ وہ اجنبی تھیں کیونکہ نسلاً یہودیہ تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو کھانا پکانے کا خاص سلیقہ تھا۔ خود سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز کھانا پکا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں سرکار دو عالم ﷺ کو بھیجا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی محبت کی بربادی کو دیکھ کر جھنجھلا اٹھیں اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ پیالہ لونڈی کے ہاتھ سے نیچے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آپ ﷺ خاموشی کے ساتھ پیالہ کے ٹکڑوں کو چننے لگے اور خادمہ سے فرمایا کہ ''تمھاری ماں کو غصہ آ گیا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے فعل پر خود ندامت ہوئی۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! اس جرم کا کیا کفارہ ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا ہی پیالہ اور ایسا ہی کھانا۔''

Marfat.com

چنانچہ نیا پیالہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو واپس کیا گیا۔ یہ واقعہ بخاری میں بھی ہے لیکن اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نہیں ہے۔

ان تمام واقعات سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی سوکنوں سے نہایت اچھا سلوک تھا۔ وہ ان سے نہایت عزت واحترام کا برتاؤ کرتی تھیں۔ ان کی خوبیوں اور نیکیوں کا دل وجان سے نہ صرف اعتراف کرتیں بلکہ برملا اظہار بھی کرتیں اور اگر کبھی بشری تقاضوں کے تحت کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو جلد نادم ہو جاتیں۔ سوکنوں پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرتیں۔

یہ رویہ اور سلوک سیدہ رضی اللہ عنہا کا اپنی سوکنوں کے ساتھ تھا۔ اپنی سوتیلی اولاد کے ساتھ بھی آپ رضی اللہ عنہا کا برتاؤ نہایت مشفقانہ اور ایک حقیقی والدہ کی طرح تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چار بیٹیاں تھیں۔ ان میں دو کا نکاح تو انھوں نے اپنی زندگی ہی میں کر دیا تھا۔ تیسری کا نکاح فتح بدر کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ تینوں اپنے سسرال میں جا چکی تھیں۔ گھر میں صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جو سسرال میں تھیں، ان میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ۲ھ میں انتقال فرما گئیں۔ دوسری دو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے بالترتیب ۸ھ اور ۹ھ میں انتقال فرمایا اور سات آٹھ برس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے زندہ رہیں لیکن باہمی ناخوشگواری اور آزردگی کا کوئی واقعہ ان میں پیش نہیں آیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر میں بہت کم فرق تھا۔ ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ ماں بیٹی ایک ساتھ رہیں لیکن باہمی آزردگی کبھی نہیں ہوئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تو ان کے جہیز کی درستگی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی ہے۔ خود فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے کوئی اچھی شادی نہیں دیکھی۔ (ابن ماجہ، باب الولیمہ) پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد کہیں دور نہیں گئیں بلکہ جس گھر میں وہ گئیں اس میں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔ دیوار میں ایک دریچہ تھا جس سے گاہے گاہے گفتگو بھی ہوتی، لیکن دونوں کے دلوں میں محبت موجزن تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب سسرال میں کام کرتے کرتے تھک گئیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ایک لونڈی کی درخواست کے لیے بارگاہِ رسالت میں آئیں۔ اتفاق سے باریابی نہ ہوئی تو ماں (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) ہی کو وکیل بنا کر واپس چلی گئیں۔ (بخاری، باب عمل المراۃ فی بیت زوجہا)

Marfat.com

ایک مرتبہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا: ''میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے باپ کے سوا کوئی اور بہتر انسان کبھی نہیں دیکھا۔'' (بخاری)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے چپکے چپکے اس کے کان میں کچھ کہا، وہ رونے لگیں۔ اس کا رونا دیکھ کر آپ ﷺ نے پھر اس کے کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''میں نے کہا، فاطمہ! تم کیوں روئی تھیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں اپنے باپ کا راز فاش نہیں کروں گی۔''

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دو بار پوچھا، فاطمہ رضی اللہ عنہا! میرا جو تم پر حق ہے، اس کا واسطہ دیتی ہوں، اس دن کے رونے کی وجہ مجھ سے بیان کر دو۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، ہاں اب ممکن ہے۔ میرے رونے کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی جلد وفات کی اطلاع دی تھی اور ہنسنے کا باعث یہ تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہ رضی اللہ عنہا! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم تمام دنیا کی عورتوں کی سردار بنو۔''

واقعہ افک:

شعبان ۵ ھ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس نے نہ صرف سیدہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ خود سرکار دو عالم ﷺ کی زندگی میں بھی ایک اضطراب پیدا کر دیا۔ اس واقعہ کو ''واقعہ افک'' کہتے ہیں اور اس کی تفصیل بخاری اور دوسری کتابوں میں یوں ہے۔

شعبان ۵ ھ میں سرکار دو عالم ﷺ نے غزوۂ بنی المصطلق کے لیے رخت سفر باندھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اچھی خاصی تعداد آپ ﷺ کے ہم رکاب تھی۔ منافقوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس غزوہ میں کوئی خون ریز جنگ نہ ہو گی لہٰذا ان کی اچھی خاصی تعداد اسلامی فوج میں شامل ہو گئی۔ اس سے قبل منافق اتنی تعداد میں اسلامی فوج میں کبھی شامل نہ ہوئے تھے۔

اس سفر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی ہم رکاب تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے چلتے وقت اپنی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا ایک ہار عاریتاً پہننے کے لیے لیا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہا کے گلے میں تھا۔ ہار کی

Marfat.com

لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ جاتی تھیں۔ اس زمانہ میں پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا، لہٰذا سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے محمل میں سوار ہوتیں اور جب اتاری جاتیں تو محمل سمیت ہی اتاری جاتیں اور محمل پر پردے لٹکے رہتے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ میں نہایت کمزور اور دبلی پتلی تھیں۔ چنانچہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا اس میں سوار بھی ہیں یا نہیں کیونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا وزن اس زمانہ میں بہت کم تھا۔

غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی پر مدینہ کے قریب ایک مقام پر سرکار دوعالم ﷺ نے قیام فرمایا۔ رات کے پچھلے پہر پھر قافلہ کو روانگی کا حکم دے دیا گیا لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم نہ تھا۔ قافلہ کے کوچ سے کچھ دیر قبل سیدہ رضی اللہ عنہا محمل سے نکل کر قضاء حاجت کے لیے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں۔ فارغ ہو کر جب لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا۔ دیکھا تو ہار نہ تھا۔ بہت گھبرائیں اور واپس وہیں جا کر ہار ڈھونڈنے لگیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ہار وہیں ٹوٹ گیا تھا اور اس کے دانوں کو اکٹھا کرنے میں دیر ہو گئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو خیال تھا کہ میں جلدی واپس لوٹ آؤں گی، اس وجہ سے نہ کسی کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور نہ آدمیوں کو اپنے انتظار کا حکم دے کر گئیں۔ قافلہ چونکہ کوچ کے لیے تیار تھا اس وجہ سے ساربانوں نے یہ سمجھ کر کہ سیدہ رضی اللہ عنہا محمل میں تشریف فرما ہیں محمل کو اونٹ پر رکھ کر کوچ کر دیا۔ لوگوں کو محمل اونٹ پر رکھتے وقت اس کے ہلکے ہونے کا کچھ احساس بھی نہ ہوا۔ لشکر روانہ ہونے کے بعد ہار ملا۔ جب ہار لے کر لشکر کے قیام کی جگہ پر سیدہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں بالکل سناٹا تھا اور لشکر جا چکا تھا۔ بہت پریشان ہوئیں لیکن پھر یہ خیال کر کے کہ جب آپ آئندہ مقام پر پہنچ کر مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ میری تلاش کے لیے آدمی روانہ فرمائیں گے، اسی جگہ چادر اوڑھ کر پڑ رہیں اور نیند آ گئی۔

سیدنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو ساقہ (Rear Guard) یعنی چھوٹے چھوٹے سپاہیوں اور فوج کی گری پڑی چیزوں کے انتظام کے لیے لشکر کے پیچھے رہتے تھے، صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو انھوں نے دیکھتے ہی سیدہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی انا للہ پڑھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی ان کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں:

Marfat.com

بخدا! صفوان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بات تک نہیں کی اور نہ ان کی زبان سے سوائے انا للہ کے میں نے کوئی کلمہ سنا۔'' (غالباً سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے بہ آواز بلند اسی لیے انا للہ کہا تا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا بیدار ہو جائیں اور خطاب و کلام کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔)

سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ لا کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے قریب بٹھلا دیا (محمد ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ اونٹ سامنے کر کے خود پیچھے ہٹ گئے) سیدہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو گئیں اور صفوان رضی اللہ عنہ مہار پکڑ کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور عین دوپہر کے وقت لشکر اسلامی میں جا پہنچے۔ یہ ایک نہایت معمولی واقعہ تھا اور اکثر سفر میں پیش آتا ہے لیکن منافقین نے اس واقعہ پر بڑے بڑے حواشی چڑھائے، واہی تباہی باتیں بکیں اور یہ مشہور کیا کہ نعوذ باللہ اب وہ پاک دامن نہیں رہیں۔ گویا کہ ہندوؤں میں سیتا اور عیسائیوں میں سیدہ مریم علیہا السلام پر جو کچھ گزری اسلام میں اسی کا اعادہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہوا۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں۔ ایک مہینہ بیماری میں گزرا لیکن منافقین نے اس عرصہ میں اس خبر کو خوب ہوا دی۔ نیک دل مسلمانوں نے تو اس افواہ کو سنتے ہی کانوں میں ہاتھ رکھا کہ ''سبحانك هذا بهتان عظيم'' سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سے کہا: ''ام ایوب! اگر تم سے یہ کوئی کہتا تو کیا تم مان لیتیں؟'' بولیں: ''استغفر اللہ! کیا کسی شریف کا یہ کام ہے؟'' سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تم سے کہیں زیادہ شریف ہے۔ کیا ان سے ایسا ہو سکتا ہے۔؟''

عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین کے علاوہ تین مسلمان بھی اس سازش میں مبتلا ہو گئے۔ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش اور مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ۔ حالانکہ ان میں سے اول الذکر دو حضرات اس سفر میں شریک تک نہ تھے۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) واقعہ کی صحت سے بحث نہ تھی۔ ان کو صفوان رضی اللہ عنہ کی بدنامی پر مسرت تھی۔ ان کو ملال تھا کہ بیرونی لوگ ہمارے ہاں آ کر زیادہ معزز کیوں بن گئے، چنانچہ ایک قصیدہ میں انھوں نے ان جذبات کا اظہار بھی کیا ہے:

امسى الجلابيب قد عزوا و قد كثروا
ابن الفريعة امسى بيضة البلد

Marfat.com

''اس قدر معزز ہو گئے اور اتنے بڑھ گئے اور فریعہ کا بیٹا (حسان) اتنا ذلیل ہو گیا۔'' (سیرۃ ابن ہشام، ذکر افک)

حمنہ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کی بہن تھیں۔ وہ سمجھیں کہ اس طرح وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے دامن کو داغدار کر کے اپنی بہن کو بڑھنے کا موقع دلائیں گی۔ مسطح سے البتہ تعجب ہے کیونکہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریبی عزیز تھے یعنی ان کی والدہ سیدنا ابوبکر کی خالہ زاد بہن تھیں اور مسطح رشتہ میں ان کے بھانجے تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ماموں زاد بہن تھیں۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کے خلاف مدینہ میں یہ جو طوفان اٹھایا گیا تھا، سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس کا مطلق علم نہ تھا، کیونکہ وہ مدینہ پہنچتے ہی بیمار ہو گئی تھیں اور بیماری کی طوالت ایک ماہ تک رہی۔ لیکن سرکار دوعالم ﷺ کے اس تلطف اور مہربانی میں کمی آجانے کی وجہ سے جو سابقہ بیماریوں میں مبذول رہی دل کو خلجان اور تردد تھا کہ کیا بات کہ آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے ہیں اور مجھ سے نہیں بلکہ دوسروں سے میرا حال دریافت کر کے واپس تشریف لے جاتے ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی اس بے التفاتی سے میری تکلیف میں اور اضافہ ہو جاتا تھا لیکن اس بے التفاتی کی وجہ میری سمجھ میں نہ آتی تھی۔

ایک دن میں اور ام مسطح رضی اللہ عنہا قضاء حاجت کے لیے جنگل کی طرف چلیں۔ عرب کا قدیم دستور یہی تھا کہ بدبو کی وجہ سے گھروں میں بیت الخلاء نہیں بناتے تھے۔ راستہ میں ام مسطح رضی اللہ عنہا کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایسے شخص کو کیوں برا بھلا کہتی ہو جو بدر میں حاضر ہوا۔ ام مسطح رضی اللہ عنہا نے مریم اسلام رضی اللہ عنہا سے کہا: ''اے بھولی بھالی، تم کو اس قصہ کی خبر نہیں؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا قصہ ہے؟ ام مسطح نے سارا قصہ بیان کیا۔ یہ سنتے ہی پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور مرض میں اور شدت ہو گئی۔ سعید بن منصور کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ سنتے ہی لرزہ سے بخار ہو گیا۔ معجم طبرانی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب میں نے یہ واقعہ سنا تو اس قدر صدمہ ہوا کہ بلا اختیار یہ دل میں آیا کہ کسی کنویں میں جا کر اپنے آپ کو گرا دوں (مجمع الزوائد: ۹/۲۴۰) صدمہ اور بدحواسی کی وجہ سے اپنی ضرورت بھول گئیں اور بغیر قضائے حاجت کے راستہ ہی سے واپس آگئیں۔ فرماتی ہیں کہ جب سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے میں نے اپنے ماں باپ کے ہاں

Marfat.com

جانے کی اجازت چاہی تاکہ ان کے ذریعے سے اس واقعہ کی تحقیق کروں۔ (کیونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو اتنی بڑی بات کا یقین نہیں ہو رہا تھا) آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے ہاں آ گئی۔ میکہ میں آ کر میں نے اپنی ماں سے کہا: ''اے ماں! تم کو معلوم ہے کہ لوگ میری بابت کیا کہتے ہیں؟ ماں نے کہا: ''بیٹی! تو رنج نہ کر۔ دنیا کا قاعدہ اور دستور ہے کہ جو عورت خوبصورت اور خوب سیرت اور اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبت ہوتی ہے تو حسد کرنے والی عورتیں اس کے ضرر کے در پے ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا لوگوں میں اس کا چرچا ہے؟ ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا کیا میرے باپ کو بھی اس کا علم ہے؟ بولیں ہاں۔ میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا علم ہے؟ ماں نے جواب دیا ہاں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا: اے ماں! اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت کرے لوگوں میں تو اس کا چرچا ہے اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو ابل پڑے اور شدت غم سے چیخیں نکل گئیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بالا خانہ میں قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میری چیخ سن کر نیچے آئے اور میری ماں سے دریافت کیا۔ ماں نے کہا کہ اس کو اس قصہ کی خبر ہو گئی ہے، یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ کو اب اس واقعہ سے اس قدر بخار ہوا کہ میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے گھر کے تمام کپڑے مجھ پر ڈال دیئے۔ تمام رات آنسو بہاتے گزری۔ ایک لمحہ کے لیے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ اسی طرح صبح ہو گئی۔

دوسری طرف صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو جب حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کی اس ہجو گوئی کا علم ہوا تو انھوں نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم! اب تک میں نے کسی عورت کو چھوا بھی نہیں ہے اور غصہ میں تلوار لے کر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے اور یہ شعر پڑھ کر تلوار کا وار کیا:

تلق ذباب السیف منی فاننی
غلام اذ هوجیت لست بشاعر

لو مجھ سے تلوار کی یہ دھار، میں نوجوان ہوں جب میری ہجو ہو، میں شاعر نہیں۔

وہ پکڑ کر بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر کیے گئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی طرف سے تقصیر معاف کرائی اور اس کے معاوضہ میں سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو جائداد عنایت فرمائی۔

Marfat.com

گو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی اور پاک دامنی مسلم تھی لیکن شریر لوگوں کے اس الزام سے آپ ﷺ نہایت مضطرب تھے۔ ادھر نزول وحی میں تاخیر ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! وہ آپ ﷺ کی اہل ہیں جو آپ ﷺ کی شایان شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عفت و عصمت کا پوچھنا ہی کیا! آپ ﷺ کے حرم محترم کی طہارت و نزاہت سورج سے زیادہ عیاں ہے اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر آپ ﷺ کو ہمارا ہی خیال اور ہماری ہی رائے معلوم کرنی ہے تو جہاں تک ہم کو معلوم ہے، آپ ﷺ کے اہل اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں ہم نے کبھی سوائے خیر اور خوبی اور نیکی و بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جب آپ ﷺ نے پوچھا تو انھوں نے آپ ﷺ کے رنج و غم اور حزن و ملال کے خیال سے یہ عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ پر تنگی نہیں کی۔ عورتیں ان کے سوا بہت ہیں۔ آپ ﷺ اگر گھر کی خادمہ سے دریافت فرمائیں تو وہ سچ سچ بتا دے گی۔ یعنی آپ ﷺ مجبور نہیں، مفارقت آپ ﷺ کے اختیار میں ہے لیکن پہلے گھر کی لونڈی سے تحقیق فرما لیں، وہ آپ ﷺ کو بالکل صحیح بتا دے گی، اس لیے کہ باندی اور خادمہ بہ نسبت اوروں کے خانگی حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہیں۔''

بعض روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس مشورہ کی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ ملال تھا۔ اول تو یہ روایات صحیح نہیں ہیں لیکن اگر ان کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ملال اور شکوہ کمال محبت اور کمال تعلق کی دلیل ہے کیونکہ شکوہ اور ملال اپنوں ہی سے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق خادمہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ ''کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں؟'' بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں تجھ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اسے چھپانا نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی بتلا دے گا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ہرگز نہیں چھپاؤں گی۔ آپ ﷺ دریافت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو نے عائشہ سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی ہے۔ خادمہ نے عرض

Marfat.com

کی "نہیں۔" بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا کہ:

"اے بریرہ رضی اللہ عنہا! اگر تو نے ذرہ برابر بھی کوئی شے ایسی دیکھی ہو جس سے مجھ کو شبہ اور تردد ہو تو بتلا۔"

بریرہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا:

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوئی بات معیوب اور قابل گرفت کبھی نہیں دیکھی، مگر یہ کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہے۔ آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہے۔ بکری کا بچہ آکر اسے کھا جاتا ہے۔" یعنی وہ تو اس قدر غافل اور بے خبر ہے کہ اسے آٹے اور دال کی بھی خبر نہیں، وہ دنیا کی چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اول خدا کی حمد و ثنا کی اور بعد ازاں عبداللہ بن ابی کی خباثت کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا:

"مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے مقابلہ میں میری مدد کرے جس نے مجھ کو میرے اہل بیت کے بارے میں ایذاء پہنچائی ہے۔ بخدا! میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاک دامنی کے کچھ نہیں دیکھا اور علیٰ ہذا جس شخص کا ان لوگوں نے نام لیا ہے اس سے بھی سوائے خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔"

یہ سن کر قبیلۂ اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کی اعانت اور امداد کے لیے حاضر ہوں۔ اگر یہ شخص ہمارے قبیلہ اوس کا ہوا تو ہم خود ہی اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر قبیلہ خزرج سے ہوا اور آپ ﷺ نے حکم دیا تو ہم تعمیل کریں گے۔

سردار خزرج سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہم پر تعریض کر رہے ہیں کہ اہل افک قبیلہ خزرج سے ہیں، اس لیے اُن کو جوش آ گیا (جیسا کہ محمد ابن اسحٰق کی روایت میں اس کی تصریح ہے) اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: "بخدا! تم اس کو ہرگز قتل نہ کر سکو گے" یعنی اگر ہمارے قبیلے کا ہوا تو ہم خود اس کو قتل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

Marfat.com

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: ''تم غلط کہتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ جب ہم کو قتل کا حکم دیں گے تو ہم ضرور قتل کریں گے اگرچہ وہ شخص قبیلہ خزرج کا ہو یا کسی اور قبیلہ کا، کوئی ہم کو روک نہیں سکتا اور کیا تو منافق ہے جو منافقین کی طرف سے مجادلہ اور جواب دہی کرتا ہے۔'' اس طرح سے گفتگو میں کچھ تیزی آ گئی۔ قریب تھا کہ دونوں قبیلے ہاتھا پائی پر اتر آتے، سرکار دوعالم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور لوگوں کو خاموش کرایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ دن بھی میرا روتے ہوئے گزرا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی آنسوؤں کی بارش نہیں تھمتی تھی۔ رات بھی اسی طرح گزری۔ میرے والدین کا خیال تھا کہ شدت غم سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

جب صبح ہوئی تو میرے والدین بالکل میرے قریب آ کر بیٹھ گئے اور میں برابر روئے جا رہی تھی۔ اتنے میں ایک انصاری عورت آ گئی۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور سلام کر کے میرے قریب بیٹھ گئے۔ اس واقعہ کے بعد سے کبھی آپ ﷺ میرے پاس آ کر نہیں بیٹھے تھے۔ وحی کے انتظار میں ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ تشریف فرما ہو کر آپ ﷺ نے اول خدا کی حمد وثناء کی، اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھ کو تیری جانب سے ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ اگر تو اس جرم سے بری ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تجھ کو ضرور بری کرے گا اور اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کر، اس لیے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔''

سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ نے اپنی یہ بات ختم کی اور اس وقت میرے آنسو خشک ہو گئے اور ایک قطرہ بھی آنکھ میں باقی نہ رہا۔ دل نے اپنی برأت کے یقین کی بناء پر اطمینان محسوس کیا۔ پھر سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو میری طرف سے جواب دو۔ باپ نے کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی ماں

Marfat.com

سے کہا۔ ماں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس کے بعد میں نے خود جواب دیا کہ اللہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں کہ یہ بات تمھارے دلوں میں اس درجہ راسخ ہو گئی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں اس گناہ سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین نہ کرو گے اور اگر بالفرض میں اقرار کرلوں حالانکہ خدا خود جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم یقین کرو گے اور رو کر میں نے یہ کہا ''بخدا! میں اس چیز سے کبھی توبہ نہ کروں گی جو یہ لوگ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ بس میں وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد (سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سوچنے پر بھی سیدنا یعقوب علیہ السلام کا نام مجھے یاد نہ آیا) نے کہا تھا ''فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ'' اور یہ کہہ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی اور اس وقت قلب کو یقین کامل اور جذب تام تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری بریت نازل فرمائیں گے، لیکن یہ وہم وگمان نہ تھا کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ ایسی وحی نازل فرمائیں گے جس کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی اور میری ان الفاظ میں بریت کی جائے گی جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مجھے یہ گمان نہ تھا کہ قرآن کی آیتیں میرے بارے میں نازل ہوں گی جو مسجدوں اور نمازوں میں پڑھی جائیں گی۔ صرف یہ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ خواب میری برأت بتلا دی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ مجھ کو اس تہمت سے بری کرے گا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ عالم غیب کی زبان گویا ہو۔ چنانچہ وہ گویا ہوئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے کہ دفعتاً وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ باوجود شدید سردی کے پیشانی مبارک سے موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگے۔ محمد ابن اسحاق کی روایت ہے کہ:

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا بخدا! میں بالکل نہیں گھبرائی کیونکہ میرے ماں باپ کا خوف سے یہ حال تھا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی جان نہ نکل جائے۔ ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا وحی اس کے مطابق نہ نازل ہو جائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔''

Marfat.com

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ کبھی سرکار دو عالم ﷺ کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف۔ جب رسول اللہ ﷺ کی طرف نظر کرتے تو یہ اندیشہ ہوتا کہ نہ معلوم آسمان سے کیا حکم نازل ہوتا ہے جو پھر قیامت تک نہیں ٹل سکے گا اور جب میری طرف دیکھتے تو میرے سکون اور اطمینان کو دیکھ کران کو ایک گونہ امید ہوتی۔ ماسوائے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سارا گھر اسی خوف ورجاء اور امید وبیم میں تھا کہ وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا اور چہرہ انور پر مسرت وبشاشت کے آثار نمودار ہوئے۔ مسکراتے ہوئے اور دست مبارک سے جبین منور کے پسینہ کو پونچھتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلا کلمہ جو زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا! تجھے خوشخبری ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے تیری برأت نازل فرمائی ہے۔ میری والدہ نے کہا عائشہ رضی اللہ عنہا! اٹھو اور اپنے خاوند کے قدم لو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نسوائی غرور وناز کے ساتھ جواب دیا: میں صرف اپنے خدا کا شکر ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی کسی اور کی ممنون نہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس حالت سکر میں شکرِ نبوی ﷺ سے انکار ناز محبوبی کے مقام سے تھا اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل جس شے سے لبریز ہو زبان سے اس کے خلاف اظہار ہو۔ ظاہر میں یہ ایک ناز تھا لیکن صد ہزار نیاز اس میں مستور تھے۔ اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَآءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ۝ لَّوْلَا جَآءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَآءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَآ أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ

Marfat.com

هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ
اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ
تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ﴾ (النور:۲۴:۱۱ تا ۲۰)

"تحقیق جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں کی ایک جماعت ہے۔ تم اس کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ فی الحقیقت تمھارے لیے خیر ہے۔ ہر شخص کے لیے گناہ کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس نے کمایا اور اس طوفان کے بڑے حصے کا متولی بنا ہے اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔ اس بات کو سنتے ہی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لیے نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے اور کیوں نہ لائے اس پر چار گواہ۔ پس جب کہ یہ لوگ گواہ نہ لائے تو بس یہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو تم کو اس چیز میں کہ جس میں تم گفتگو کر رہے ہو سخت عذاب پہنچتا۔ جبکہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل کرتے ہو اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہو جس کی تم کو تحقیق نہیں اور تم اس کو آسان سمجھتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی ہے اور تم نے اس خبر کو سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لیے ایسی بات کا زبان پر لانا ہی زیبا نہیں۔ تم کو یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ سبحان اللہ، یہ تو بہتان عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرو گے اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنے احکام کو واضح طور پر بیان کرتا ہے اور اللہ علیم

Marfat.com

اور حکیم ہے۔ تحقیق جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو نہ معلوم کیا مصیبت آتی اور بے شک اللہ تعالیٰ رؤف اور رحیم ہے۔'' (النور:۲۴: ۱۱ تا ۲۰)

رسول اللہ ﷺ جب ان آیات برأت کی تلاوت سے فارغ ہوئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی عفت ماب بیٹی کی عصمت وطہارت پر حق تعالیٰ شانہ کی شہادت کو سن لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اٹھ کر اپنی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بوسہ دیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ابا رضی اللہ عنہ پہلے سے آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو کیوں نہ معذور اور بے قصور سمجھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے اور کون سی زمین مجھ کو اٹھائے اور تھامے جب کہ میں اپنی زبان سے وہ بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو۔''

(فتح الباری: ۸/ ۳۶۶، بحوالہ طبری وابوعوانہ، روح المعانی: ۱۸/ ۱۰۹)

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مجمع عام میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں نازل شدہ آیات کی تلاوت فرمائی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ یہ فتنہ اصل میں منافقین نے شروع کیا تھا لیکن تین مسلمان اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے اس دھوکہ میں آ گئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

① مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ، ② حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت ③ حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش

ان پر حد قذف جاری کی گئی یعنی اسی اسی درے مارے گئے اور وہ اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔ عبداللہ بن ابی کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی، اس لیے کہ وہ منافق تھا لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی حد جاری کی گئی، واللہ اعلم۔

جو آیات ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے بارے میں نازل ہوئیں، ان میں ان کی فضیلت و منقبت ظاہر و باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بہتان سے بری فرمایا انھیں طیبہ کا لقب فرمایا اور مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا جس سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت کا

Marfat.com

قطعی اور یقینی ہونا معلوم ہوا۔

ولا یاتل اولوا الفضل منکم ...... سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ خود حق تعالیٰ شانہ جس کو صاحب فضل فرمائیں اس کے فضل وکمال میں کہاں شبہ کی مجال ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں چودہ طریقوں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اس آیت سے ثابت کی ہے۔

واقعۂ افک سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غایت تقویٰ اور کمال ورع کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ قصہ ایک مہینہ سے زائد تک ممتد رہا لیکن بیٹی کی حمایت میں ایک حرف زبان سے نہیں نکلا۔ صرف ایک مرتبہ شدت رنج وغم میں آپ کی زبان سے یہ نکلا:

''بخدا! یہ بات تو ہمارے حق میں زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں کہی گئی۔ پھر جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی تو اس کے بعد یہ کیسے ممکن ہے۔''

(فتح الباری: ۸/۳۶۹، رواہ الطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

نزول وحی میں جو ایک ماہ کی تاخیر ہوئی، اس میں حکمت یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام عبودیت کی تکمیل ہو جائے کہ جب مظلومانہ گریہ وزاری اور عاجزانہ بے تابی واضطرار اور بارگاہِ ذوالجلال میں فقیرانہ تذلل اور تمسکن اور مضطربانہ تضرع اور ابتہال حد کمال کو پہنچ جائے اور سوائے خدا کے کسی سے کوئی امید باقی نہ رہے اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے والوں کے قلوب وحی الٰہی کے انتظار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگیں، اس وقت حق تعالیٰ شانہ نے باران وحی سے اپنے محبوب اور مخلص بندوں کے مردہ دلوں کو حیات بخشی اور صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت صدیق رضی اللہ عنہ کو برأت ونزاہت کے بیش بہا خلعت سے سرفراز فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدیث افک'' کے فوائد ولطائف کو اپنی کتاب فتح الباری: ۸/۳۶۷۔۳۷۱ پر شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے۔

ان آیات وروایات سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ علم غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے کو نہیں اس لیے کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک ماہ سے زائد عرصہ اس واقعہ کے بارے میں پورے تردد میں رہے اور اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر حقیقت حال منکشف نہ ہوئی۔

Marfat.com

اب جب کہ نزول وحی نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت فرما دی ہے لہٰذا اب جو اس شبنم کی طرح پاکیزہ صفت خاتون پر جس کی برأت خود اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرمائی، تہمت لگائے وہ قرآن حکیم کا صریح مکذب اور منکر ہونے کی وجہ سے بالاجماع کافر اور مرتد ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کچھ روایات بھی نقل کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول: ص ۵۷۱)

اور اسی طرح دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں بدگمانی کرنے والا بھی کافر اور واجب القتل ہے۔ تفصیل کے لیے الصارم المسلول: ص ۴۱ تا ۵۰ ملاحظہ فرمایئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور تیمّم کا حکم:

ایک اور سفر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں ہار تھا۔ قافلہ واپس ہو کر مقام ذات الجیش میں پہنچا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ پہلے واقعہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا کو تنبہ ہو چکا تھا، لہٰذا فوراً سرکار دو عالم ﷺ کو مطلع کیا گیا۔ صبح قریب تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قافلہ کو پڑاؤ کا حکم ارشاد فرمایا اور ایک شخص اس کے ڈھونڈنے کو دوڑایا۔

اتفاق یہ کہ جہاں فوج نے پڑاؤ ڈالا وہاں مطلق پانی نہ تھا۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوج کو کس مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدھے سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے ہیں۔ نہایت غصے سے فرمایا بیٹی! ہر روز تم ہی سب کے لیے مصیبت کا باعث بنتی ہو۔ غصہ میں ان کے پہلو میں کئی کونچے بھی دیئے لیکن وہ آپ ﷺ کی تکلیف کے خیال سے ہل بھی نہ سکیں۔

جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو حق تعالیٰ شانہ نے آیت تیمّم نازل فرمائی۔

(مسند احمد: ۳۷۲/۶)

اس آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز ادا کرو۔ تیمّم کی سہولت نازل ہونے سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خاص مسرت حاصل ہوئی اور سیدہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر تین بار کہا: "انك لمباركة، انك لمباركة، انك لمباركة" بیٹی! بلاشک تو بڑی مبارک ہے۔ (مسند احمد: ۳۷۳/۶)

Marfat.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیمم کر کے نماز صبح ادا کی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے حد خوش ہوئے اور کہا: ''اے آل ابی بکر! یہ پہلی برکت نہیں بلکہ تمھاری برکت سے اور بھی بہت سی آسانیوں کے حکم نازل ہو چکے ہیں۔''

یہ تمام مفصل واقعہ بخاری کتاب التیمم میں مذکور ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک تیمم کا یہ حکم غزوۂ بنی المصطلق ہی میں نازل ہوا لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ کوئی دوسرا سفر تھا جس میں آیت تیمم کا نزول ہوا۔

واقعۂ شہد:

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اتفاقاً سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں چند روز تک معمول سے کچھ زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے۔ اس دیر تک ٹھہرنے کی وجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معلوم کی تو پتہ چلا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے۔ چونکہ شہد آپ کو بے انتہاء مرغوب تھا، وہ روز آپ ﷺ کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں اور آپ ﷺ اخلاقاً انکار نہیں فرماتے، اس وجہ سے ان کے ہاں کچھ دیر زیادہ آپ ﷺ کو قیام فرمانا پڑتا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ چونکہ نظافت پسند تھے۔ ذرا سی بدبو بھی ناگوار خاطر ہوتی تھی۔ شہد کی مکھیاں جس قسم کے پھول سے رس چوستی ہیں، شہد کی مٹھاس میں اسی قسم کے پھول کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبیذ کی سی کرختگی ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کو سمجھا دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے منہ سے یہ بو کیسی آتی ہے؟ جب آپ ﷺ فرمائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہنا چاہیے کہ شاید مغافیر کا شہد ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ ﷺ کو شہد کی کراہت پیدا ہوگئی اور عہد کیا کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔

اگر یہ عام انسانوں کا واقعہ ہوتا تو کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن یہ ایک شارع اعظم کا فعل تھا جس کی ایک ایک بات پر بڑے بڑے قانون کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ خداوند قدوس نے

Marfat.com

اس پر عتاب فرمایا اور سورہ تحریم کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔

اسی زمانہ میں آپ ﷺ نے کوئی راز کی بات سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی۔ انھوں نے وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کے بعد مذکور ہے:

''اور نبی ﷺ نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی۔ جب کہ اس نے دوسری سے اس کو کہہ دیا اور خدا نے اپنے نبی ﷺ پر اس واقعہ کو ظاہر فرما دیا، تو نبی نے اس بیوی کو اس کا قصور کچھ بتایا اور کچھ نہ بتایا۔ اس نے کہا آپ سے کس نے یہ کہہ دیا تو نبی ﷺ نے یہ جواب دیا کہ مجھے علیم وخبیر نے بتایا۔'' (التحریم:٦٦:٢)

پھر فرمایا:

''اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ میں رجوع کرو تو تمھارے لیے کوئی ایسی مشکل بات نہیں کیونکہ تمھارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم دونوں نے اس پر ایکا کر لیا تو بھی (اے منافقین یہ کوئی ایسی بات نہیں) اللہ تعالیٰ نبی کا آقا ﷺ اور مالک ہے اور جبریل، مومنین، صالحین اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا راز تھا جس کے اخفا کے لیے اتنی شدت درکار تھی۔ بخاری میں ہے کہ وہی شہد کی تحریم کا واقعہ تھا اور بعض غیر صحیح روایات میں ہے کہ ماریہ نام کی آپ کی ایک حرم تھی۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی رضا مندی کی خاطر اس کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کر دی تھی کہ اس راز کو اپنے ہی تک رکھنا، عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ کہنا، لیکن انھوں نے کہہ دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس سے صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی رضا مندی مقصود نہ تھی بلکہ اور ازواج کی بھی جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے ﴿تبتغی مرضات ازواجك﴾ (تو اپنی بیویوں کی رضا مندی چاہتا ہے) تو پھر انھی کو واقعہ سے بے خبر رکھنا ایک بے معنی سی بات ہے کیونکہ ان کی رضا مندی تو اس وقعہ کے جانے سے حاصل ہو سکتی تھی۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس شے کو آپ ﷺ نے حرام کر لیا تھا وہ ایک کنیز کا معاملہ نہیں تھا کیونکہ اس روایت کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ صرف سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ تھا۔ حالانکہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کم از کم تین بیویوں کی مشترکہ خواہش تھی۔ پھر کسی کھانے کی شے یا کسی کنیز سے احتراز کا راز اس قدر کیا اہم تھا جس کے لیے روئے زمین کے مسلمانوں اور آسمانوں کے فرشتوں کی اعانت درکار ہو۔

جن لوگوں کو قرآن کے عام اسلوب بیان سے آشنائی ہے یا جنھیں محاورات عرب پر عبور ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ "اذ" کے بعد ہمیشہ نئے سرے سے نیا واقعہ شروع ہوتا ہے۔ گزشتہ آیت تک تو تحریم کے واقعہ کا بیان تھا۔ یہاں سے ایک الگ بات شروع ہوتی ہے اور اس کا بیان خود قرآن حکیم کی دوسری آیت میں ہے کہ وہ کیا شے ہے۔ وہ ''مظاہر'' ہے یعنی ایکا کرنا۔

ان آیات کی تفسیر کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ نے بڑی اچھی بحث کی ہے۔ اہل علم وہاں رجوع فرمالیں۔ ملاحظہ ہو سیرۃ عائشہ: ص ۹۰۔

واقعۂ ایلاء:

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت دور دراز علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں ہو چکے تھے اور مال غنیمت اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ مدینہ میں آتا رہتا تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی:

ہیں دوسروں کے واسطے لعل و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

پیغمبر ﷺ کے گھر میں آئے روز فاقہ رہتا تھا جب کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں بڑے بڑے امیر و کبیر قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں، جو اس سے پہلے اپنے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کر کے آئی تھیں۔ انھوں نے مال و دولت کی یہ فراوانی دیکھ کر نبی اکرم ﷺ سے خانگی مصارف میں اضافہ کی خواہش کا اظہار کیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی

Marfat.com

صاحب زادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھایا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مصارف کا تقاضا نہ کرو۔ جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو۔ بخدا! آپ ﷺ میرا لحاظ فرماتے ہیں ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ بعد ازیں آپ رضی اللہ عنہ ایک اور بیوی کے دروازہ پر گئے اور انھیں بھی سمجھایا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ! تم ہر شے میں تو دخل دیتے ہی تھے اب آپ ﷺ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ درمیان میں آپ ہیں اور ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور خانگی مصارف کی مقدار بڑھانے پر مصر ہیں۔ دونوں حضرات اپنی صاحب زادیوں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے لیکن انھوں نے کہا کہ ہم آئندہ آپ ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گی۔

اگرچہ یہ دونوں اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں لیکن دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے۔ پہلو مبارک پر ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی جس سے آپ ﷺ کو خاصی تکلیف تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے متصل ایک بالاخانہ تھا جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نہ ملیں گے۔ منافقین جو بات کا بتنگڑ بنانے میں خاصے مشہور تھے، انھوں نے مشہور کر دیا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص مضطرب تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں جمع ہو گئے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رو رہی تھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فوراً مسجد نبوی ﷺ میں آئے۔ دیکھا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ملول بیٹھے ہیں۔ خدمت اقدس میں دو دفعہ باریابی کی اجازت چاہی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تیسری دفعہ اجازت مل گئی۔ دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں، جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو توشہ خانے میں مٹی کے چند برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر آنکھیں بھر آئیں اور پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ ارشاد فرمایا نہیں۔ عرض کیا میں یہ خوشخبری دوسرے مسلمانوں کو نہ سنا دوں۔ فرمایا سنا دو۔ چنانچہ آپ نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

Marfat.com

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا۔ ۲۹ دن ہوئے تو آپ بالا خانے سے اتر آئے۔ سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو ایک ماہ کا عہد فرمایا تھا اور ابھی تو ۲۹ دن ہوئے ہیں کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ایک روز گنتی تھیں۔ ارشاد فرمایا کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی تو ہوتا ہے۔

چونکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نان ونفقہ میں اضافہ کی طالب تھیں اور پیغمبر رضی اللہ عنہ صرف اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے اپنے دامن کو زخارف دنیوی سے ملوث نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا تخییر کی آیت نازل ہوئی۔ یعنی جو بیوی فقر و فاقہ کو اختیار کر کے شرف زوجیت سے ممتاز رہنا چاہے وہ رہے اور دنیا کے بجائے آخرت کی نعمت پائے اور جو چاہے کنارہ کش ہو کر دنیا طلبی کی ہوس پوری کرے اس کو بھی اختیار ہے چنانچہ فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۳۳: ۲۸، ۲۹)

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیوی زندگی اور اس کی آرائش و زینت کی خواہش ہے تو آؤ میں تمھیں رخصتی جوڑے دے کر رخصت کر دوں اور اگر خدا اور اس کا رسول اور آخرت پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک عورتوں کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔''

ان آیات کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تمھارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔'' عرض کی ارشاد فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کس بات میں اپنے والدین سے مشورہ لوں۔ میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں۔''

یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی اور مسرت سے تمتمانے لگا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے

Marfat.com

عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! میرا جواب دوسری بیویوں پر ظاہر نہ ہو۔ ارشاد فرمایا: ''میں معلم بن کر آیا ہوں جابر بن کر نہیں آیا۔''

سیدہ عنفوان شباب ہی میں بیوہ ہو گئیں۔ آپ ﷺ کے مرض الموت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں اور سرکار دو عالم ﷺ میں نہایت محبت و اخلاص تھا۔ سن گیارہ ہجری تھا اور ماہ صفر کی کوئی تاریخ سرکار دو عالم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ وہ درد سے بیقرار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں اپنے ہاتھ سے تمھاری تجہیز و تکفین کرتا۔ وہ بے تکلفانہ لہجے میں کہنے لگیں: ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ شاید اس لیے آپ ارشاد فرما رہے ہیں تاکہ اس حجرہ میں کوئی نئی بیوی بیاہ کر لائیں۔'' یہ ایک میاں بیوی کی گفتگو تھی۔ اسی وقت آپ ﷺ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: ''ہائے میرا سر'' اور اس وقت سے درد شروع ہو گیا جو آخر میں جان لیوا ثابت ہوا۔

وہاں سے آپ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور صاحب فراش ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے لب و لہجہ سے آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے چند روز کے بعد یہ سمجھ لیا کہ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمانا پسند فرماتے ہیں۔ ان سب نے اجازت دے دی چنانچہ پھر آپ ﷺ اس دار فانی سے انتقال کرنے تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرہ میں قیام پذیر رہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرمانے سے شاید آپ ﷺ کا مقصود یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کو قوت حافظہ، کمال عقل، سرعت فہم اور اجتہاد فکر کا حظ وافر عطا فرمایا تھا اس لیے ان کی وجہ سے آپ ﷺ کے آخری اقوال و افعال کا ایک ایک حرف دنیا میں محفوظ رہے۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کے انتقال کے بارے میں اکثر روایات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کا مرض دن بدن شدت اختیار کرتا جاتا تھا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تیمار داری میں مصروف تھیں، سیدہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بتلائی ہوئی دعائیں پڑھ پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کیا کرتی تھیں اور آپ ﷺ کی تندرستی کے لیے ہر وقت دعائیں مانگتیں، لیکن آخر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دفعتاً مجھ کو آپ ﷺ کے بدن کا بوجھ معلوم ہوا۔ آنکھیں دیکھیں تو پھٹ

Marfat.com

گئیں تھیں۔ آہستہ سے میں نے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگی۔ (مسند احمد: ۶/۲۷۴)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کتاب فضائل کا یہ ایک زریں باب ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی تدفین آپ رضی اللہ عنہا ہی کے حجرہ میں ہوئی جو "روضۃ من ریاض الجنۃ" ہے۔ ایک مرتبہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرے میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں، انھوں نے اس وقت اس کا ذکر اپنے ابا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ جب سرکار دو عالم ﷺ اس حجرہ میں مدفون ہوئے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور ان میں سب سے بہتر ہے۔" (موطا امام مالک، ماجاء فی دفن المیت)

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دوسرے دو چاند سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے جن کو اس حجرہ میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

انتقالِ سید المرسلین ﷺ کے بعد:

سیدہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نوجوانی ہی میں بیوہ ہوگئیں گویا صرف نو سال رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزارے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا نے اسی بیوگی کے عالم میں زندگی کی پچاس منزلیں طے کیں۔ جب تک زندہ رہیں اسی مزار اقدس اور بقعہ نور کی مجاور رہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک ہی کے پاس سوتی تھیں۔ ایک روز آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا اس روز سے وہاں سونا چھوڑ دیا۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۸۵)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تدفین تک آپ رضی اللہ عنہا وہاں بے حجاب آتی جاتی تھیں کیونکہ ایک شوہر تھا تو دوسرا باپ۔ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد فرماتی تھیں کہ اب وہاں بے پردہ جاتے حجاب آتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد اب آپ رضی اللہ عنہا کے والد بزرگوار مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ایک روز چاہا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس وراثت حاصل کرنے کے لیے بھیجیں، لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یاد دلایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی زندگی میں فرمایا تھا کہ:

"ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہمارے تمام متروکات صدقہ ہوں گے۔"

Marfat.com

یہ سن کر سب خاموش ہو گئیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دو سال تک مسند خلافت پر متمکن رہے۔ ۱۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ نزع کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا خدمت صدیق رضی اللہ عنہ میں حاضر تھیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ تین سفید کپڑے۔ پوچھا آپ ﷺ نے کس روز وفات پائی؟ عرض کی دوشنبہ (سوموار) کے روز۔ پوچھا آج کون سا دن ہے؟ بتایا گیا کہ دوشنبہ۔ فرمایا آج رات تک میرا بھی چل چلاؤ ہے۔ پھر فرمایا: مجھے انھیں کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ عرض کی: یہ کپڑا پرانا ہے۔ فرمایا کہ مردوں سے زیادہ زندوں کو نئے کپڑوں کی ضرورت ہے۔ (بخاری کتاب الجنائز)

چنانچہ آپ نے اسی روز سہ شنبہ کی رات کو انتقال فرمایا اور حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں سرکار دو عالم ﷺ کے پہلو میں ادباً آپ کے مزار اقدس سے کسی قدر پیچھے ہٹ کر دفن کیے گئے اور اب کاشانۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نبوت کے چاند کے ساتھ خلافت کا چاند بھی غروب ہو گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیوگی کے ساتھ نوجوانی میں دو ہی برس کے بعد یتیمی کا داغ بھی لگ گیا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو برابر بارہ بارہ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۲۵) اور مستدرک کی روایت کے مطابق دوسری ازواج رضی اللہ عنہن کے لیے تو دس دس ہزار اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بارہ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ (مستدرك حاكم ذكر عائشه رضی اللہ عنہا) اس ترجیح کا سبب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوب اور منظور نظر بی بی تھیں۔

عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ ہاتھ آئی جو مال غنیمت میں بارگاہِ خلافت میں بھیجی گئی۔ سب کو موتیوں کی تقسیم مشکل تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھیج دوں کیونکہ وہ حضور اکرم ﷺ کو محبوب تھیں۔ سب نے بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ ڈبیہ سیدہ عائشہ کو بھیج دی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کھول کر دیکھا تو فرمایا: ابن الخطاب نے سرکار دو عالم ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے۔ خدایا! مجھے آئندہ ان کے عطیوں کے لیے زندہ نہ رکھنا۔ (مستدرک حاکم، ذکر عائشہ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے قدموں میں دفن ہوں لیکن

Marfat.com

کہہ اس لیے نہیں سکتے تھے کہ گو شرعاً مردوں سے زیر خاک پردہ نہیں تاہم ادباً دفن کے بعد بھی وہ اپنے کو غیر محرم سمجھتے تھے۔ نزع کے وقت اپنے صاحب زادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو میری طرف سے سلام کہنا اور عرض کرنا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش ہے کہ وہ اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہو۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''اگرچہ میں نے وہ جگہ اپنے لیے رکھی تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ کی خوشی کے لیے یہ ایثار گوارا کرتی ہوں۔'' چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن کر دیا گیا اور اب اسی حجرہ میں خلافت کا دوسرا چاند بھی دفن ہو گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کچھ واقعات ایسے پیش آئے جن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عام مسلمانوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ مستدرک حاکم میں ہے:

وکان احسن رایا فی العامة۔

کیونکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق تمام مسلمانوں کی ماں تھی، چنانچہ ان اہم واقعات میں انھوں نے ماں ہی کا کردار ادا کیا۔ لوگ مختلف علاقوں سے آ کر ان سے اپنی شکایات بیان کرتے اور وہ انھیں اطمینان کے گھونٹ پلاتی تھیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں عبداللہ بن سباء جیسے مسلم نما یہودیوں نے خلافت اسلامیہ میں ایک بہت بڑا فتنہ برپا کیا جس کی چنگاریاں آج تک امت مسلمہ میں سلگ رہی ہیں۔ اس نے مملکت اسلامیہ میں سیاسی شورش کا بہانہ بنا کر اپنی سازش کا جال بچھایا اور اس بہانے سے ساری مملکت میں دورہ کیا۔ کوفہ، بصرہ اور مصر جہاں بڑی بڑی چھاؤنیاں قائم تھیں اور جہاں کچھ نہ کچھ انقلاب پسند لوگ بھی موجود تھے، اس نے مصر کو ان انقلاب پسندوں کا مرکز بنا کر ان تمام متفرق اشخاص کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا۔ ان لوگوں کو تاریخ میں سبائیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جزائر روم اور افریقہ میں لڑائیاں ہو رہی تھیں، اس لیے فوج کا زیادہ حصہ یہیں قیام پذیر تھا۔ جنگ کی شرکت کے بہانے سے محمد بن ابی بکر اور محمد بن حذیفہ یہاں سپاہیوں سے آزادانہ ملتے تھے اور ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے

Marfat.com

جراثیم پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصر فرقہ سبائیہ کی بغاوت کا مرکز بن گیا۔ یہی حالت کوفہ اور بصرہ کی تھی۔ آخر بغاوت کا یہ لاوا ایک روز پھوٹ پڑا اور وہ دھاوا بول کر مدینہ طیبہ آئے اور دن دیہاڑے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" ان واقعات کو ہم نے اپنی کتاب ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

اس بغاوت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے بھائی محمد بن ابی بکر باغیوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے لہٰذا سبائیوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کو بھی داغدار کرنے کا پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ چنانچہ ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ شہادت کے حادثہ سے قبل اشتر نخعی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اس شخص (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ) کے قتل کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: ''معاذ اللہ، میں اماموں کے امام کے قتل کا حکم دے سکتی ہوں؟''

(طبقات ابن سعد جزء نساء: ص ۳۵۶)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض لوگوں نے برملا یہ الزام لگانا شروع کر دیا کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت بھی تھی لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا نے متعدد مواقع پر اس الزام کی برملا تردید کی۔ ایک مرتبہ فرمایا:

''خدا کی قسم! میں نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو۔ اگر میں نے ایسا کبھی پسند کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں۔ اے عبید اللہ بن عدی! (ان کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکہ نہ دے۔ اصحاب رسول ﷺ کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ نہ پیدا ہوا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا۔ اس نے وہ کہا جو نہیں کہنا چاہیے، وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہیے، اس طرح نماز پڑھی جس طرح نہیں پڑھنی چاہیے۔ ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال کے قریب تک نہ تھے۔'' (پوری تقریر امام بخاری نے جزء خلق افعال العباد میں نقل کی ہے)

اس اعلان سے زیادہ اس افواہ کے جھوٹے ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محاصرہ میں تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سالانہ دستور کے مطابق حج کو چلی گئیں۔ کسی

Marfat.com

کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اس طرح شہید کر دیا جائے گا۔ اس وجہ سے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی حج کے لیے مکہ مکرمہ چلی گئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حج سے فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں کہ راستہ ہی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ ذرا آگے آئیں تو دو جلیل القدر اور عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ ملے جو مدینہ طیبہ سے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ انھوں نے بیان کیا:

''ہم لوگ مدینہ طیبہ سے لدے پھندے بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں سے بھاگے چلے آئے ہیں اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ حیران وسرگرداں ہیں، نہ حق کو پہچان سکتے ہیں نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔''

سیدہ رضی اللہ عنہا یہاں سے واپس مکہ چلی آئیں۔ جب عام لوگوں کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو لوگ ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کے پاس آنے لگے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس قوم کی طرح کوئی قوم نہیں جو اس آیت کے حکم سے اعراض کرتی ہو کہ:

''اگر وہ مسلمان جماعتیں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ پس اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والی جماعت سے لڑو، یہاں تک کہ حکم الٰہی کی طرف وہ رجوع کرے تو دونوں میں صلح کرا دو۔'' (موطا امام محمد، باب التفسیر)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فطرتاً نہایت بلند حوصلہ، جری اور بہادر خاتون تھیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ (بخاری، باب حج النساء) حجاب کے حکم سے پہلے وہ غزوۂ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہو چکی تھیں۔ غزوۂ خندق میں جب مسلمان محصوری کی حالت میں تھے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا زنانہ قلعہ سے نکل کر جنگ کی حالت دیکھتی تھیں۔ (مسند احمد: ۶/۱۴۱)

سیدہ رضی اللہ عنہا دیکھ رہی تھیں کہ اس وقت اس گتھی کو سلجھانے والا اور کوئی نہیں، لہٰذا انھوں نے اصلاح بین المسلمین کے نظریہ کے تحت خود اس معاملہ کو سلجھانے کا بیڑہ اٹھایا۔ یہ حج کا موسم تھا، صرف حرمین کے ۶۰۰۰ آدمیوں نے آپ رضی اللہ عنہا کی آواز پر لبیک کہا۔ عرب کے دو رئیسوں ابن عامر اور ابن منبہ نے کئی لاکھ درہم اور سواری کے اونٹ مہیا کیے۔ فوج کی روانگی کی سمت متعین کرنے کے لیے سیدہ رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ پر مشورہ کے لیے ایک میٹنگ ہوئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی

Marfat.com

رائے مدینہ طیبہ کی طرف آنے کی تھی لیکن ایک مختصر مباحثہ کے بعد بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور عام مسلمانوں نے دور تک مشایعت کی۔ لوگ ساتھ چلتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے کہ ''اسلام پر کیا دردناک وقت آیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے اور مادر اسلام اور ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکلتی ہیں۔'' منزل کے اختتام پر تیس ہزار کی جمعیت ہوگئی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

سورۃ الاحزاب کی آیت میں فرمایا:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا، اور نماز قائم کرتی رہنا اور زکوۃ دیتی رہو اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتی رہو، اے نبی ﷺ کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تم کو خوب صاف ستھرا اور پاکیزہ رکھے۔'' (الاحزاب:۳۳:۳۳)

اس آیت میں ایک لفظ ہے ''قرن'' یہ جمع مؤنث، امر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ یا تو یہ قرار سے بنا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا، اے نبی ﷺ کی بیویو! اپنے گھروں میں برقرار رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ وقار سے بنا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہے کہ اپنے گھروں میں سکونت پذیر رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھروں سے باہر نہ نکلو۔ لیکن یہ حکم تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہے اور کسی بھی مسلمان عورت کے لیے شرعی ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عورت سراپا چھپانے کی چیز (واجب الستر) ہے۔

Marfat.com

جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکتا رہتا ہے۔
(ترمذی، رقم:۱۱۷۳، ابن خزیمہ، رقم:۱۶۸۵، ابن حبان، رقم:۵۵۹۸، معجم کبیر طبرانی، رقم:۱۰۱۱۵)

اس پر بعض حضرات کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جنگ جمل میں مسلمانوں کی قیادت کی اور آپ رضی اللہ عنہا گھر سے نکلیں، اور یہ بظاہر اس حکم کی مخالفت ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت مطلقاً نہیں ہے، ورنہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کو حج اور عمرہ کے لیے اپنے ساتھ نہ لے جاتے اور ان کو اپنے ساتھ غزوات میں نہ لے جاتے، اور ان کو والدین کی زیارت، بیماروں کی عیادت اور رشتہ داروں کی تعزیت کے لیے جانے کی اجازت نہ دیتے (کیونکہ یہ سورت سنہ ۵ھ میں نازل ہوئی ہے اور سنہ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ غزوہ بنو المصطلق میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے، اور اسی سال واقعۂ افک کے بعد آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والدین سے ملاقات کے لیے ان کے گھر جانے کی اجازت دی تھی، اور اسی سال عمرۃ الحدیبیہ میں آپ ﷺ دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، اور سنہ ۷ھ میں غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو لے گئے اور پھر اسی سال آپ ﷺ نے حدیبیہ کے عمرہ کی قضا کی اور اس سفر میں بھی آپ ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ساتھ لے گئے اور اسی طرح باقی غزوات میں بھی آپ ﷺ مختلف ازواج کو ساتھ لے گئے، اور سنہ ۱۰ھ میں آپ ﷺ حجۃ الوداع میں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ساتھ لے گئے۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مطلقاً گھروں سے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا گیا تھا۔) احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سرکار دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد حج کیا ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سمیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا: "یہ تمھارا حج ہے۔ اس حج کے بعد تم گھروں میں منحصر رہنا۔ پھر

Marfat.com

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اور سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تمام ازواج نے اس کے بعد بھی حج کیا، اور وہ دونوں یہ کہتی تھیں، اللہ کی قسم! جب سے ہم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ اس کے بعد ہم نے کسی سواری کو نہیں ہنکایا۔

(مسند احمد: ۶/۳۲۴، مسند البزار، رقم: ۱۰۷۷، مسند ابی یعلی، رقم: ۷۱۵۴)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اصلاح کے مقصد سے نکلی تھیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر سے حج کے لیے باہر نکلی تھیں اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئی تھیں، لیکن جب انھوں نے یہ سنا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گرد اکٹھے ہو رہے ہیں تو ان کو اس سے بہت سخت رنج پہنچا اور ان کو یہ خیال ہوا کہ اب مسلمانوں میں باہم فتنہ وفساد ہوگا اور قتل وخون ریزی تک نوبت پہنچے گی، اور اسی سوچ بچار میں تھیں کہ ان کے پاس سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ، سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے صحابہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے خوف سے مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ آ گئے کیونکہ قاتلان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے بہت خوش ہو رہے تھے اور اس پر بہت فخر کر رہے تھے اور برسر عام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے، اور ان کے عزائم یہ تھے کہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خیرخواہوں کو بھی انھی کی طرح شہید کر دیں، اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کی قدرت اور طاقت نہ تھی، اس لیے وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور سیدہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پناہ میں آ گئے۔ اور آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''مصلحت اس میں ہے کہ جب تک یہ قاتلین مدینہ میں ہیں اور یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے قصاص لینے یا ان کو دور کرنے پر قادر نہیں ہیں، اس وقت تک تم لوگ مدینہ واپس نہ جاؤ، سو تم کسی ایسے شہر میں رہو جس میں تم امن سے رہ سکو اور اس کا انتظار کرو کہ سیدنا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو قوت وشوکت حاصل ہو، اور وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لے سکیں، اور یہ کوشش کرو کہ وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مجلس سے نکل جائیں اور وہ ان سے قصاص لینے پر قادر ہوں تاکہ پھر کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے۔ ان حضرات

Marfat.com

کرام نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی رائے کو پسند کیا اور اس کی تحسین کی، اور انھوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کرنے کو پسند کیا کیونکہ وہاں مسلمانوں کا لشکر موجود تھا، اور انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بصرہ چلیں یہاں تک کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور امن کی فضا قائم ہو جائے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا معاملہ مستحکم اور منظم ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال یہ تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ ہوں گی تو ان کا زیادہ احترام ہوگا اور ان کی زیادہ طاقت ہوگی کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہونے کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کی محبوب ترین زوجہ محترمہ ہیں۔ خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی ہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اصلاح کے قصد سے اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حفاظت کے ارادہ سے ان کے ساتھ روانہ ہوگئیں، اور ان کے ساتھ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور آپ کے ساتھ جس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے وہ حکماً آپ کے محرم تھے اور آپ کے بیٹوں کے حکم میں تھے۔

(تاریخ ابن خلدون: ۲/۴۹۳۔۴۹۴ ملخصاً)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں مبتلا ہونے سے قبل حج کی نذر مان لی تھی اور انھوں نے نذر پوری نہ کرنے کو جائز نہیں سمجھا۔ اور اگر وہ فتنہ کی اس آگ سے بچ جاتیں تو بہتر ہوتا۔

باقی رہا ان کا جنگ جمل کی طرف جانا تو وہ جنگ کرنے نہیں گئی تھیں، لیکن مسلمانوں نے اس عظیم فتنہ کی ان سے شکایت کی کہ لوگ حرج میں مبتلا ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی برکت سے فریقین میں صلح کرا دیں، اور لوگوں کو امید تھی کہ فریقین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام کا احترام کریں گے اور ان کے حکم پر عمل کریں گے کیونکہ قرآن حکیم کی نص صریح کے مطابق وہ تمام مومنوں کی ماں ہیں، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات پر عمل کیا:

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ م بَيْنَ النَّاسِ﴾ (النساء ۴: ۱۱۴)

”ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوا اس شخص کو جو صدقہ دینے کا حکم دے یا کسی اور نیک کام کرنے کا یا لوگوں میں صلح

Marfat.com

کرانے کا۔‘‘

﴿وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات ۹:۴۹)

’’اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔‘‘

مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کا جو حکم ہے اس کے مخاطب تمام مسلمان ہیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، آزاد ہوں یا غلام۔ سو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس حکم کے موافق مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے حکم کی مکلّف تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم ازل میں یہ مقرر تھا کہ یہ صلح نہیں ہوگی۔ دونوں فریقوں کے درمیان بصرہ میں زبردست جنگ ہوئی جس سے قریب تھا کہ مسلمانوں کے دونوں فریق فنا ہو جاتے۔ پھر کسی شخص نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اور جب وہ اونٹ پہلو کے بل گر گیا تو محمد بن ابی بکر نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنبھال لیا اور ان کو بصرہ لے گئے۔ اس جنگ میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، اور اونٹ کے گرنے کے بعد ان کے لشکر کو شکست ہوگئی۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بصرہ کی تیس معزز خواتین کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ (تاریخ ابن خلدون: ۵۰۴/۱ ملخصاً)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نیکو کارہ تھیں، اللہ سے ڈرنے والی تھیں، نہایت پرہیز گار تھیں، مجتہدہ تھیں۔ انھوں نے اس معاملہ میں جو اجتہاد کیا تھا، وہ اس اجتہاد میں برحق اور صحت اور صواب پر تھیں، اور اس اجتہاد کے مطابق جو کچھ کارروائی کی وہ اس میں اجر و ثواب کی مستحق ہیں۔ اور ہم اصول میں بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آپس کے مناقشات، اختلافات اور ان کی لڑائیوں کی بہترین تاویل کرنی چاہیے اور ان کو صحت و ثواب پر محمول کرنا چاہیے۔

(احکام القرآن: ۵۶۹/۳۔۵۷۰)

امام قرطبی نے بھی اس بات کو اسی طرح نقل کر دیا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۶۳/۱۴)

باقی رہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا: یہ تمھارا حج ہے، اس کے بعد تم گھروں میں منحصر رہنے کو لازم کر لینا۔ پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کے

Marfat.com

علاوہ باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس کے بعد بھی حج کیا، اور وہ دونوں یہ کہتی تھیں: ''اللہ کی قسم! جب سے ہم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے، اس کے بعد ہم نے کسی سواری کو نہیں ہنکایا۔'' (مسند احمد: ۳۲۴/۶، مسند البزار، رقم: ۱۰۷۷، مسند ابی یعلی، رقم: ۷۱۵۴)

اور امام عبد بن حمید اور امام ابن المنذر نے امام محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: ''کیا وجہ ہے کہ آپ اس طرح حج اور عمرہ نہیں کرتیں جس طرح آپ کی دیگر صواحب کرتی ہیں؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں، اور مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے گھر میں ٹھہری رہوں۔ پس اللہ کی قسم! تاحیات اس گھر سے نہیں نکلوں گی۔ امام محمد بن سیرین نے کہا: ''پس اللہ کی قسم! وہ اپنے حجرہ سے نہیں نکلیں حتیٰ کہ حجرہ سے ان کا جنازہ نکالا گیا۔ (الدر المنثور: ۵۲۹/۶)

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا حج کے لیے اپنے حجروں سے نہ نکلنا، ان کے اجتہاد پر مبنی تھا جیسا کہ دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حج کے لیے اپنے حجروں سے نکلنا ان کے اجتہاد پر مبنی تھا۔ آپ ﷺ کے فرمان میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اس کے بعد تم کبھی حج نہ کرنا اور کسی حاجت شرعی کے باوجود گھروں سے نہ نکلنا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حج کے لیے نہ جاتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر خاموش نہ رہتے، بلکہ کتابوں سے تو یہ ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو حج کے لیے روانہ کیا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ان کے ساتھ بھیجا، اور ان سے فرمایا کہ دونوں ان کے نیک فرزندوں کے حکم میں ہو، تم میں سے ایک ان کے آگے رہے اور ایک ان کے پیچھے رہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ تو یہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حج کے جواز پر اجماع سکوتی ہو گیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک غلط روایت:

طبری اور اس کی پیروی میں دوسرے کئی مؤرخین نے ایک روایت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نقل کی ہے کہ مکہ مکرمہ سے بصرہ جاتے وقت جب یہ لوگ ایک بستی یا چشمہ کے قریب سے گزرے جس کا نام ''حواب'' تھا تو وہاں کے کتوں نے بھونکنا شروع کر

Marfat.com

دیا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ اس کا نام "حواب" ہے۔ یہ نام سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور واپس جانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ سے واپسی کی وجہ پوچھی گئی تو جواب میں فرمایا: میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو اپنی ازواج کو یہ فرماتے سنا کہ "نہ معلوم تم میں سے کون ہوگی جس پر "حواب" کے کتے بھونکیں گے۔"

(طبری: ۴۷۵/۳، ابن اثیر: ۲۱۰/۳، مناقب آل ابی طالب: ۱۴۹/۳، مروج الذہب: ۲۵۷/۲)

یہ روایت سراسر غلط اور موضوع ہے اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو اقدام قصاص میں مطعون کرنے کے لیے اس کو وضع کیا گیا۔ طبری نے ان کے جن راویوں کا ذکر کیا ہے وہ سارے کے سارے مجہول ہیں، اور ان میں سے اکثر و بیشتر ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کا کام ہی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بدگمانی کے جراثیم پیدا کرنا ہے۔ مکہ مکرمہ سے بصرہ تک راستہ میں ۲۱ منزلیں ہیں، لیکن ان میں سے کسی منزل کا نام "حواب" نہیں ہے اور نہ ہی کوئی بستی یا چشمہ اس نام سے موسوم ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ "حواب" میں سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے قافلہ پر کتے بھونکے تھے، سراسر غلط اور روایت و درایت کی رو سے باطل ہے اور یہ روایت دشمنان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی گھڑی ہوئی ہے۔ کتابوں کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ دشمنان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اپنی کتابوں میں اس قسم کی بے سروپا باتیں لکھی ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے اپنی کتاب میں یہاں تک لکھ دیا:

وعیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہ و حفصہ آنحضرت رابزہر شہید کردند۔

عیاشی نے سند معتبر کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت جعفر صادق نے کہا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت (ﷺ) کو زہر دے کر شہید کیا تھا۔

حدیث حواب کے لیے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب: ۳۳۶/۸، الکامل فی ضُعفاء الرجال: ۵۲۸/۱، میزان الاعتدال: ۱۳۴/۳، اس روایت کے تمام راوی شیعہ، مجہول الاسم اور ضعیف ہیں جن کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

(حیات القلوب: ۸۷۰/۲)

Marfat.com

غرضیکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس فوج کی پیش قدمی کا حال سن کر بصرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے چل پڑے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے بعض نے کہا کہ آپ آگے بڑھیں تاکہ مسلمان آپ کو دیکھیں تو شاید اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح کرا دے۔

(مسند احمد: ۶/۵۲)

اس روایت اور اس قسم کی دوسری کئی ایک روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیش قدمی اور جماعت بندی سے مقصود اصلاح اور صلح کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اب بصرہ کے قریب پہنچ کر واقعہ کی اطلاع کے لیے چند اشخاص کو بصرہ روانہ کیا۔ شہر کے عرب سرداروں کو خطوط لکھے اور بصرہ پہنچ کر بعض رئیسوں کے گھر بھی گئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عثمان بن حنیف بصرہ کے گورنر تھے۔ انھوں نے عمران اور ابو الاسود کو تحقیق احوال کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے آنے کا مقصد سنا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی باتوں سے عمران پر یہ اثر ہوا کہ اس نے جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

دونوں طرف مخالفت اور موافقت کا تلاطم برپا تھا۔ یہ دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا نے ایک نہایت پرجوش اور فصیح و بلیغ تقریر کی۔ تقریر اس قدر موثر تھی کہ لوگ ہمہ تن گوش تھے اور ہر شخص بے اختیار یہ کہہ رہا تھا۔ ''بخدا! آپ رضی اللہ عنہا سچ فرماتی ہیں۔'' اور اپنی صف سے نکل کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی اصلاح طلب فوج میں جا کر کھڑا ہو رہا تھا۔ گورنر بصرہ کے حامیوں اور طرفداروں میں جن لوگوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی تقریر سن کر اپنی رائے بدل لی تھی وہ بھی اپنی جماعت کو چھوڑ کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں چلے آئے۔

دوسرے روز دونوں طرف سے فوجیں آراستہ ہو کر میدان میں آئیں۔ حکیم نامی ایک شخص گورنر بصرہ کی فوج کا افسر تھا۔ اس نے خود جنگ میں پیش قدمی کی۔ اصلاح طلب فوج اب تک نیزے تانے خاموش کھڑی تھی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا انھیں برابر سکون و تحمل کی تاکید فرما رہی تھیں لیکن حکیم کسی طرح باز نہ آیا۔ اصلاح طلب پھر بھی ہاتھ روکے رہے۔ حکیم نے اپنے سواروں کو للکارا کہ یہ قریش ہیں۔ ان کی نامردی ان کو خود موت کے منہ میں لے جائے گی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کر کے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور دوسرے میدان میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا مقصد صرف اور صرف اصلاح بین المسلمین تھا اور وہ

Marfat.com

کشت وخون سے ہر ممکن گریز کر رہی تھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے سات سو آدمی لے کر چلے تھے۔ کوفہ سے سات ہزار آدمی ان کے ساتھ ہو لیے۔ بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کی جمعیت ہو گئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تیس ہزار آدمی تھے۔ دونوں فوجیں میدان میں آمنے سامنے خیمہ زن ہوئیں۔ ہر مسلمان کا دل خون تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنوں کے سر اڑاتی تھیں اب خود دوستوں بلکہ بھائیوں کے سر وسینہ کو زخمی کریں گی۔ کوفہ کے بعض رئیسوں نے اپنے بصرہ کے قبائل کے پاس جا کر اس فتنہ سے کنارہ کشی کی دعوت دی۔ ان سب نے بیک آواز کہا: ''کیا ہم ام المومنین رضی اللہ عنہا کو تنہا چھوڑ دیں۔''

اب دونوں طرف سے بعض لوگوں نے باہمی صلح کے لیے کوششیں شروع کیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ معاملہ جنگ تک طول کھینچے کیونکہ سبائی دونوں کو آپس میں لڑانا چاہتے تھے۔ صلح جو حضرات کی کوششیں بار آور ہونا شروع ہوئیں اور سب نے صلح پر رضا مندی ظاہر کی اور سب حضرات نے مل کر باہم فیصلہ کر لیا۔

اب ہر فریق مطمئن ہو گیا اور جنگ وجدل اور کشت وخون کا خیال یک قلم ان کے دلوں سے محو ہو گیا۔ صلح کے استحکام اور دیگر معاملات آسانی اور آشتی کے ساتھ طے ہو جانے میں کوئی شک اور تردد نہ رہا لیکن قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کا جو فاسد عنصر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھا، اس نے دیکھا کہ اگر حقیقت میں صلح وآشتی ہو گئی تو ہم محفوظ نہیں رہ سکتے۔ پھر ہمارا وہ پلان جو برسوں کی محنت سے اسلام کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لیے بنایا تھا سب بکھر جائے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سبائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ دونوں طرف کے صلح جو اور اصلاح طلب حضرات تو نہایت اطمینان کی نیند سو رہے تھے کیونکہ انھیں پورا یقین تھا کہ اب سارے اختلافات طے ہو جائیں گے لیکن سبائیوں کے لیے یہ رات نہایت بے اطمینانی کی رات تھی کہ اگر ان کی صلح اور شرائط صلح کی توثیق ہو گئی تو پھر مملکت اسلامیہ میں ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں اور ملک کا کوئی گوشہ ہمیں پناہ دینے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ چنانچہ انھوں نے باہمی مشورہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر پر پیش دستی کر کے حملہ کر دیا جبکہ وہ رات کے پچھلے پہر آرام کی نیند سو رہا تھا۔ دفعتاً ان چند شراروں نے ہر جانب آگ لگا دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو روک رہے تھے مگر کوئی نہیں سنتا تھا بلکہ ہر شخص بدحواس ہو کر ہتھیار کی طرف جھپٹ رہا تھا۔ ہر فریق کے

Marfat.com

رئیس یہ سمجھے کہ دوسرے نے غفلت پا کر بدعہدی کی ہے۔

یہ تلاطم اور شمشیر و سنان کی یہ جھنکار سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے تک جاری رہی۔ شور وغل سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا ہے؟ بتایا گیا کہ لوگوں نے جنگ شروع کر دی ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ہمارے لشکر پر حملہ کر دیا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ وہ تو اصلاح بین المسلمین کے جذبہ کے تحت آئی تھیں۔ بصرہ کے قاضی کعب بن مسور نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے آکر عرض کیا کہ آپ سوار ہو کر چلیں۔ شاید آپ کی وجہ سے لوگ قتل وقتال سے رک کر صلح کر لیں۔ چنانچہ پھر امت کی یہ ماں اصلاح و صلح کے جذبہ کو لے کر ایک آہنی ہودج میں اونٹ پر سوار ہو کر اپنی فوج کے قلب میں آئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سب حضرات اس جنگ کو روکنے کی کوشش فرما رہے تھے کیونکہ یہ بدر واحد کے ہیرو آپس میں دست وگریبان نہیں ہونا چاہتے تھے۔ انھیں کوششوں میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ دونوں نے سبائیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ دوپہر تک تو یہ جنگ نہایت خوفناک طریقے سے جاری رہی، لیکن دوپہر کے بعد سیدہ رضی اللہ عنہا کی فوج کا پہلو کمزور ہو گیا کیونکہ ایک تو اس کے دو بہت بڑے فوجی جرنیل سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ دوسرے اس لشکر پر رات کو سوتے وقت اور غفلت میں سبائیوں نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ تیسرے یہ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے سپاہی فریق مخالف کے سر و سینہ کو بچا کر صرف ہاتھ پاؤں پر وار کرتے تھے کیونکہ وہ ہر ممکن طریق سے ان کی جانوں کو بچانا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے بھائیوں کو قتل کریں۔ کیونکہ ان کا مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا، لیکن سبائیوں کی کوشش اس کے بالکل برعکس تھی۔ چنانچہ ہر جگہ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کا ڈھیر تھا۔ سبائیوں کا ارادہ تھا کہ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہاتھ آگئیں تو وہ ان سے سخت تحقیر کے ساتھ پیش آئیں گے۔ چنانچہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ صرف سیدہ رضی اللہ عنہا پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے (یہی لوگ جب خوارج بن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہوئے تو ان پر جو الزامات انھوں نے قائم کیے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ تم اپنی ماں کو لونڈی بنانا چاہتے تھے) لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کے طرف داروں اور حامیوں نے ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر ان کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ مصری قبائل اور ان میں بھی بنو عدی اور بنو ضبہ کے آدمی

Marfat.com

جوش سے بپھرے ہوئے تھے۔ ادھر سے دشمنوں کا ریلہ تھا اور ادھر سیدہ رضی اللہ عنہا کے دائیں بنو بکر بن وائل، بائیں ازد اور سامنے بنو ناجیہ مادر اسلام کی عزت و احترام کے تحفظ کے لیے اپنی اپنی جانیں فرزندانہ فدویت کے ساتھ قربان کر رہے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ آہنی ہودج تیروں کی پیہم اور مسلسل بارش سے چھلنی ہو رہا تھا اور پُر جوش بیٹے آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے اس ریلے کو پیچھے ہٹا رہے تھے۔ بنو ازد قبیلے لے لوگ بہ آوازِ بلند اشعار پڑھ رہے تھے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اے ہماری ماں، اے ہماری بہترین ماں جس کو ہم جانتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہا نہیں دیکھتیں کہ کتنے بہادر زخمی کیے گئے اور ان کے سر اور ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔''

اب یہ شور تھا کہ جب تک اونٹ کو مار کر نہ بٹھا دیا جائے گا جنگ ختم نہ ہوگی لیکن بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لیے ہوئے تھے۔ حملہ آوروں میں سے جو شخص ادھر کا رخ کرتا واپس نہ آتا۔ بنو ضبہ کی زبان پر بھی چند اشعار تھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) ہم ضبہ کے فرزند ہیں، بھاگیں گے نہیں جب تک سروں کو گرتے اور ان سے سرخ خون کو بہتے نہ دیکھ لیں۔

(۲) اے ہماری ماں! اے عائشہ رضی اللہ عنہا! گھبرائیے نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے سب بیٹے دلیر اور بہادر ہیں۔

(۳) اے ہماری ماں! اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی! اے بابرکت اور ہدایت یاب شوہر کی بیوی!

ان کا سب سے زیادہ پُر جوش اور قوی نعرہ یہ تھا:

نحن بنو ضبه اصحاب الجمل
الموت احلی عندنا من العسل

''ہم بنو ضبہ ہیں اور اس اونٹ کے پاسبان ہیں۔ موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے۔''

نحن بنو الموت اذ الموت نزل
ننعی ابن عفان باطراف الاسل

Marfat.com

''ہم موت کی آغوش میں پلے ہیں اور جب موت نازل ہوتی ہے تو ہم عفان کے بیٹے عثمان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر کا اعلان نیزوں کی نوکوں سے کرتے ہیں۔''

تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ بنوضبہ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کا ایک ایک آدمی آگے بڑھتا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر کھڑا ہو جاتا۔ وہ کام آتا تو دوسرا اس فرض کو انجام دینے کے لیے آگے بڑھتا۔ وہ مارا جاتا تو تیسرا دوڑ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لیتا۔ اسی طرح ۷۰ آدمیوں نے اپنی جانیں دیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پاس کھڑے تھے۔ دشمنوں میں جو بھی اونٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ان کی شمشیر تابدار اس کا ہاتھ اڑا دیتی۔ کہتے ہیں کہ فضا میں گلیوں کی طرح ہاتھ اڑ رہے تھے۔ بنوضبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بھی شریک تھے۔ یہ دیکھ کر کہ اونٹ اگر نظروں سے اوجھل نہ ہوا تو ہمارا قبیلہ اسی طرح کٹ کٹ کر مر جائے گا، ایک ضبی نے پیچھے سے آ کر اونٹ کی کونچوں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور محمد بن ابی بکر نے دوڑ کر ہودج کو سنبھالا۔ محمد بن ابی بکر نے اندر ہاتھ لے جا کر دیکھنا چاہا کہ کہیں زخم تو نہیں آیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے ڈانٹا کہ یہ کس ملعون کا ہاتھ ہے۔ محمد بن ابی بکر نے کہا: تمھارے بھائی محمد کا۔ کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم محمد نہیں مذمم ہو۔ اتنے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ انھوں نے خیریت دریافت کی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھی ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کے حامی ایک بصری رئیس کے ہاں اتارا اور سیدہ رضی اللہ عنہا کی فوج کے تمام زخمیوں نے اسی گھر کے ایک ایک گوشہ میں آ کر پناہ لی۔ چند دنوں کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے محمد ابن ابی بکر کی نگرانی میں ۴۰ معزز عورتوں کے ساتھ سیدہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا۔ خود بھی دور تک مشایعت کی۔ چلتے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھ کو علی رضی اللہ عنہ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی اور نہ اب ہے۔

مدینہ پہنچ کر سیدہ رضی اللہ عنہا پھر بدستور روضۂ نبوی ﷺ کی مجاور رہیں اور لوگوں کو دین و شریعت کی تعلیم دیتی رہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت صرف چار برس ہے۔ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ اور پھر انھوں نے زمام خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور وہ تقریباً بیس برس اسلامی مملکت کے اکیلے خلیفہ رہے۔ ان کی مدت خلافت کے اختتام سے دو برس قبل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ اس حساب سے انھوں نے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں

Marfat.com

اپنی زندگی کے اٹھارہ سال بسر کیے۔ یہ سارا زمانہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا قریباً خاموشی ہی میں گزرا ہے لیکن دو تین بار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض امور کے بارے میں مشورہ دیا۔

وفات:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں جب کہ سیدہ کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی آپ ۱۷، رمضان المبارک ۵۸ھ میں چند روز بیمار رہ کر اس دار فانی سے انتقال فرما گئیں۔

امام ابن جوزی نے ۶۶ سال عمر لکھی ہے (تلقیح فهوم اهل الاثر: ص ۲۰) ذہبی نے ۶۳ سال (سیر اعلام النبلاء: ۱۹۳/۶) اور ابن قتیبہ نے ۷۰ سال کے قریب سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت عمر لکھی ہے۔ (المعارف: ص ۱۳۴)

سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا ہجوم کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اجتماع اور ازدحام دیکھ کر روز عید کے ازدحام کا گمان ہوتا تھا۔ (ابن سعد: ص ۵۲ جزء نساء)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جنازہ دیکھ کر فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت واجب ہے کیونکہ وہ حضور علیہ السلام کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ یہ حاکم کی روایت ہے لیکن مسند ابی داؤد الطیالسی میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''خدا عائشہ رضی اللہ عنہا پر رحمت فرمائے وہ اپنے باپ کے سوا حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دنوں مدینہ طیبہ کے قائم مقام گورنر تھے کیونکہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہوئے تھے، اس وجہ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیدہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عتیق، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یعنی بھتیجوں اور بھانجوں نے قبر میں اتارا۔ اس طرح علم و عرفان کا یہ سورج قبر کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

سارا مدینہ بلکہ پوری مملکت اسلامیہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے غم میں آبدیدہ تھی۔ ایک مدنی سے

Marfat.com

لوگوں نے پوچھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا۔ اس نے جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں اسی کو ان کا غم تھا یعنی تمام مسلمان مغموم تھے۔ (طبقات ابن سعد، جز والنساء: ص ۵۴)

سیدہ رضی اللہ عنہا نے کچھ متروکات چھوڑے جن میں ایک جنگل بھی تھا۔ یہ ان کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تبرکاً اس کو ایک لاکھ درہم میں خریدا۔ یہ پوری رقم سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دی۔ (بخاری، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ)

فضائل ومناقب:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس گھر میں جنم لیا، وہ سب سے پہلا گھر تھا جس نے اسلام کی آواز پر لبیک کہا۔ گھر کے درودیوار نور اسلام سے منور تھے۔ لہٰذا بچپن ہی سے سیدہ رضی اللہ عنہا مکارم اخلاق کا مجسمہ تھی۔ پھر جوانی کا زمانہ اس ذات اقدس کی صحبت میں بسر کیا جو خلق عظیم اور فضائل ومناقب کا منبع تھی۔ اس تربیت گاہ روحانی یعنی کاشانۂ نبوت نے پردگیان حرم کو حسن اخلاق اور فضائل ومناقب کے اس زینہ تک پہنچا دیا جو انسانیت کی روحانی ترقی کی آخری منزل تھی۔

عورت اور قناعت پسندی دو متضاد چیزیں ہیں لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کی ذات میں یہ دونوں اوصاف مجتمع تھے۔ اگرچہ ازدواجی زندگی نہایت عسرت اور فقر وفاقہ میں گزاری لیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں۔ اگرچہ فتوحات کا خزانہ سیلاب کی طرح اس طرف آ رہا تھا لیکن کبھی بھی ان کی طلب اور ہوس آپ رضی اللہ عنہا کو دامن گیر نہ ہوئی۔ کبھی بھی بیش بہا لباس، گراں قیمت زیور، عالیشان عمارت اور لذیذ خوانِ نعمت کی خواہش آپ رضی اللہ عنہا کے دل میں پیدا نہ ہوئی۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دفعہ انھوں نے کھانا طلب فرمایا۔ پھر فرمایا: ”مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا، خدا کی قسم، دن میں دو دفعہ کبھی سیر ہو کر آپ نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔“ (ترمذی)

حق تعالیٰ شانہ نے اولاد سے محروم رکھا تھا تو عام مسلمانوں کے بچوں اور زیادہ تر یتیموں کو لے کر پرورش کیا کرتی تھیں۔ ان کی تعلیم وتربیت کیا کرتی تھیں۔ ان کے شادی بیاہ کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک انصاری لڑکی کی پرورش کی اور اس کا بیاہ کیا۔ (مسند احمد: ۶/۲۶۹)

Marfat.com

مسروق بن اجدع، عمرہ بنت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت طلحہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ، اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی اور عبداللہ بن یزید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے پروردہ تھے۔ محمد بن ابی بکر کی لڑکیوں کی بھی انھوں نے ہی پرورش کی۔

آپ رضی اللہ عنہا کی روایتوں کی تعداد ہزاروں میں ہے لیکن ان میں کسی کی توہین اور بدگوئی کا ایک حرف نہیں۔ اپنی سوکنوں کی خوبیوں کو نہایت کشادہ پیشانی سے بیان فرماتیں۔ ایک دفعہ ایک شخص کا ذکر چلا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے منہ سے اس کے بارے میں کچھ نازیبا کلمات نکل گئے۔ لوگوں نے کہا ام المومنین رضی اللہ عنہا! اس کا تو انتقال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر فوراً اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔ جب اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”مرنے والوں کو بھلائی کے سوا یاد نہ کرو۔“

دل میں خوف خدا اور خشیت الٰہی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ رقت قلب کا مجسمہ تھیں۔ بہت جلد رونے لگتیں۔ ایک دفعہ دجال کا خیال کر کے اس قدر رقت طاری ہوئی کہ رونے لگیں۔ (مسند احمد: ۶/۷۵)

حجۃ الوداع کے موقع پر جب نسوانی مجبوری کی وجہ سے بعض فرائض کی ادائیگی میں مجبوری آ گئی تو اپنی محرومی پر بے اختیار رونے لگیں۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے تسلی دی تو قرار آیا۔ (بخاری: ۱/۲۴۰)

ایک مرتبہ ایک سائلہ ان کے دروازے پر آئی۔ دو ننھے ننھے بچے اس کے ساتھ تھے۔ اس وقت گھر میں کچھ نہ تھا۔ تین کھجوریں اس کو دلوا دیں۔ سائلہ نے ایک ایک کھجور ان چھوٹے بچوں کو دی اور ایک اپنے منہ میں ڈال لی۔ بچوں نے اپنا اپنا حصہ کھا کر نہایت حسرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ ماں نے اپنے منہ سے کھجور نکال کر وہ بھی آدھی آدھی ان دونوں بچوں میں بانٹ دی اور خود کچھ نہ کھایا۔ ماں کی مامتا کا یہ حسرت ناک منظر دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا آبدیدہ ہو گئیں۔ (ابوداؤد الطیالسی: ص ۲۰۴)

جب دل میں خشیت الٰہی ہو تو عبادت الٰہی کرنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ چنانچہ رضی اللہ عنہا عبادت سے ایک خاص شغف رکھتی تھیں۔ چاشت کی نماز نہایت باقاعدگی سے پڑھا

Marfat.com

کرتی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر نماز تہجد ادا فرماتی تھیں۔

(مسند احمد: ۹۲/۶)

آپ کی وفات کے بعد بھی اس کی اس قدر پابند تھیں کہ اگر کبھی اتفاق سے رات کو آنکھ نہ کھلتی اور وقت پر نہ اٹھ سکتیں تو صبح اٹھ کر نماز فجر سے قبل تہجد ادا کر لیتیں۔ ایک مرتبہ اس موقع پر ان کے بھتیجے پہنچ گئے تو انھوں نے دریافت کیا: پھوپھی جان! یہ کیسی نماز ہے؟ فرمایا میں رات کو نہیں پڑھ سکی اور اب اس کو چھوڑ نہیں سکتی ہوں۔ (دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ)

اکثر روزے رکھا کرتیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں۔ عرفہ کے روزے کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ باوجود شدید گرمی کے روزہ افطار نہیں کیا اور یہ فرمایا کہ جب میں سرکار دو عالم ﷺ سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا سال بھر کے گناہ معاف کرا دیتا ہے تو میں روزہ کیسے توڑ دوں۔ (مسند احمد: ۱۲۸/۶)

حج کی شدت سے پابند تھیں۔ کوئی سال ایسا نہ گزرتا جس میں حج نہ کرتی تھیں۔

(بخاری، باب حج النساء)

پہلے یہ دستور تھا کہ حج کے بعد ذی الحجہ ہی میں عمرہ ادا فرماتی تھیں۔ بعد میں اس میں ترمیم کی۔ محرم سے پہلے وہ جحفہ میں جا کر ٹھہر جاتی تھیں۔ محرم کا چاند دیکھ کر عمرہ کی نیت کرتیں۔

(موطا امام مالک، باب قطع التلبیہ)

صحیح بخاری میں کوہ ثبیر پر قیام کا ذکر ہے۔ (بخاری، باب طواف النساء)

عرفہ کے دن روزہ سے ہوتیں۔ شام کو جب سب لوگ یہاں سے روانہ ہو جاتے تو افطار کرتیں۔ (موطا مالک، باب صیام یوم عرفہ)

منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی بچا کرتی تھیں۔ راستہ میں اگر کبھی ہوتیں اور گھنٹے کی آواز آتی تو ٹھہر جاتیں کہ کان میں اس کی آواز نہ آئے۔ (مسند احمد: ۱۵۲/۶)

ان کے گھر میں کچھ کرایہ دار تھے۔ وہ شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ آپ نے انھیں کہلا بھیجا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو گھر سے نکلوا دوں گی۔ (بخاری: ۲۳۲/۱)

ایک مرتبہ گھر میں سے ایک سانپ نکلا۔ اس کو مار ڈالا۔ کسی نے کہا کہ آپ نے غلطی کی ممکن ہے کہ یہ کوئی مسلمان جن ہو۔ فرمایا اگر یہ مسلمان ہوتا تو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے

Marfat.com

حجروں میں نہ آتا۔ اس نے کہا آپ رضی اللہ عنہا ستر پوشی کی حالت میں تھیں جب وہ آیا۔ یہ سن کر بہت متاثر ہوئیں اور اس کے فدیہ میں ایک غلام آزاد کیا۔ (مسند احمد: ج ۶)

غلاموں کی آزادی کا بھی بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ چالیس غلام آزاد کئے۔ آپ کے کل آزاد کردہ غلاموں کی تعداد کتابوں میں ۶۷ آتی ہے۔

(شرح بلوغ المرام، امیر اسماعیل، کتاب العتق)

بریرہ رضی اللہ عنہا نامی مدینہ میں ایک لونڈی تھی۔ اس کے مالکوں نے اسے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر تم اتنی رقم جمع کرا دو تو آزاد ہو۔ اس رقم کی فراہمی کے لیے اس نے لوگوں سے چندہ مانگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو پوری رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اس کو آزاد کر دیا۔ یہ واقعہ حدیث کی اکثر کتابوں میں مرقوم ہے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا پردہ کا خاص خیال رکھتی تھیں۔ آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکیدی فرض ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر چند بیبیوں نے عرض کیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا! چلئے حجر اسود کو بوسہ دے لیں۔ فرمایا تم جا سکتی ہو۔ میں مردوں کے ہجوم میں نہیں جا سکتی۔

(بخاری، باب طواف النساء)

کبھی دن کو طواف کا موقع پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرا لیا جاتا تھا۔

(مسند احمد: ۶/ ۱۱۷)

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی حالت میں بھی چہرہ پر نقاب پڑی رہتی تھی۔ (اخبار مکہ ازرقی: ۲/ ۱۰)

ایک غلام کو مکاتب کیا تھا۔ اس سے کہا کہ جب تمہارا زر فدیہ اتنا ادا ہو جائے تو میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتی۔ (مسند احمد: ۶/ ۸۵)

اسحاق تابعی نابینا تھے۔ وہ ایک مرتبہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پردہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا مجھ سے کیا پردہ میں تو نابینا ہوں۔ فرمایا اگر چہ تم مجھے نہیں دیکھتے لیکن میں تو تمھیں دیکھتی ہوں۔ (طبقات ابن سعد، جزء نساء: ص ۴۷)

اگرچہ شریعت اسلامیہ میں مُردوں سے پردہ نہیں لیکن جب آپ کے حجرہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو بغیر پردہ کے وہاں نہیں جاتی تھیں۔ اسلام نے اصلاح کے دو طریقے

Marfat.com

بتائے ہیں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرا رجال اللہ، اسی شے کو اس حدیث میں بیان کیا گیا جس کو امام مسلم نے کتاب الفضائل میں بیان کیا ہے:

اِنِّیْ تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ واھل بیتی۔

''میں تمھارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اہل بیت۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اشخاص کی کتاب اللہ کے بعد بھی ضرورت ہے جو اس کے اسرار و رموز کو حل کر سکیں اور اس کی علمی اور عملی تعبیر بتا سکیں۔ آپ کے بعد ان اشخاص کو آپ کے اہل بیت میں تلاش کرنا چاہیے۔ اہل بیت نبوت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک خاص مرتبہ حاصل تھا۔ اس وجہ سے کتاب اللہ کا ترجمان، سنت رسول ﷺ کا معبر اور احکام خداوندی کا معلم ان سے بہتر اور کوئی نہ تھا۔ عام لوگ رسول اللہ ﷺ کو صرف جلوت میں دیکھتے لیکن یہ جلوت و خلوت دونوں میں دیکھتی تھیں۔ اس وجہ سے علمی حیثیت سے آپ رضی اللہ عنہا کا پایہ بہت بلند تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف دوسری امہات المومنین رضی اللہ عنہن پر، نہ صرف خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بلکہ چند بزرگ صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر علمی فوقیت حاصل تھی۔ چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کے بارے میں ہم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس سے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔'' (ترمذی، مناقب عائشہ)

اسی طرح مشہور تابعی عطاء ابن ابی رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔'' (مستدرک حاکم)

امام زہری کا قول ہے کہ:

''اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ گیرائی اور گہرائی والا ہوتا۔'' (مستدرک حاکم)

محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

''ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بہت سی احادیث زبانی یاد رکھتی تھیں لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے برابر نہیں۔'' (طبقات ابن سعد: ۲/۱۲۶)

آپ کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور علم الانساب کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اور کسی کو عالم نہیں دیکھا۔'' (زرقانی: ۳/ ۲۲۷)

اسلام میں سب سے بڑا علم قرآن وحدیث کو جاننا اور سمجھنا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا قریباً ۲۰ برس کی عمر میں حریم نبوت میں داخل ہوئیں اور قریباً دس سال کاشانہ نبوت میں گزارے۔ قریباً نصف قرآن سرکار دو عالم ﷺ پر آپ کے وہاں رہتے ہوئے نازل ہوا۔ جو حصۂ قرآن سیدہ کے کاشانۂ نبوت میں آنے سے قبل نازل ہو چکا تھا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسے بھی بے خبر نہ تھیں اگرچہ وہ آپ رضی اللہ عنہا کی طفلانہ بے خبری اور لہوولعب کا عہد تھا۔ چنانچہ فرماتی ہیں کہ جب سورہ قمر کی فلاں آیت اتری تو میں کھیل رہی تھی۔ (بخاری، تفسیر سورہ قمر)

عادت یہ تھی کہ قرآن کی جس آیت کا مطلب سمجھ میں نہ آتا، خود سرکار دو عالم ﷺ سے دریافت فرما لیتیں۔ چنانچہ متعدد آیات کی نسبت احادیث میں ان کا سوال مذکور ہے۔ سرور کائنات ﷺ تہجد کی نماز میں قرآن حکیم کی بڑی بڑی سورتیں نہایت خشوع وخضوع اور غور وفکر سے تلاوت فرماتے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا ان نمازوں میں آپ ﷺ کے پیچھے ہوتیں۔ (مسند احمد: ۶/ ۹۲) اس وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا بھی ان سورتوں پر غور وفکر کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صحبت کی وجہ سے ایسے اسباب ومواقع فراہم فرمائے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی طرز قرات، محلِ معنوی، موقع استدلال اور طریقہ استنباط پر کامل عبور ہو گیا تھا۔ وہ ہر مسئلہ کے جواب کے لیے اکثر قرآن حکیم کی طرف رجوع فرماتیں۔ ایک مرتبہ چند حضرات آئے، انھوں نے عرض کیا ام المومنین رضی اللہ عنہا! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ اخلاق بیان فرمائیں۔ فرمایا: ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔'' پھر دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی رات کی عبادت کا کیا طریقہ تھا؟ فرمایا ''کیا سورہ مزمل نہیں پڑھی؟'' (ابوداود، باب قیام اللیل، مسند احمد: ۶/ ۵۴)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تفسیر قرآن کا حصہ آخر میں یکجا کر دیا ہے، اگرچہ وہ مختصر ہے تاہم جو کچھ ہے اس میں زیادہ تر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات

Marfat.com

ہیں۔ بہر حال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیری روایات کم نہیں ہیں بلکہ شاید سب سے زیادہ ہیں۔ اس سے قرآن حکیم کے بارے میں ان کے فہم وادراک کا پتہ چلتا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ بخاری، باب وجوب الصفاء والمروہ، صحیح مسلم التفسیر بخاری، تفسیر سورہ نساء، مسند احمد: ۲۰۶/۵ وغیرہ۔)

علم وحدیث اور سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کی مرویات:

علم حدیث کا موضوع دراصل ذات نبوی ﷺ ہے۔ اس لیے اس فن کی واقفیت کے ذرائع سب سے زیادہ اس کو حاصل تھے جس کو سب سے زیادہ آپ ﷺ کا تقرب حاصل تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قدرتاً اس قسم کے زیادہ مواقع مل سکتے تھے۔ ہجرت سے تین برس پہلے ان کا نکاح ہوا تھا۔ اس اثناء میں قریباً روزانہ سرکار دو عالم ﷺ ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔ ہجرت کے بعد چھ ماہ تک وہ زیارت نبوی ﷺ سے محروم رہیں۔ شوال میں رخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں آئیں۔ اس وقت سے لے کر حضور علیہ السلام کے انتقال تک اس ذات اقدس ﷺ سے الگ نہ ہوئیں۔ جلوت وخلوت میں آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک قول کو اپنی فطری ذہانت اور قوتِ حافظہ سے کوزۂ ذہن میں محفوظ رکھا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی روایت کی ہوئی احادیث کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ نہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، نہ صرف عام عورتوں بلکہ مردوں میں بھی چار پانچ کے سوا کوئی ان کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پایہ، شرف صحبت، اختصاص کلام اور قوت فہم وذکاء میں اگرچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت بلند تھا لیکن ایک تو قدرتاً بیوی کو جو کچھ مہینوں میں معلوم ہو سکتا ہے، احباب خاص کو برسوں میں بھی اس کی واقفیت نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ان بزرگ حضرات کو حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد خلافت کے عظیم الشان فرائض اور مہمات میں مصروف رہنا پڑا، اس لیے ان کو حدیث کی روایات کی بہت کم فرصت ملی۔ اس وجہ سے روایت حدیث کا فرض دوسرے فارغ البال لوگوں نے انجام دیا۔

کثیر الروایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی روایات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے سات ہیں:

Marfat.com

①	سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	تعداد مرویات	۵۳۶۴
②	سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	....	۲۶۶۰
③	سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	....	۲۶۳۰
④	سیدنا جابر رضی اللہ عنہ	....	۲۵۴۰
⑤	سیدنا انس رضی اللہ عنہ	....	۲۶۸۶
⑥	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا	....	۲۲۱۰
⑦	سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ	....	۲۲۷۰

کثرت روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھٹا نمبر ہے۔ جن بزرگوں کا نام ان سے اوپر ہے ان میں سے اکثر ان کے بعد بھی زندہ رہے اور ان کی روایات کا سلسلہ اس وجہ سے چند سال اور جاری رہا۔ علاوہ ازیں سیدہ رضی اللہ عنہا ایک پردہ نشین خاتون تھیں۔ وہ اپنے مرد معاصرین کی طرح ہر مجلس میں نہ جاسکتی تھیں اور نہ طالب علم ان کے پاس ہر وقت پہنچ سکتے تھے اور نہ ان بزرگوں کی طرح مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کا گزر ہوا۔ ان تمام باتوں کو اگر ذہن میں رکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا کی روایات کو دیکھا جائے تو ان کی حیثیت ان سبع سیاروں میں سب سے زیادہ روشن نظر آئے گی۔

گزشتہ سطور سے معلوم ہو چکا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی کل تعداد ۲۲۱۰ ہے جن میں سے بخاری اور مسلم میں ۲۸۶ احادیث ان کی روایت سے داخل ہیں۔ ان میں سے ۱۷۴ احادیث دونوں میں مشترک ہیں۔ ۴۵ احادیث صرف بخاری میں اور ۵۸ صرف مسلم میں ہیں۔ اس حساب سے بخاری میں ان کی ۲۲۸ اور مسلم میں ۲۳۲ احادیث ہیں اور بقیہ احادیث حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔ مسند احمد بن حنبل کی چھٹی جلد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات کی بہت بڑی تعداد مرقوم ہے جو مصر کی مطبوعہ باریک ٹائپ کے ۲۵۳ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اگر ان کو الگ ایک کتاب میں مرتب کیا جائے تو ایک بہت بڑی کتاب تیار ہوسکتی ہے لیکن محض روایات کی کثرت ان کی فضیلت کا سبب نہیں۔ اصل شے دقیقہ رسی اور نکتہ فہمی ہے۔ مکثرین روایتوں میں جن بزرگوں کے نام داخل ہیں، ان میں سے پانچ حضرات اصولیین کے نزدیک صرف روایت کش سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا شمار فقہائے صحابہ میں نہیں ہے۔ فقہی اجتہاد

Marfat.com

اور غیر منصوص مسائل کا استنباط کرنے میں ان سات حضرات میں سے سیدہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو روایات کی کثرت کے ساتھ تفقہ، اجتہاد، فکر اور قوت استنباط میں بھی ممتاز تھے۔ تفقہ اور قوت استنباط کے علاوہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی روایتوں میں ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں اکثر ان کے علل و اسباب بھی بیان کرتی ہیں اور وہ خاص حکم کن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ان کی تشریح بھی فرماتی ہیں۔ بخاری، مسلم اور مسند احمد جلد ۶ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

علمی حیثیت سے کتاب وسنت بمنزلہ دلائل کے ہیں اور فقہ ان دلائل کے نتائج اور مستنبطات کا نام ہے۔ فقہ و قیاس میں بھی سیدہ رضی اللہ عنہا کا پایہ بہت بلند تھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن حکیم پر نظر کرتی تھیں۔ اگر اس میں ناکامی ہوتی تو پھر احادیث کی طرف رجوع کرتیں۔ پھر ان کے نزدیک قیاس عقلی کا درجہ تھا۔

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصلحتوں پر مبنی ہیں لیکن ان مصلحتوں پر بندوں کا مطلع ہونا ضروری نہیں۔ بعض مواقع پر حق تعالیٰ شانہ نے ان مصلحتوں کو بیان بھی فرما دیا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ نے جو احکام دیئے ان کی مصلحتیں کبھی خود ظاہر فرما دیں اور کبھی کسی نے پوچھا تو اسے بتا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو لوگ شریعت کے راز دان تھے وہ بھی ان نکتوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہم کو اس علم اسرار دین میں بھی حظ وافر عطا ہوا تھا۔ چنانچہ کئی مواقع پر آپ رضی اللہ عنہا نے ان مصالح کو بیان بھی فرمایا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں عورتیں بے تکلف مسجد نبوی ﷺ میں آتی تھیں اور جماعت کی نماز میں مردوں اور بچوں کے پیچھے ان کی صف ہوتی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ کا بھی تاکیدی حکم تھا کہ ان کو مسجد میں آنے سے روکا نہ جائے لیکن عہد نبوت کے اختتام کے بعد مال و دولت کی فراوانی اور غیر قوموں کے اختلاط نے ان کی سادگی، بے تکلفی اور پاکیزہ نفسی میں خلل ڈال دیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا: ”اگر آج سرکار دو عالم ﷺ زندہ ہوتے اور عورتوں نے اب جو جدتیں پیدا کر لی ہیں ان کو دیکھتے تو ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔“ (بخاری، باب خروج النساء الی المساجد)

یہ ایک جزوی واقعہ ہے لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شریعت

Marfat.com

کے احکام مصالح اور حکم پر مبنی ہیں اور ان کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔

جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے لیکن اس وجوب کے سبب کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''لوگ اپنے گھروں سے اور مدینہ کی باہر کی آبادی سے جمعہ کی نماز میں آ کر شریک ہوتے تھے۔ وہ گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہوتے تھے۔ ان کے جسم پر پسینہ چلتا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی آپ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ اس وقت میرے ہاں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اس دن کے لیے تم نہا لیتے۔''

(بخاری، کتاب الغسل)

وہ نمازیں جو چار رکعت پر مشتمل ہیں سفر کی حالت میں صرف دو ادا کی جاتی ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کر دی گئی ہیں لیکن اصل بات سیدہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں:

''مکہ میں دو دو رکعت نماز فرض تھی۔ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار رکعت فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی حالت پر چھوڑ دی گئی یعنی وہ اصل دو رکعت رہ گئی۔''

(بخاری، باب الہجرۃ)

ہجرت کے بعد نمازوں میں جب دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو مغرب میں تین رکعتیں کیوں رہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا اس کا جواب یوں ارشاد فرماتی ہیں:

''مغرب کی رکعتوں میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی نماز وتر ہے۔''

(مسند احمد: ۶/۲۴۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صبح کی نماز میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں دو کے بجائے زیادہ رکعتیں ہونی چاہئیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا اس بارے میں فرماتی ہیں:

''نماز فجر میں بھی رکعتوں کا اضافہ نہ ہوا کیونکہ صبح کی دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں۔'' (مسند احمد: ۶/۲۴۱)

رات کی نمازوں کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ (مسلم، باب صلوٰۃ اللیل)

Marfat.com

تراویح کی نماز بھی رات کی نماز ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں کبھی تیرہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ لیکن یہ روایت تہجد کے بارے میں ہے۔ رمضان میں ایک روز آپ ﷺ نے تراویح کی نماز پڑھی۔ آپ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ کر کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک ہو گئے۔ دوسرے روز اور زیادہ اجتماع ہو گیا۔ تیسرے روز اس سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ چوتھے روز اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی لیکن اس روز آپ ﷺ باہر تشریف نہ لائے، لوگ انتظار کر کے مایوس ہو کر چلے گئے۔ صبح کو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

''آج رات کو تمھاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر (تمھارے شوق کی وجہ سے) تراویح کی نماز فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو۔'' (بخاری، باب قیام رمضان)

لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی رحلت کے بعد جب کہ فرضیت کا گمان جاتا رہا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مواظبت کے ساتھ اس کو ادا فرمایا۔

اسی طرح بعض ناواقف حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ حج کے تمام ارکان مثلاً طواف کرنا، سعی کرنا یا کہیں قیام کرنا، کہیں کھڑا ہونا، کہیں کنکریاں پھینکنا ایک بے سود عمل ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے بارے میں فرماتی ہیں:

''خانہ کعبہ اور صفا مروہ کا طواف اور کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کی یاد قائم کرنے کے لیے ہے۔'' یعنی اصل مقصود یہ اعمال نہیں بلکہ یہ مقامات یادِ الٰہی کے مقامات ہیں۔

کعبہ کی ایک طرف کی دیوار کے باہر کچھ جگہ نیم دائرہ کی شکل میں چھوٹی ہوئی ہے اس کو حطیم کہتے ہیں۔ طواف بیت اللہ میں حطیم کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں۔ ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس راز کی عقدہ کشائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چاہی ہو لیکن کتب حدیث اس بارے میں خاموش ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہاں بھی اس سوال کا جواب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ فرماتی ہیں: ''میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! یہ دیواریں بھی بیت اللہ میں داخل ہیں؟'' فرمایا: ''ہاں۔ عرض کی پھر بناتے وقت

Marfat.com

لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہ کر لیا؟ فرمایا: ''تمھاری قوم کے پاس سرمایہ نہ تھا، اس لیے اتنا کم کر دیا۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے پھر پوچھا کہ ''اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟'' فرمایا: ''یہ اس لیے تا کہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔''

اب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک اور سوال کا جواب بھی رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمایا کہ آپ ﷺ نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''تیری قوم! اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اسے اساس ابراہیمی پر تعمیر کرتا۔'' یعنی چونکہ عام اہل عرب ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے بھڑک جائیں۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کعبہ کو ڈھا کر ابراہیمی اساس پر قائم کیا لیکن ان کی شہادت کے بعد امیر المومنین عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ یہ فعل عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے کیا تھا، ڈھا کر پھر قدیم ہیئت پر اس کو بنوا دیا، لیکن جب اس کو ثقات کی روایات سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی تعمیر ام المومنین رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ہوئی تھی تو اسے اپنی اس حرکت پر سخت ندامت ہوئی۔ (مسلم، باب نقض الکعبہ، مسند احمد: ۶/ ۲۴۷، ۲۵۳)

حجۃ الوداع میں سواری پر بیٹھ کر آپ ﷺ نے طواف کیا تھا۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ سواری پر بیٹھ کر طواف کرنا سنت ہے۔ چنانچہ بعض مجتہدین کا یہ مسلک ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے کسی خاص سبب سے ایسا کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تین حضرات نے اس کی تین وجوہات بتائی ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کہ آپ ﷺ بیمار تھے اس وجہ سے سوار ہو کر طواف فرمایا۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''آپ ﷺ نے ایسا اس لیے کیا کہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھ سکیں اور آپ ﷺ سے پوچھ سکیں کیونکہ ہجوم کے سبب سے آپ رضی اللہ عنہا لوگوں کو نظر نہ آتے تھے۔''

لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سبب سے ایسا کیا تھا کہ لوگوں کی بے انتہا بھیڑ تھی اور ہر شخص گویا اپنے کو آپ ﷺ کے پاس پہنچانا چاہتا تھا۔ کشمکش تھی، ہجوم تھا اور آپ ﷺ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ لوگوں کو زبردستی ہٹایا جائے، اس لیے آپ ﷺ سوار ہو گئے۔

Marfat.com

(مسلم میں کتاب الحج میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایتیں ہیں اور ابوداؤد میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو وجہ بتائی ہے کہ اس کو تسلیم کرنے میں تردد ہے کہ اگر آپ ﷺ واقعی بیمار ہوتے تو ایسا واقعہ نہ تھا جو صرف سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوتا بلکہ اس عام مجمع میں اس کا اعلان ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کے سبب کو اپنے اپنے فہم کے مطابق سمجھ کر ان صاحبوں نے بیان کیا ہے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا نہ صرف قرآن و حدیث کے علوم کو جاننے والی تھیں بلکہ تاریخ، ادب، خطابت اور شاعری میں بھی انھیں اچھی خاصی دستگاہ حاصل تھی۔ علم طب میں بھی ان کو خاصا دخل حاصل تھا۔ چنانچہ ہشام بن عروہ فرماتے ہیں:

''میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام یعنی فقہ، شاعری، عرب کی تاریخ اور علم الانساب کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم اور واقف کسی کو نہیں دیکھا۔''

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ترجمہ عائشہ)

سیدہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہا شعر کہتی ہیں تو میں نے مانا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں کہہ سکتی ہیں لیکن آپ رضی اللہ عنہا کو علم طب سے یہ واقفیت کیوں کر ہوئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ''سرکار دو عالم ﷺ آخر عمر میں بیمار رہا کرتے تھے۔ عرب کے طبیب آیا کرتے تھے جو وہ بتاتے تھے میں یاد کر لیتی تھی۔'' (مستدرک حاکم ومسند احمد: ۶/ ۶۷)

آپ کے والد ماجد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عرب کی تاریخ، ان کی رسوم اور قبائل کے باہمی انساب کی واقفیت میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ (مسند احمد: ۶/ ۶۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انھی کی بیٹی تھیں اس لیے ان علوم وفنون کی آشنائی ان کا خاندانی ورثہ تھا۔ عرب جاہلیت کی رسوم اور معاشرتی حالات کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات حدیث کی کتابوں میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبانی منقول ہیں، مثال کے طور پر عرب میں شادی کے کتنے طریقے تھے؟ طلاق کی کیا صورت ہوتی تھی؟ شادیوں میں کیا گایا جاتا تھا؟ ان کے روزہ کا دن کون سا تھا؟ قریش حج میں کہاں اترتے تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔

(ملاحظہ ہو بخاری کتاب النکاح، ترمذی کتاب الطلاق، المعجم الصغیر طبرانی، باب الحاء، مسند احمد: ۶/ ۲۴۴، بخاری، تفسیر ثم افیضوا من حیث افاض الناس، باب ایام الجاہلیت)

Marfat.com

اسلام کے بعض اہم تاریخی واقعات مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز وحی اور ابتدائے نبوت کے مفصل حالات، ہجرت کے تفصیلی واقعات، خود اپنے واقعہ افک کی من وعن تفصیلی کیفیت کو سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے لوگوں نے سنا اور یہ واقعات صحاح کی کتابوں میں دو دو تین تین صفحات پر مسلسل بیان ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم کیوں کر اور کس ترتیب سے نازل ہوا؟ نماز کی کیا کیا صورت اسلام میں پیدا ہوئی؟ یہ بھی انھوں نے ہی بتایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کی شروع سے اخیر تک کی مفصل کیفیت کو صرف سیدہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبان سے لوگوں نے جانا، آپ کے کفن کے کپڑے کتنے تھے اور کس قسم کے تھے؟ ان کا رنگ کیا تھا؟ انھی کے ذریعہ سے دنیا نے جانا۔

(ملاحظہ ہو بخاری، باب بداء الوحی، باب الہجرہ، حدیث الافک، تالیف القرآن اور باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ حدیث کی دوسری کتابوں میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبان ہی سے ان کی کیفیت بیان کی گئی ہے)

یہ تو خیر گھر کے اندر کی باتیں تھیں۔ میدان جنگ کے حالات بھی انھوں نے ہی ہم کو سنائے ہیں۔ بدر کے بعض واقعات، غزوۂ احد کی کیفیت، غزوۂ خندق کے بعض واقعات، غزوۂ بنی قریظہ کی بعض جزئیات، غزوۂ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے واقعات کے ضروری اجزاء، انھی کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوئے ہیں۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مبارکہ کے متعلق صحیح اور مفصل معلومات سیدہ رضی اللہ عنہا ہی نے ہمیں بہم پہنچائیں۔ آپ کی عبادت شبانہ، آپ کے خانگی مشاغل، آپ کے ذاتی اخلاق کا صحیح نقشہ، انھی نے ہمیں کھینچ کر دکھایا۔ پھر آپ کے انتقال کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اس کے بعد کے مفصل واقعات صحیح روایات کے ساتھ انھی سے ہم کو معلوم ہوئے۔

(ملاحظہ ہو مسند احمد: ۶/۱۵۰-۲۷۲-۱۴۱-۲۷۵-۱۸۲، بخاری، ذکر قریظہ، کتاب الحج، قیام اللیل، باب کیف یکون الرجل فی اہلہ، باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الفرائض، غزوہ خیبر وغیرہ)

سیدہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ان حالات کے بیان کرنے میں منفرد تھیں بلکہ خطابت میں بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔ طبری اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں آپ رضی اللہ عنہا کی وہ تقریریں مذکور ہیں جو جنگ جمل کے میدان میں انھوں نے کی تھیں۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بصرہ کے رہنے والے ایک تابعی ہیں، انھوں نے غالباً بصرہ میں ان کی تقریریں سنی ہوں گی، فرماتے ہیں کہ ''میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور اس وقت تک کے تمام خلفاء کی تقریریں سنی

Marfat.com

ہیں لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے جو بات نکلتی تھی اور اس میں جو خوبی اور بلندی تھی، وہ کسی کے کلام میں نہیں ہوتی تھی۔" (مستدرک حاکم ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا، امام احمد بن حنبل، کتاب الزہد)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شعر و سخن کا بھی اچھا خاصا مذاق رکھتی تھیں۔ ان کے والد ماجد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شعر و سخن کے جوہری تھے۔ اس لیے یہ فن آغوش پدری میں ہی انھوں نے سیکھا۔ ان کے شاگرد کہا کرتے تھے کہ آپ کی شاعری پر ہم کو تعجب نہیں اس لیے کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ (مسند احمد: ۶/ ۶۷، مستدرک حاکم، ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا)

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ "جو حاضر ہے وہ غائب تک پہنچائے۔" سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حکم کی تعمیل کی اور علم کو دوسروں تک پہنچایا۔ مدینہ طیبہ میں آپ رضی اللہ عنہا نے ساری زندگی علم دین کی نشر و اشاعت کی۔ پھر ہر سال حج کو جاتیں۔ کوہ حرا اور کوہ ثبیر کے درمیان سیدہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ نصب ہوتا تھا اور تشنگان علم جوق در جوق دور دراز کے ممالک سے آ کر آپ رضی اللہ عنہا کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ (مسند احمد: ۶/ ۹۷)

آپ رضی اللہ عنہا سے مستفیدین کی تعداد کم نہ تھی۔ مسند احمد بن حنبل میں قریباً دو سو حضرات کی روایات موجود ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن خالد جہنی، سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ بن عمرو الجرشی، سیدنا سائب بن یزید، سیدنا حارث بن عبداللہ وغیرہم۔ عزیزوں میں ام کلثوم بنت ابی بکر، عوف رضی اللہ عنہ بن حارث رضاعی بھائی، قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن محمد رضی اللہ عنہ دونوں بھتیجے، حفصہ بنت عبدالرحمٰن اور اسماء بنت عبدالرحمٰن بھتیجیاں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور قاسم بن زبیر رضی اللہ عنہ دونوں بھانجے وغیرہ ان سے علمی استفادہ کر چکے ہیں۔ تابعین میں ڈیڑھ دو سو نام ایسے ہیں جو ان سے خوشہ چینی کر چکے ہیں۔ حدیث کی روایت کے علاوہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد منصب افتاء بھی حاصل ہو گیا تھا اور اس منصب میں انھیں خاص مقام حاصل تھا۔ چنانچہ قاسم بن محمد فرماتے ہیں:

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں مستقل طور سے افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد آخر زندگی تک وہ برابر فتویٰ دیتی رہیں۔" (طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۲۶)

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان سے اکثر استفتاء فرماتے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق میں حکومت کرتے تھے لیکن اگر ضرورت پڑتی تو قاصد شام سے چل کر باب عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کھڑے ہو کر خلیفہ وقت کے لیے مسائل دریافت کرتا اور مواعظ و نصائح کا ذخیرہ چاہتا۔ (مسند احمد: ۶/۸۷، ترمذی، باب ماجاء فی حفظ اللسان)

بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معضلات امور میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے مسائل دریافت کرتے اور سیدہ رضی اللہ عنہا انھیں تسلی بخش جواب دیتیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں افطار کے وقت کی نسبت اختلاف تھا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ افطار کرتے تھے اور پھر فوراً ہی نماز مغرب کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دونوں میں تاخیر فرماتے تھے۔ لوگوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فیصلہ چاہا۔ دریافت کیا کہ ان دونوں میں تعجیل کون صاحب کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، فرمایا سرکار دو عالم ﷺ کی یہی عادت مبارک تھی۔

(مسند احمد: ۶/۴۸)

عراق، شام اور مصر سے مرد اور عورتیں فتوے لے لے کر آتے اور جواب سے تشفی پاتے۔ (ملاحظہ فرمائیں مسند احمد: ۶/ ۹۲-۹۵-۱۳۷-۲۵۸)

تلامذہ جو خدمت میں رہتے تھے لوگ اپنی غرض مندی سے ان سے تقرب حاصل کرتے تھے۔ عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''لوگ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہر شہر سے آتے تھے۔ عمر رسیدہ حضرات میرے ان کے تعلقات کی بنا پر مجھ سے ملنے آتے تھے۔ جوان آدمی مجھ سے برادرانہ و خواہرانہ رشتے قائم کر لیتے تھے۔ مجھ کو لوگ تحفے بھیجا کرتے تھے اور شہر شہر سے خط لکھتے تھے۔ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کرتی، خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور تحفہ آیا ہے۔ فرماتیں اس کا جواب لکھ دو اور بدلے میں تم بھی کچھ بھیجو۔''

(الادب المفرد للبخاری، باب الکتابۃ الی النساء)

ایک دفعہ ایک مجلس میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تشریف

Marfat.com

فرماتے تھے۔ مسئلہ یہ چل نکلا کہ اگر کوئی حاملہ عورت بیوہ ہوگئی اور چند روز کے بعد اس کو وضع حمل ہوا تو اس کی عدت کا زمانہ کس قدر ہوگا۔ قرآن حکیم میں دونوں کے الگ الگ احکام مذکور ہیں۔ بیوگی کے لیے چار مہینہ ۱۰ دن اور حاملہ کے لیے عدت کی مدت وضع حمل، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ان دونوں میں جو سب سے زیادہ مدت ہوگی وہ عدت کا زمانہ ہوگا۔'' سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''وضع حمل تک عدت کا زمانہ ہے۔'' دونوں حضرات میں کوئی فیصلہ نہ ہوسکا تو لوگوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آدمی بھیجا۔ انھوں نے عدت کا زمانہ وضع حمل تک بتایا اور دلیل میں سبیعہ کا واقعہ پیش کیا جن کو بیوگی کے تیسرے ہی روز ولادت ہوئی اور اسی وقت ان کو دوسرے نکاح کی اجازت مل گئی۔

(مسند احمد، مسند عائشہ رضی اللہ عنہا وام سلمہ رضی اللہ عنہا)

جمہور کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ بایں ہمہ علم وفضل اگر آپ کو کسی مسئلہ کے بارے میں مستند واقفیت نہ ہوتی یا اس مسئلہ کے بارے میں ان سے بہتر کوئی جواب دینے والا موجود ہوتا تو آپ مستفتی کو اس کے پاس جانے کا حکم دیتیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک سفر میں موزوں پر مسح کرنے کے متعلق استفسار کیا گیا۔ فرمایا: علی رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھو۔ وہ اکثر سفروں میں سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ رہے ہیں۔ (مسند احمد: ۶/۱۵۵)

علمی شعاعیں بکھیرنے کے ساتھ ساتھ سیدہ رضی اللہ عنہا دعوت وارشاد کی کرنیں بھی بکھیرتی تھیں۔ جب بھی کبھی غلط کام دیکھا تو اسی وقت آپ رضی اللہ عنہا نے فریضۂ دعوت وارشاد ادا کرنا شروع کر دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سازشوں کا جو جال پھیلا تھا اس میں دین کا تار و پود بکھر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا کا دل دکھتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کی جنگ جمل میں شرکت بھی اسی دردِ دل کا نتیجہ تھی۔ مصر وعجم کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بعض لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر لعنت بھیجنے لگے۔ چنانچہ مخارق بن شامہ بصرہ کے ایک رئیس تھے، انھوں نے اپنی بہن کو سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا کہ اس لعنت کے بارے میں وہ اپنی رائے ظاہر فرمائیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میرے بیٹوں کو میری طرف سے سلام کے بعد کہہ دو کہ میں نے اسی حجرے کے اندر یہ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جبریل وحی لاتے ہوتے۔ عثمان رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے ہوتے۔ آپ ﷺ اُن کے کاندھے پر ہاتھ مار کر فرماتے: ''ہاں عثمان! یہ

Marfat.com

لکھو۔ خدائے بزرگ و برتر یہ رتبہ فروتر لوگوں کو نہیں عطا کرسکتا۔ اس وجہ سے جو عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دے، اس پر خدا کی لعنت ہو۔'' (الادب المفرد، باب نقص شی من الاسم)

مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ سے مذکور ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''جو اُن پر لعنت بھیجے اس پر خدا کی لعنت۔ میں نے دیکھا ہے کہ وحی آتی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان رضی اللہ عنہ کے بدن سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے ان کے حبالۂ عقد میں دیں، کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی۔ خدا یہ رتبہ اور تقرب اس کو عطا نہیں کرسکتا جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معزز و مقرب نہ ہو۔''

(مسند احمد:۶/۲۵۰۔۲۶۱)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ایران کی سلطنت کو مجاہدین اسلام نے فتح کیا تو مسلمانوں اور ایرانیوں کا اختلاط ہوا، لیکن فاروقی عظمت وجلالت اور رعب و دبدبہ کی وجہ سے عجمیت کے جراثیم مسلمانوں میں سرایت نہ کرسکے۔ عہد عثمانی میں اس اختلاط نے عرب کی آب و ہوا کو مسموم کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کبوتر بازی، شطرنج بازی، نرد بازی، لہو ولعب اور تضیع اوقات کے مختلف کھیل اور طریقے اس زمانہ میں پھیلنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ ابھی زندہ تھے لہٰذا انھوں نے سخت دارو گیر شروع کر دی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک مکان میں کرایہ دار رہتے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں۔ سخت برافروختہ ہوئیں اور انھیں کہلا بھیجا کہ ''اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے مکان سے باہر نہ پھینک دیا گیا تو میں تمھیں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی۔'' (الادب المفرد، باب الادب واخراج اہل الباطل)

ابن ابی السائب تابعی مدینہ طیبہ کے واعظ تھے۔ واعظین گرامی مجلس کے لیے نہایت مسجع دعائیں بنا بنا کر پڑھا کرتے تھے اور اپنے تقدس کے اظہار کے لیے موقع بے موقع ہر وقت وعظ کہنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: ''تم مجھ سے تین باتوں کا عہد کرو۔ ورنہ میں بزور تم سے باز پرس کروں گی۔ عرض کی ام المومنین رضی اللہ عنہا! وہ کیا باتیں ہیں؟'' فرمایا: ''دعاؤں میں عبارتیں مسجع نہ کرو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے۔ ہفتہ میں صرف ایک روز وعظ کہا کرو۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو دو دن اور اس سے بھی زیادہ چاہو تو تین دن۔ لوگوں کو خدا کی کتاب سے اکتا نہ دو۔ ایسا نہ کیا کرو کہ لوگ جہاں بیٹھے

Marfat.com

ہوں وہاں آکر بیٹھ جاؤ اور قطع کلام کر کے اپنا وعظ شروع کر دو بلکہ جب ان کی خواہش ہو اور وہ کہیں تو تب وعظ کرو۔" (مسند احمد: ۶/ ۲۱۷)

قدرتاً مردوں سے زیادہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عورتیں حاضر ہوتی تھیں۔ عام نسوانی مسائل کے ساتھ ان کے مردوں کے متعلق ہدایات دیتی تھیں کہ اپنے اپنے شوہروں کو آگاہ کر دیں۔ بصرہ سے کچھ عورتیں حاضر خدمت ہوئیں۔ آپ نے انھیں ہدایت فرمائی کہ مجھے مردوں کو ٹوکتے ہوئے شرم آتی ہے، لہٰذا اپنے اپنے مردوں کو مطلع کر دو کہ پانی سے طہارت کیا کریں کہ یہ مسنون ہے۔ (مسند احمد: ۶/ ۲۲۵)

ایک دفعہ کوفہ کی عورتیں زیارت کو آئیں۔ وہاں حمام میں جا کر عورتیں برہنہ غسل کرتی تھیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے انھیں فرمایا کہ تم ہی وہ عورتیں ہو جو حماموں میں جاتی ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے گھر سے باہر اپنے کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے میں اور خدا میں پردہ دری کرتی ہے۔ (مسند احمد: ۶/ ۱۷۳)

حج کے موسم میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ لاکھوں مسلمان قلوب کا مرکز بن جاتی تھی۔ عورتیں آپ رضی اللہ عنہا کو چاروں طرف سے گھیر لیتیں اور امام کی صورت میں آپ آگے آگے اور تمام عورتیں ان کے پیچھے پیچھے چلتیں۔ (مسند احمد: ۶/ ۲۲۵، موطا امام مالک، کتاب الحج، باب افتاء)

اسی درمیان میں ارشاد و ہدایت کے فرائض بھی انجام پاتے جاتے۔ ایک مرتبہ ایک عورت کو دیکھا جس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے تھے۔ دیکھتے ہی سختی سے ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو۔ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے کپڑوں کو دیکھتے تو پھاڑ ڈالتے۔

(مسند احمد: ۶/ ۲۲۵۔ ۲۴۰)

ایک مرتبہ ایک گھر میں مہمان اتریں۔ دیکھا کہ صاحب خانہ کی دو لڑکیاں جواب جوان ہو چلی تھیں چادر اوڑھے بغیر نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید فرمائی کہ آئندہ کوئی لڑکی چادر اوڑھے بغیر نماز نہ پڑھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔ (مسند احمد: ۶/ ۹۶)

ایک دفعہ ایک عورت نے عرض کیا کہ میری ایک بیٹی دلہن بنی ہے۔ بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں۔ کیا دوسرے بال جوڑ دوں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے بال جوڑنے والیوں اور جڑوانے والیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (مسند احمد: ۶/ ۱۱۱)

Marfat.com

غرض کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ میں رہ کر علمی، عملی، اجتماعی، معاشرتی، پندو موعظت اور اصلاح وارشاد اور امت کی بھلائی کے لیے بڑا کام کیا جس کی مختصر سی روئیداد ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کی ہے۔ خصوصی طور پر جنس نسوانی پر آپ رضی اللہ عنہا کے احسانات کی ایک طویل فہرست ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے عہد ہمایوں میں صحابیات آپ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے اپنی عرض داشتیں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچاتی تھیں اور سیدہ رضی اللہ عنہا نہ صرف عرض داشتیں پہنچاتیں بلکہ جہاں تک بن پڑتا ان کی حمایت بھی کرتی تھیں۔ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک نہایت پارسا اور نیک خصال صحابی تھے۔ راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دن ان کی اہلیہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ زیب وزینت اور آرائش سے خالی ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس کا سبب دریافت کیا۔ بولیں میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے تو سیدہ نے باتوں باتوں میں ان کا تذکرہ کیا۔ حضور انور خود عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کے پاس گئے اور فرمایا: عثمان! ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے، کیا میرا طرز زندگی نمونہ کے لائق نہیں؟ میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں۔

(مسند احمد:۶/۲۴۶)

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر نے بہت مارا اور بدن میں جا بجا نیل پڑ گئے۔ وہ سیدھی سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور انھیں اپنا بدن دکھایا۔ سرکار دو عالم ﷺ جب تشریف لائے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

"مسلمان بیویاں جو تکلیف اٹھاتی ہیں میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی۔ اس بیچاری کا بدن اس کے کپڑے سے زیادہ سبز ہو رہا ہے۔"

اس کے شوہر کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی بارگاہِ نبوت میں پہنچی ہے۔ وہ بھی دوڑے آئے اور بارگاہِ نبوت میں اپنے مارنے کی وجہ بیان کی۔ چنانچہ اظہار سے فریقین کا قصور ثابت ہوا۔ (بخاری، باب الثیاب الخضر)

جو لوگ عورتوں کو ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں سیدہ رضی اللہ عنہا ان سے سخت برہم ہوتی تھیں۔ کسی مسئلہ سے اگر ان کی ذلت وحقارت کا پہلو نکلتا تو وہ اس کو واضح کر دیتی تھیں۔ بعض صحابہ

Marfat.com

کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے کہ عورت، کتا اور گدھا اگر نماز میں نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ''تو عورت بھی ایک بد جانور ہے۔ تم نے کیسا برا کیا کہ ہم کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی۔ یہ ابو داؤد طیالسی صفحہ ۲۰۵ کی روایت ہے۔ دوسری روایات میں آتا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آپ ﷺ سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں دبا دیتے۔ میں انھیں سمیٹ لیتی۔ (ابوداؤد، باب المراۃ لاتقطع الصلوٰۃ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑا، گھر اور عورت۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو بہت غصہ آیا۔ فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ پر قرآن نازل فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا۔ یہ البتہ فرمایا ہے کہ اہل جاہلیت ان سے نحوست کی فال لیتے تھے۔''

عرب میں دامن کا اتنا بڑا رکھنا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا چلے، فخر اور عزت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غرور اور تکبر سے اپنا دامن گھسیٹ کر چلے گا، حق تعالیٰ شانہ اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ یہ سن کر سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: ایک بالشت نیچے لٹکائیں، بولیں کہ اتنے میں پنڈلیاں کھل جائیں گی۔ فرمایا: تو ایک ہاتھ۔''

(مسند احمد: ۶/۷۵، ۱۳۳)

شوہر کی وفات کے بعد ایک عورت کو چار ماہ دس دن تک عدت میں بیٹھنا چاہیے اور گھر سے باہر نکل کر کسی دوسرے مقام پر نہیں جانا چاہیے۔ اس سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر وہ شوہر کے ساتھ ہے تو شوہر کی وفات جہاں ہو اور اگر ساتھ نہیں ہے تو جہاں اس کو خبر معلوم ہو اس کو وہیں ٹھہر کر عدت کے دن گزارنے چاہئیں یعنی اس حالت میں سفر اس پر حرام ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت میں احادیث سے جس قدر دلائل وہ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ وطن اور گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ حالانکہ ثابت یہ کرنا چاہیے کہ باہر سے گھر بھی نہیں آنا چاہیے اور مسافرت سے وطن میں بھی وہ منتقل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اسی بنا پر ان کے استدلال کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کی ایک بہن کا نام ام کلثوم تھا اور وہ عشرہ مبشرہ کے مشہور صحابی

Marfat.com

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ جنگ جمل میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے وہاں شہادت پائی۔ عام خیال کے مطابق انھیں زمانہ عدت وہیں بسر کرنا چاہیے تھا لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا ان کو اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لے آئیں۔ راستہ میں مکہ معظمہ میں بھی ان کا قیام رہا لوگوں میں اس بات کا چرچا پھیلا۔ ایوب ایک تابعی تھے، انھوں نے جواب دیا کہ یہ گھر سے نکلنا نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر آنا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے مسافرت سے ان کو وطن میں منتقل کر دیا۔

(طبقات ابن سعد، جزء نساء: ص ۲۳۹)

یہ جواب بالکل صحیح تھا۔ واقعات کی رو سے غور کرنا چاہیے کہ اگر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ کو واضح نہ کرتیں تو اس حالت میں بہت سی عورتوں کو کتنی مشکلات کا سامنا ہوتا۔

یہ تھے وہ مختصر حالات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مبارک زندگی کے۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رضی اللہ عنہ دنیا کی واحد خاتون ہیں جنھوں نے مذہب، اخلاق اور تقدس کے ساتھ مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی غرض کہ گوناگوں فرائض انجام دیئے اور عورتوں کے لیے کامل زندگی اور گراں بہا عملی نمونہ چھوڑا۔ مسلمان عورتوں کی تاریخ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کے سوا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا کس سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔ جمہور علماء نے سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور تیسرے درجہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام رکھا ہے لیکن یہ ترتیب کسی نص شرعی اور حدیث صحیح سے ثابت نہیں بلکہ علماء نے اپنے قیاس و اجتہاد اور ذوق سے یہ ترتیب قائم کی ہے۔ اسی بنا پر بعض علماء نے اس معاملہ میں توقف مناسب سمجھا ہے۔ علامہ ابن حزم نے تمام علما کے برخلاف علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف اہل بیت میں، نہ صرف عورتوں میں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔

(ملاحظہ ہو الملل والنحل میں فضل صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث)

اس بارے میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہمارے خیال میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجہ اخروی ہے تو اس کا حال حق تعالیٰ شانہ ہی کو معلوم ہے۔ ہم اس کا یہاں کوئی حکم نہیں لگا سکتے لیکن دنیوی حیثیت

Marfat.com

سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں۔ اگر ایمان کی سابقیت، اسلام کی ابتدائی مشکلات کا مقابلہ اور اس زمانہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی اعانت اور تسکین خاطر کی حیثیت سے دیکھئے تو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بزرگی سب پر مقدم ہے لیکن اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیمات وارشادات کی نشر واشاعت کی فضیلت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ (زرقانی: ۳/۲۶۹)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک الزام:

قادیانی اور ہر وہ فرقہ جو سرکار دو عالم ﷺ کے معراج جسمانی کا منکر ہے، اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ایک روایت پیش کرتا ہے جو طبری نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے بارے میں کچھ بیان کر دیا جائے تا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا پر اس الزام کی صفائی ہو سکے کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ کے معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں۔ طبری نے اس روایت کو اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمه عن محمد قال حد ثنی بعض آل ابی بکر ان عائشةؓ کانت تقول مافقد جسد رسولؐ ولکن اسری بروحه۔

''ہم سے ابن حمید نے بیان کیا۔ اس سے سلمہ نے اور وہ محمد سے نقل کرتے ہیں۔ محمد کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی نے بیان کیا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ حضور علیہ السلام کا جسد مبارک (بستر سے) غائب نہیں ہوا تھا بلکہ معراج آپ کو روحانی طور پر ہوئی۔ (یعنی جسمانی نہیں ہوئی)۔''

یہ روایت ہر لحاظ سے غلط ہے۔

① سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

② قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ بھی اس قول کی تردید کرتی ہیں۔

③ سیدہ رضی اللہ عنہا کے اس قول میں منقول ہے کہ ''حضور علیہ السلام کا جسم بستر سے غائب نہیں

Marfat.com

ہوا۔'' سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا کیسے پتہ چلا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو اس وقت شادی نہیں ہوئی تھی کہ ان کو پتہ چلتا کہ حضور ﷺ کا جسم غائب نہیں ہوا۔ عام روایات کے مطابق تو سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چار یا پانچ سال تھی اور جو لوگ سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر زیادہ بتاتے ہیں ان کا بھی اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی اس زمانہ میں آپ ﷺ سے شادی نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا جسم کے غائب نہ ہونے کا سیدہ رضی اللہ عنہا کو کیسے پتہ چلا؟

سند کے لحاظ سے بھی یہ روایت نہایت کمزور ہے۔

① خود طبری کوئی معتبر شخصیت نہیں۔ عقیدہ کے لحاظ سے وہ شیعہ تھا جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار'' جلد اول، میں بیان کر دی ہے۔

② طبری نے یہ روایت ''ابن حمید'' یعنی محمد ابن حمید رازی سے سنی۔ یہ رے کا باشندہ تھا اور اس کا انتقال ۲۴۸ھ میں ہوا۔ اس پر بھی علمائے جرح وتعدیل نے بہت بحث کی ہے۔ اس کے بارے میں اسحاق کوسج نے کہا ہے کہ وہ کذاب تھا۔ صالح جزوہ کا قول ہے کہ ہم لوگ محمد بن حمید کو ہر بات میں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ لوگوں سے احادیث اور روایات سنتا اور اس میں ردوبدل کرتا رہتا تھا۔ صالح جزوہ ہی کا قول ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں دو شخصیتوں سے زیادہ جھوٹ کا ماہر کوئی نہیں دیکھا، ان میں ایک محمد بن حمید مؤرخ اور دوسرا ابن شاذ الکوفی ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال: ۳/۵۳)

محمد بن حمید روایت کرتے ہیں سلمہ الابرش سے۔ اس شخص کا پورا نام سلمہ بن الفضل تھا اور ابرش کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ اپنے زمانے کا مؤرخ تھا۔ مغازی محمد ابن اسحاق کا ایک راوی یہ بھی ہے۔ اس کے بارے میں یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علمائے جرح وتعدیل نے بڑی جرح کی ہے۔ یہ بھی رے کا باشندہ تھا اور یحییٰ بن معین نے لکھا ہے کہ ابرش رازی شیعہ تھا۔ اس کا انتقال ۱۹۱ھ میں ہوا۔

③ اس روایت کا ایک راوی محمد ابن اسحاق ہے جس کے بارے میں علمائے نقد کے خیالات اچھے نہیں ہیں۔ امام نسائی نے اس کو قوی نہیں کہا (ضعفائے صغیر: ص ۵۲) ابو حاتم بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ (کتاب العلل: ۱/۴۳۳) یحییٰ اسے کذاب

Marfat.com

کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال: ۲۱/۳) امام مالک ؒ اسے دجالوں میں سے ایک دجال کہتے ہیں۔ (میزان: ۲۱/۳، تہذیب التہذیب: ۴۱/۹)

سلمہ ابرش سے محمد ابن اسحاق کی کتاب روایت کرنے والا علی بن مہران ہے۔ اس کا مذہب انتہائی ردی تھا۔ (میزان الاعتدال: ۱۵۸/۳)

محمد ابن اسحاق اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ایک راوی مذکور نہیں جس کو ''بعض آل ابی بکر'' کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

اب غور فرمائیے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو چار مؤرخ نقل کر رہے ہیں اور یہ چاروں ایرانی ہیں اور چاروں سبائی اور شیعہ ہیں۔ ان چاروں میں سے تین رے کے باشندے ہیں۔ یعنی محمد ابن حمید، سلمہ الابرش اور علی بن مہران بلکہ محمد ابن جریر بھی طبرستان کا ہے اور رے طبرستان میں داخل ہے۔ اوپر والے تینوں رازیوں کو رے ہی کے تین محدثین کذاب سمجھتے ہیں۔ ① فضل رازی۔ ② ابوزرعہ رازی اور ③ ابوحاتم رازی۔

محمد ابن جریر طبری کا انتقال ۳۱۰ھ میں ہوا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔ گویا اڑھائی سو سال اس روایت کا ایک فرد کے علاوہ کسی اور کو علم نہ ہوا۔

چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس روایت کے سلسلہ میں محمد ابن اسحاق اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابی بکر کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے۔ (سیرۃ النبی ﷺ: ۴۳۳/۳)

خصوصیات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

نبی اکرم ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں لیکن جن خصوصیات سے اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نوازا تھا وہ کسی اور زوجہ محترمہ کو حق تعالیٰ نے نہیں دی تھیں۔ ان خصوصیات میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

① ان خصوصیات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو نوازا تھا، ایک یہ تھی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کی بیوی تھیں۔ چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں

Marfat.com

کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر تو فرما رہے ہیں اور میرے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تو دنیا و آخرت میں میری بیوی ہو۔"

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان: ۵۳/۷، مستدرک حاکم: ۱۰/۴ وصححہ وافقہ الذہبی)

"الاحسان" کے تتمہ میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو دنیا و آخرت میں میری بیوی ہے۔"

ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عائشہ رضی اللہ عنہا جنت میں میری بیوی ہے۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/ ۱۲۸، حدیث: ۱۲۳۲۵، طبقات ابن سعد: ۸/ ۶۶)

امام ترمذی نے عبداللہ بن زیاد الاسدی سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہما سے سنا۔ انھوں نے فرمایا:

"عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہے۔"

(ترمذی، حدیث: ۳۸۸۳، باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا وقال حسن صحیح قلت اخرجہ البخاری فی فضائل الصحابہ، حدیث: ۳۷۷۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں کون ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو ان میں سے ایک ہے۔"

(اخرجہ ابن عساکر فی اربعین فی مناقب امہات المومنین، حدیث: ۲۲۷، الاحسان، حدیث: ۷۰۵۴، المعجم الکبیر طبرانی: ۲۳/ ۳۹، مستدرک حاکم: ۴/ ۳۱ وصححہ ھو والذہبی، ابن سعد: ۸/ ۵۶)

ایک اور روایت میں سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

"اے عائشہ رضی اللہ عنہا! موت اب مجھ پر آسان ہوگئی ہے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جنت میں تو میری بیوی ہوگی۔" (المعجم الکبیر: ۲۳/ ۳۹ من طریق الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)

امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

ارشاد فرمایا: ''بے شک میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں دیکھا۔ گویا کہ میں اس کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اس سے میری موت میں آسانی ہوگئی ہے۔

(مسند احمد: ۶/ ۱۳۸، فضائل الصحابہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حدیث: ۱۶۳۳، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۹۵، قال ابن کثیر، تفرد احمد وقال البناء فی بلوغ الامانی: ۲۱/ ۳۴۸ واسنادہ لاباس بہ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/ ۱۳۲، طبقات ابن سعد: ۸/ ۶۵)

(۲) دوسری خصوصیت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سب سے چہیتی اہلیہ تھیں۔ آپ ﷺ کو اپنی اور بیویوں سے بھی محبت تھی لیکن جو قلبی تعلق اور محبت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی وہ کسی اور بیوی سے نہ تھی۔ چنانچہ ذکوان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حاجب فرماتے ہیں کہ:

سیدہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انھوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس وقت آپ کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آپ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ملنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ فرمایا: میں اس وقت کسی سے نہیں ملنا چاہتی۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہ تو آپ رضی اللہ عنہا کے نہایت نیک اور صالح بیٹوں میں سے ہیں، وہ سلام کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا: اگر تو چاہتا ہے تو اسے بلالو۔ چنانچہ میں نے انھیں اندر بلالیا۔ جب وہ بیٹھے تو کہا: ''اماں! آپ رضی اللہ عنہا کو خوشخبری ہو۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کی روح آپ کے جسم سے نکلے گی تو آپ رضی اللہ عنہا سیدھی سرکار دو عالم ﷺ کے پاس جائیں گی۔ کیونکہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے چہیتی بیویوں میں سے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا سوائے اچھی چیز کے اور کسی کو محبت نہیں فرماتے تھے۔''

(المعجم الکبیر: ۱۰/ ۳۹۰، مسند احمد: ۱/ ۲۷۶، ۳۴۹، فضائل الصحابہ: ۲/ ۸۷۳، ابن حبان، حدیث: ۷۰۶۴، مسند ابو یعلی: ۳/ ۱۳۲، حدیث: ۲۶۴۰، طبقات ابن سعد: ۷/ ۷۵، مستدرک حاکم: ۴/ ۸، حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۴۵ وصححہ الذہبی فی تلخیص المستدرک)

ایک مرتبہ ایک شخص نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کچھ نازیبا بات کہی۔ اس وقت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: کیا تو رسول اللہ ﷺ کی حبیبہ کو اذیت دیتا ہے۔''

Marfat.com

(ترمذی، حدیث: ۳۸۸۲ وقال حسن صحیح، طبقات ابن سعد: ۸/ ۶۵، حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۴۴، وعزاہ الحافظ فی المطالب العالیۃ: ۴/ ۱۲۸ للطیالسی)

(۳) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف بیویوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں بلکہ تمام لوگوں میں بھی آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! عرض کیا کہ مردوں میں سے کون؟ فرمایا اس کا باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ فرماتے ہیں میں نے پوچھا ان کے بعد کون؟ فرمایا عمر بن الخطاب۔ پھر کون اور لوگ بھی آپ نے گنوائے۔

(مسند احمد: ۴/ ۲۰۳، بخاری، حدیث: ۳۶۶۲، مسلم، حدیث: ۲۳۸۴، نسائی فی الکبریٰ، تحفۃ الاشراف: ۸/ ۱۵۶، ترمذی، حدیث: ۳۸۸۰، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۴۳، طبقات ابن سعد: ۸/ ۶۷)

ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! پوچھا گیا اور مردوں میں سے؟ فرمایا اس کا باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

(ترمذی، حدیث: ۳۸۸۴ وقال ہذا حدیث حسن صحیح، ابن ماجہ فی المقدمہ من سننہ: ص ۱۰۱، ابن حبان، حدیث: ۷۰۶۳)

ایک اور روایت میں سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک روز میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا: تم کس لیے پوچھ رہی ہو؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تاکہ میں بھی اس سے محبت کروں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا۔'' (المعجم الکبیر: ۲۳/ ۴۴)

جس روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اس روز سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آج اس شخص کا انتقال ہوا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ پھر فرمایا: استغفر اللہ! اس کے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر۔

(مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۲، ابوداؤد الطیالسی، حدیث: ۱۶۱۳، مستدرک حاکم: ۴/ ۱۳ وصححہ علی شرط الشیخین وقال الذہبی فی سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۹۱)

Marfat.com

④ ایک خصوصیت سیدہ رضی اللہ عنہا کی یہ ہے کہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے سرکار دو عالم ﷺ کی باری کی صرف ایک ایک رات تھی لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو راتیں مقرر کی تھیں۔ چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ جب سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ عمر رسیدہ ہو گئیں تو انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو دن قیام فرماتے۔ ایک دن ان کا اپنا اور ایک دن سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا۔ (بخاری حدیث: ۵۲۱۲، مسلم، حدیث: ۱۴۶۳)

⑤ ایک خصوصیت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ہر روز اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں کچھ وقت کے لیے تشریف لے جاتے اور اس دورے کا اختتام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر فرماتے۔ چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نماز عصر پڑھ کر اپنی ہر بیوی کے ہاں باری باری تشریف لے جاتے اور آخر میں میرے ہاں تشریف لاتے۔ جب آپ ﷺ میرے ہاں تشریف لاتے تو اپنا گھٹنا میری ران پر رکھ کر بیٹھ جاتے اور ہاتھ میری گردن میں ہار بنا لیتے۔

(السمط الثمین، حدیث: ۴۳)

⑥ ایک اور خصوصیت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مختلف لوگوں کو ان سے محبت کرنے کی ترغیب دی اور صاف لفظوں میں کہا کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتا ہوں۔ تم بھی ان سے محبت کرو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اس وقت آپ ﷺ میرے ساتھ میری چادر میں آرام فرما رہے تھے۔ انھوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی ازواج نے مجھے آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ بنت ابی قحافہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کے بارے میں عدل سے کام لیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی ہیں کہ میں یہ سن کر کچھ نہیں بولی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے میری پیاری بیٹی، کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیوں نہیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے فرمایا: پس تو بھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کیا کر۔

(مسلم، حدیث: ۲۴۴۲، بخاری، حدیث: ۲۵۸۱، نسائی فی السنن: ۷/۶۴-۶۵ و فی عشرۃ النساء، حدیث: ۶-۷، مسند احمد: ۶/۱۵۱، الانوار فی شمائل النبی المختار للبغوی، حدیث: ۸۴۱)

محدث ابویعلی وغیرہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں اس وقت رو رہی تھی۔ آپ نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے نازیبا کلمات کہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا! تو نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو نازیبا کلمات کہے ہیں۔ انھوں نے کہا ہاں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ اور جس سے میں نفرت کرتا ہوں کیا تو اس سے نفرت نہیں کرتی؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کیا کر۔'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے انھیں تکلیف پہنچے۔

(مسند ابی یعلی: ۴/۴۷۰، حدیث: ۴۹۳۴، کشف الاستار للبزار: ۳/۲۴۰، مجمع الزوائد: ۹/۲۴۱)

نسائی وغیرہ میں ایک روایت منقول ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک روز زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش میرے گھر میں بغیر اجازت آ گئیں۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ بھی وہاں موجود تھے۔ آتے ہی انھوں نے غصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میرے بارے میں نہایت ناراضگی کا اظہار کیا کیونکہ وہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے سفیر کی حیثیت سے آئی تھیں۔ میں تو ان کی باتیں منہ پھیر کر خاموشی سے سنتی رہی اور کنکھیوں سے آپ ﷺ کی طرف دیکھتی جاتی تھی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب خاموش ہوئیں تو سرکار دو عالم ﷺ کا اشارہ پا کر میں کھڑی ہو گئی۔ جب میں زینب رضی اللہ عنہا کی باتوں کا جواب دینے کے لیے کھڑی ہوئی تو ان کا تھوک ان کے منہ میں خشک ہو گیا اور جو کچھ میں کہتی رہی زینب رضی اللہ عنہا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ میرے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔''

(نسائی فی عشرۃ النساء: حدیث ۲۸-۲۹، تحفۃ الاشراف: ۱۱/۳۷۳-۱۲/۱۴ وقال البوصیری فی مصباح الزجاجہ: ۲/۱۱۵ ہذا اسناد صحیح علی شرط مسلم، ابن ابی الدنیا، کتاب العیال، حدیث: ۵۶۹)

Marfat.com

بخاری کی روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسی مدلل اور مسکت گفتگو کی کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: کیوں نہ ہو آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے۔

(بخاری، الادب المفرد، حدیث: ۵۵۹، مسلم، باب فضل عائشہ، نسائی فی عشرۃ النساء: ۷/ ۶۴۔ ۶۸)

⑦ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں ہوتے تو لوگ انھیں ہدیے بھیجتے اور ان کے گھر میں کئی مرتبہ آپ ﷺ پر قرآن حکیم نازل ہوا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسرے گروہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چونکہ علم تھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کو نہایت محبوب ہیں اس لیے جب ان کو کوئی ہدیہ بھیجنا ہوتا تو وہ اس روز ہدیہ بھیجتے جس روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری ہوتی۔

ایک دفعہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے انھیں کہا کہ آپ رضی اللہ عنہا اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کریں کہ تحفے وہاں بھیجے جائیں جہاں آپ ﷺ ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کی تخصیص نہ ہو۔ وہ پیغام لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آئیں اور نہایت متانت سے اپنی اور اپنی ساتھنوں کی درخواست بارگاہِ رسالت میں پیش کی۔ آپ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ وہ واپس چلی گئیں۔ دوسری ازواج رضی اللہ عنہن نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہا میں نے بات تو کی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر ایک روز انھوں نے پھر آپ ﷺ سے بات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ام سلمہ رضی اللہ عنہا! عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے اذیت نہ دو کیونکہ کسی دوسری بیوی کے بستر پر مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں اللہ کے حضور میں آپ ﷺ کی اذیت سے توبہ کرتی ہوں۔

(بخاری، ہدیث: ۲۵۸۱، مسلم، باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث: ۲۴۴۱، ترمذی، حدیث: ۳۸۷۴، نسائی بعضہ فی عشرۃ النساء، حدیث: ۱۱ و فی السنن: ۷/ ۶۸، فضائل الصحابہ، حدیث: ۱۲۷۶)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا! مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اذیت نہ دے، بخدا! تم میں سے کسی بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نہیں نازل ہوئی سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔''

(مسند احمد: ۲۹۳/۶، نسائی من السنن: ۶۸/۷، وفی عشرۃ النساء، حدیث: ۱۲، ابن حبان، حدیث: ۷۰۶۵)

⑧ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں۔ چنانچہ ایک روایت میں سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں سرکار دوعالم ﷺ کو خوشی ومسرت کی حالت میں دیکھتی تو فوراً آپ کی خدمت اقدس میں عرض کرتی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے بارگاہِ اللہ تعالیٰ میں دعا فرمایئے۔ آپ میرے لیے دعا فرماتے:

((اللھم اغفر لعائشة ماتقدم من ذنبها وماتاخر وما اسرت وما اعلنت))

''اے اللہ! عائشہ رضی اللہ عنہا کے اگلے اور پچھلے، مخفی اور ظاہری تمام گناہوں کو اپنے دامن مغفرت سے ڈھانپ لے۔''

سیدہ رضی اللہ عنہا جب سرکار دوعالم ﷺ کے لبوں سے اس دعا کو سنتیں تو مارے خوشی کے اتنا ہنستیں کہ اپنا سر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جھولی میں ڈال دیتیں۔ آپ ﷺ فرماتے عائشہ رضی اللہ عنہا! میری دعا نے تمھیں خوش کر دیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں، مجھے آپ رضی اللہ عنہا کی دعا کیوں خوش نہیں کرے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے: بخدا میں ہر نماز کے بعد ایسی ہی دعا اپنی امت کے لیے کرتا ہوں۔

(اخرجہ البزار کما فی کشف الاستار: ۲۳۸/۳، مجمع الزوائد: ۲۴۳/۹-۲۴۴، اخرجہ ابن حبان، حدیث: ۷۰۶۷ والحاکم فی المستدرک: ۱۱/۴ بالفاظ اخری)

⑨ سیدہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتے تھے اور سیدہ رضی اللہ عنہا اگر کبھی ناراض ہو جاتیں تو آپ ﷺ فوراً بھانپ لیتے کہ وہ ناراض ہیں۔ چنانچہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کاشانۂ نبوت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ ابھی آپ رضی اللہ عنہ باہر ہی تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کر رہی ہے۔ پس جب آپ رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوت میں داخل ہوئے تو سیدہ

Marfat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا کو پکڑ کر کہا اے ام رومان کی بچی! تو سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولتی ہے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان حائل ہو گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مارنے کا موقع نہ دیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو سرکار دو عالم ﷺ سیدہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لیے یہ فرمانے لگے دیکھو! میں نے تمھارے اور تمھارے باپ کے درمیان حائل ہو کر تمھیں کیسے بچا لیا؟

کچھ وقت کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اب کی بار دیکھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ دونوں خوشی سے ہنس رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اپنی صلح میں بھی اسی طرح شریک کریں جیسے اپنی لڑائی میں مجھے شریک کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم نے کر لیا۔

(نسائی فی عشرۃ النساء، حدیث: ۲۷۳، ابوداؤد، باب ماجاء فی المزاح، حدیث: ۴۹۹۹، مسند احمد: ۴/۲۷۱، ۲۷۲ وفی فضائل الصحابہ، حدیث: ۲۸، کتاب العیال لابن ابی الدنیا، حدیث: ۵۶۱ وسقط فیہ اسم الصحابی)

حافظ ابن عساکر نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں جو روایت نقل کی ہے وہ اس طرح ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین کچھ رنجش اور ناراضگی کی بات ہو گئی۔ آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے اور تمھارے درمیان اس ناراضگی میں صلح کون کرائے گا؟ کیا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی ثالثی پر راضی ہے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہرگز نہیں کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ ایک سخت دل آدمی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر راضی ہیں؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی بھیج کر انھیں بلوایا اور اپنی اور سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا سارا معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو شاید آپ ﷺ کی بات سمجھ نہ آئی اس لیے کہا: اللہ سے ڈریں اور صحیح طریقے سے بات کریں۔ (یہ ایک میاں بیوی کی گفتگو تھی، پیغمبر ﷺ اور امتی کی گفتگو نہ تھی) بس سیدہ رضی اللہ عنہا کو اتنی بات کہنا تھی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر اس زور سے ایک تھپڑ مارا کہ ناک سے خون جاری ہو گیا اور فرمایا: اے ام رومان کی بیٹی، تیری ماں مر جائے تو ہی صرف حق بات کہتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حق بات نہیں کہتے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کے دونوں نتھنوں سے اس تھپڑ کی وجہ سے پانی کی

Marfat.com

طرح خون جاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ! ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو اس لیے تو نہیں بلایا تھا۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گھر کے ایک کونے سے کھجور کی ایک چھڑی پکڑی اور مجھے مارنے کے لیے آگے بڑھے۔ میں دوڑ کر رسول اللہ ﷺ سے جا لپٹی۔ حضور ﷺ نے پھر فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم نے آپ کو اس لیے تو نہیں بلوایا تھا اور کیا تم نے گھر سے نکلتے وقت ایسا کرنے کی قسم کھائی تھی۔

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے گئے تو میں رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو کر کھڑی ہو گئی۔ آپ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! میرے قریب آؤ۔ میں آپ کے قریب گئی۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا پہلے تو تم میری کمر کو خوب چمٹی ہوئی تھی (گویا یہ مزاح فرمایا)

(السمط الثمین لمحب الطبری: ص ۵۰۔۵۱، کتاب العیال لابن ابی الدنیا، حدیث: ۵۶۲)

اسی سلسلہ میں مسلم اور نسائی وغیرہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ایک روایت مروی ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے فرمایا: مجھے پتہ چل جاتا ہے جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو مجھ سے راضی ہوتی ہے تو کہتی ہے۔ مجھے محمد ﷺ کے رب کی قسم۔ اور جب تو ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے، مجھے ابراہیم کے رب کی قسم۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے درست فرمایا واقعی میں آپ ﷺ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔

(بخاری، حدیث: ۵۲۲۸، مسلم، حدیث: ۲۴۳۹، نسائی فی عشرۃ النساء، حدیث: ۲۷۴، مسند احمد: ۶/۶۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۳/۴۵، شرح السنۃ للبغوی: ۹/۱۶۶۔۱۶۷)

⑩ سیدہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان کو اپنے ساتھ سفر میں اکثر لے جاتے اور آپ رضی اللہ عنہا اگر کبھی حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں نہ ہوتیں تو آپ ﷺ انھیں یاد فرماتے۔ چنانچہ امام حمیدی، امام احمد اور دیگر محدثین نے اسانید صحیحہ کے ساتھ سیدہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! آؤ دوڑیں۔ چنانچہ میں آپ ﷺ کے ساتھ دوڑی اور میں آگے نکل گئی پھر ایک مرتبہ

Marfat.com

جب میں ذرا موٹی ہو گئی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے ساتھ دوڑے اور آپ ﷺ آگے نکل گئے پھر آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ اس آگے نکلنے کا جواب ہے۔

(سنن الشافعی: ص ۲۷۶، مسند احمد: ۶/ ۳۹۔۲۶۴، مسند حمیدی: ص ۲۶۱، مسند ابن ابی شیبہ: ۱۲/ ۵۰۸، ابوداوٗد، باب فی السبق علی الرجل، حدیث: ۲۵۷۸، نسائی فی عشرۃ النساء، حدیث: ۵۶۔۵۷۔۵۸۔۵۹، ابن ماجہ، حدیث: ۱۹۷۹، کتاب العیال لابن ابی الدنیا: حدیث ۵۵۷)

ایک مرتبہ ایک سفر میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور وہ ان کو لے کر ایک طرف بھاگا۔ رسول اللہ ﷺ اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا: "واعروساہ" ہائے میری دلہن۔ (مسند احمد: ۶/ ۲۴۸، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۲۸)

(۱۱) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان کے دل بہلاوے کے لیے ہر ممکن کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کچھ حبشی کھیل تماشا کر رہے تھے اور مرد اور بچے انھیں دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! آؤ تمھیں بھی دکھاؤں۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حمیرا! کیا تو بھی یہ دیکھنا چاہتی ہے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہاں؟ چنانچہ انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے مونڈھے پر سر رکھ کر وہ کھیل دیکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار فرماتے، عائشہ رضی اللہ عنہا! تو نے دیکھ لیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جلدی نہ کریں میں انھیں خوب دیکھنا چاہتی ہوں۔

اتنے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھیں دیکھ کر سب مرد اور بچے بھاگ گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ شیطان انسان اور شیطان جن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔

(تحت عنوان اباحۃ الرجل زوجتہ النظر الی اللعب وصحہ الحافظ اسنادہ فی فتح الباری حیث اخرج البخاری جزامنہ فی العیدین، مسلم، حدیث: ۸۹۲، کامل لابن عدی: ۳/ ۹۲۱)

قریباً اسی مضمون کی ایک روایت بخاری اور مسلم میں بھی ہے کہ عید کے روز دو حبشی کھیل کھیل رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں، کھیل دکھایا۔

(ملاحظہ ہو بخاری، حدیث: ۹۴۔۹۵۰، مسلم، حدیث: ۸۹۲)

Marfat.com

(۱۲) یہ بھی سیدہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی تو باوجود اس بات کے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں فرمایا کہ اپنے والدین سے پوچھ کر جواب دینا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فوراً جواب دیا کہ اس میں والدین کو پوچھنے کا کیا مطلب؟ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرتی ہوں۔

(بخاری، حدیث: ۴۷۸۵۔۴۷۸۶، مسلم، حدیث: ۱۴۷۵)

امام نووی نے فرمایا ہے کہ آیت تخییر میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر یہ ایک گونہ فضیلت ہے۔ (نووی، شرح مسلم: ۱۰/۷۸)

(۱۳) ایک خصوصیت سیدہ رضی اللہ عنہا کی یہ ہے کہ ایام مرض میں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے آخری ایام ان ہی کے ہاں گزارے بلکہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی فرمایا اور سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ آپ کا سر مبارک میرے سینے کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وفات سے ذرا پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے ہوئے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا سمجھیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مسواک لے کر دانتوں سے اس کو نرم کیا اور خدمت اقدس میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نہایت فخر سے یہ فرمایا کرتی تھیں کہ ۞

''تمام ازواج رضی اللہ عنہن میں مجھ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ ﷺ نے منہ میں لگایا۔''

(بخاری، حدیث: ۳۱۰۰۔۳۷۷۴۔۳۰۹۹، مسلم، حدیث: ۲۴۴۳۔۲۴۴۴، ترمذی فی الشمائل، حدیث: ۳۶۸)

(۱۴) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ممکن طریقہ سے ہر معاملہ میں ان کو اپنے ساتھ رکھتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک فارسی شخص نے جو سرکار دو عالم ﷺ کا پڑوسی تھا، آپ کے لیے کھانا تیار کیا۔ پھر وہ آپ ﷺ کو بلانے

Marfat.com

کے لیے گیا۔ اس وقت سیدہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھانے پر بلایا۔ آپ نے فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا بھی میرے ساتھ ہے۔'' اس نے کہا حضور! نہیں۔ اس نے پھر آپ ﷺ سے تشریف لے جانے کے لیے کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی میرے ساتھ ہوگی۔ اس شخص نے پھر کہا کہ نہیں۔ پھر تیسری دفعہ اس شخص نے آپ سے کھانے کے لیے کہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کیا کہ یہ بھی میرے ساتھ ہوگی۔ اب اس شخص نے ہاں کہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سرکار دو عالم ﷺ دونوں اس کے ہاں کھانے کے لیے تشریف لے گئے۔

(مسلم، حدیث: ۲۰۳۷، مسند احمد: ۱۲۳/۳، اربعین لابن عساکر: ص ۲۵)

⑮ سیدہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے اور ان کی سوکنوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں سے زیادہ افضل ہیں اور خود سرکار دو عالم ﷺ نے بھی ان کے بارے میں ایسا ہی فرمایا۔ چنانچہ ابی مسلم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری تمام عوتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی دوسرے تمام کھانوں پر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/۱۳۰، مسند احمد: ۳/۲۶۱، بخاری، حدیث: ۳۷۷۰، مسلم، حدیث: ۲۴۴۶، ترمذی، حدیث: ۳۸۸۱، نسائی: ۱/۱۲۶۲، ابن ماجہ، حدیث: ۳۲۸۱)

کئی اور راویوں نے بھی مختلف الفاظ میں اس کو روایت کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو مسند احمد: ۶/۱۵۹، نسائی فی العشرۃ من السنن: ۷/۶۸، مجمع الزوائد: ۹/۲۴۳، المعجم الکبیر: ۱۹/۲۸_۲۳/۴۲)

⑯ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور انھوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا۔ چنانچہ امام احمد نے روایت کی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک مرتبہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے ایک شخص سے باتیں کرتے دیکھا۔ میں نے عرض کی یا رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ! میں نے آپ ﷺ کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے ان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اسے دیکھا۔ عرض کیا کہ! ہاں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نہیں تھے بلکہ جبریل علیہ السلام تھے اور وہ تمھیں سلام کہتے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اللہ تعالیٰ اسے اچھی جزاء دے۔ میزبان بھی بہترین اور مہمان بھی بہترین ہیں۔

(مسند احمد: ۸۴/۶، فضائل الصحابہ لامام احمد، حدیث: ۱۶۳۵، صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی: ۲۰/۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۰/۱۲، المعجم الکبیر طبرانی: ۳۴/۲۳، مسند حمیدی، حدیث: ۲۷۷، حلیۃ الاولیاء: ۴۶/۲)

ایک اور روایت میں سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل امین تمھیں سلام کہتے ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جواب میں کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳۳/۱۲، المعجم الکبیر: ۳۶/۲۳)

امام بخاری نے باب ذکر الملائکہ حدیث: ۳۲۱۷ اور مسلم نے باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث: ۲۴۴۷ میں بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۲۴۳/۹ میں اسی مضمون کی ایک روایت سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔

(۱۷) سیدہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی برکت سے امت پر تیمّم کی رخصت نازل ہوئی۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک سفر میں، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ ہم مقام البیداء میں قیام پذیر تھے کہ میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ اس کی تلاش کے لیے رسول اللہ ﷺ اور قافلہ کے دوسرے تمام لوگ ٹھہر گئے۔ نماز کا وقت تھا لیکن قافلہ میں کسی کے پاس وضو کے لیے پانی نہیں تھا۔ تمام لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا دیکھا آپ رضی اللہ عنہ نے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا یعنی ہار گم کر دیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور ہم سب کو ٹھہرنا پڑا اور حالت یہ ہے کہ نہ تو قریب کوئی چشمہ ہے اور نہ ہمارے پاس پانی موجود ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی یہ بات سن کر غصے کی حالت میں میرے پاس آئے۔ اس وقت

Marfat.com

سرکار دو عالم ﷺ میری ران پر سر رکھ کر استراحت فرما رہے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے مجھے چوکے لگاتے اور میں ان کو برداشت کرتی اور اپنی جگہ سے اس وجہ سے نہ ہلتی تھی کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند میں خلل نہ آئے۔

جب رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو حق تعالیٰ شانہ نے آیت تیمّم نازل فرمائی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز ادا کرو۔ تیمّم کی یہ رخصت نازل ہونے سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کو بہت مسرت ہوئی۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے جوشِ مسرت میں فرمایا: اے آل ابی بکر! یہ تیمّم کا حکم نازل ہونا تمھاری پہلی برکت نہیں بلکہ تمھاری برکت سے اور بھی بہت سی آسانیوں اور سہولتوں کے احکام نازل ہو چکے ہیں۔

(بخاری، حدیث: ۳۳۴ وحدیث: ۳۷۷۳ باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا عنہا مسلم، حدیث: ۳۶۷)

(۱۸) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب ان پر منافقین نے بہتان لگایا تو حق تعالیٰ شانہ نے ان کی برأت بذریعہ وحی آسمانوں سے نازل فرمائی۔ اس برأت کا ذکر حدیث کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے اور گزشتہ صفحات میں اس کو ذکر بھی کیا گیا ہے۔ بخاری نے بھی اسے واقعۂ افک کے زیر عنوان تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری، حدیث: ۴۷۵۰، کتاب التفسیر، مسلم، حدیث: ۲۷۷۰، ترمذی، حدیث: ۳۱۷۹، نسائی فی عشرۃ النساء، حدیث: ۴۵)

چنانچہ حافظ ابن القیم نے لکھا ہے کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ (زاد المعاد: ۱/۶۱)

علامہ ابن کثیر نے ایسے شخص کو قتل کرنے کا فتویٰ نقل فرمایا ہے۔

(ابن کثیر فی الفصول: ص ۳۳۵)

علامہ زمخشری نے بھی قاذف عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اسی قسم کے کلمات نقل فرمائے ہیں۔ (کشاف: ۳/۶۷)

(۱۹) سیدہ رضی اللہ عنہا کو دس باتوں میں دوسری تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اختصاص حاصل تھا۔ چنانچہ سیدہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ مجھے دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پر دس باتوں میں فضیلت عطاء فرمائی گئی ہے۔ پوچھا گیا: ام المومنین رضی اللہ عنہا! وہ کون سی ہیں؟ فرمایا:

Marfat.com

① میرے سوا آپ ﷺ کی تمام ازواج رضی اللہ عنہن میں کوئی کنواری نہ تھی۔
② میرے سوا کسی اور زوجہ محترمہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔
③ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے میری برأت نازل فرمائی۔
④ جبریل امین علیہ السلام ریشم کے ایک کپڑے میں میری تصویر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے اور کہا کہ اس سے شادی کریں۔
⑤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور میں ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ کسی اور بیوی کے ساتھ اس [illegible] غسل نہیں فرماتے تھے۔
⑥ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھتے اس حالت میں کہ میں اپنے پاؤں لمبے کیے سوئی ہوتی تھی۔
⑦ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی اس حالت میں کہ آپ میرے بستر پر سوئے ہوئے ہوتے۔
⑧ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح اس حالت میں قبض فرمائی کہ آپ ﷺ کا سر میرے سینے سے [illegible] تھا۔
⑨ آپ ﷺ نے اس رات انتقال فرمایا جس رات میری باری تھی۔
⑩ آپ ﷺ میرے حجرہ میں دفن کیے گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۶۳/۸۔۶۴، اربعین لابن عساکر: ص ۳۲)

مختلف کتابوں میں کچھ اور اپنی خصوصیات بھی سیدہ رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمائی ہیں۔

(ملاحظہ ہو المعجم الکبیر: ۲۹/۲۳۔۳۰، مسند ابی یعلی: ۳۳۶/۴، مجمع الزوائد: ۲۴۱/۹، سیر اعلام النبلاء: ۱۴۱/۲، المصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۹/۱۲، مستدرک: ۱۰/۴ وغیرھم)

⑩ آپ کی خصوصیت [illegible] ہے کہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں علم و فقہ میں آپ سب سے [illegible] ۔ [illegible] یہ روایت میں ہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اگر [illegible] امت کی [illegible] رتوں کا علم جمع [illegible] میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی شامل ہیں، جمع کیا جا [illegible] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان سب سے زیادہ ہے۔"

(معجم الکبیر، طبرانی: ۲۱۔۱۸۴، مجمع الزوائد: ۲۴۳/۹، مستدرک: ۱۱/۴، صفۃ الصفوۃ: ۳۳/۲)

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible] اصحاب رسول کو جب بھی کسی مسئلہ اور

Marfat.com

حدیث کے بارے میں اشکال واقع ہوتا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے اور اس کا جواب اور علم ان کے ہاں پاتے۔

(ترمذی، باب فضل عائشہ رضی اللہ عنہا عنہا، حدیث: ۳۸۷۷ وقال ہذا حدیث حسن صحیح غریب سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۷۹، انساب الاشراف: ص ۴۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور بقسم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول کے اکابر حضرات کو دیکھا کہ وہ علم الفرائض کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کرتے تھے۔ (المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۸۲، مستدرک حاکم: ۴/ ۱۱، طبقات ابن سعد: ۸/ ۶۶)

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے علم القرآن، علم الفرائض، حلال و حرام کے علم میں، فقہ، طب، شعر اور حدیث عرب اور انساب کے علوم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم اور کسی کو نہیں دیکھا۔"

(مستدرک حاکم: ۴/ ۱۱، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۸۲، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۲)

فصاحت و بلاغت اور فطانت و ذہانت میں بھی سیدہ رضی اللہ عنہا دوسری تمام عورتوں سے فائق و افضل تھیں۔ (ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۸۲، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۳ وغیرہ۔)

آپ کو علم طب میں بھی درجہ اختصاص حاصل تھا۔ چنانچہ ایک شخص نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہا علم فقہ میں ماہر ہیں تو میں نے مانا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، اس لیے فقہ میں ماہر ہوسکتی ہیں۔ آپ شعر کہتی ہیں تو میں نے تسلیم کیا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں کہہ سکتی ہیں لیکن آپ کو طب سے یہ واقفیت کیوں کر ہوئی، مجھے اس پر تعجب ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ آخر عمر میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ اطبائے عرب و عجم آیا کرتے تھے۔ جو وہ بتاتے تھے میں یاد کرلیتی تھی۔

(مسند احمد: ۶/ ۶۷، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۸۲، کشف الاستار بزار: ۳/ ۲۴۰ مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۲، حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۵۰)

یہ تھیں وہ چند خصوصیات جو اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مرحمت فرمائی تھیں اور ان میں آپ ﷺ کی اور کوئی زوجہ محترمہ آپ کے ساتھ شریک نہ تھی۔

Marfat.com

ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام حفصہ رضی اللہ عنہا والد کا نام عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب سلسلہ نسب یہ ہے:

حفصہ بنت عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی۔

والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا جو مشہور صحابی رسول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بہن تھیں۔خود بھی صحابیہ تھیں۔والدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے:

زینب بنت مظعون بن حبیب بن وھب بن حذافہ بن جمح

اس وجہ سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حقیقی بڑی ہمشیرہ تھیں۔

(المعجم الکبیر:۲۳/۱۸٦وکذا عند ابن سعد وابن عبدالبر عیون الاثر:۲/۳۹۵)

واقدی کی روایت کے مطابق سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے ۵ سال قبل مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئیں۔اس وقت قریش مکہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

(ابن سعد:۸/۸۱،مستدرک حاکم:۴/۱۵)

جوان ہونے پر خنیس بن حذافہ سہمی سے نکاح ہوا اور نہایت اچھے طریقے سے دونوں میاں بیوی اپنی زندگی گزارتے تھے۔

اسلام:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو السابقون الاولون میں سے ہیں،ابتدائے اسلام ہی میں دولت ایمان

Marfat.com

سے مشرف ہوئے، لہٰذا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ماں باپ کے ساتھ ہی مسلمان ہوئیں۔ بعد میں بنو سہم کے خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ سے نکاح ہوا۔ شوہر بھی مسلمان تھا گویا کہ سیدہ کے آنکھ کھولتے ہی ہر طرف ایمان کے نور کی بارش ہو رہی تھی۔

ہجرت:

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر خنیس رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ طیبہ کو ہجرت کی۔ مدینہ میں بھی یہ اپنی زندگی کے دن اچھے گزار رہے تھے۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا۔ سیدنا خنیس نے بھی اس میں شرکت کی اور بہادری کے جوہر دکھائے لیکن میدان جنگ میں کچھ ایسے کاری زخم آئے کہ جانبر نہ ہوئے۔ چنانچہ واپس آ کر انھی زخموں کی وجہ سے جام شہادت نوش فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ اگرچہ غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی تھی لیکن وہ زخم جوان کی شہادت کا باعث بنے وہ غزوۂ احد میں کھائے تھے، لیکن یہ روایت مرجوع ہے، صحیح روایت یہی ہے کہ غزوۂ بدر کے زخموں کی وجہ سے انتقال فرمایا تھا۔

حریمِ نبوت میں داخلہ:

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکاح کی فکر لاحق ہوئی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تھا جو کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک روز نہایت مغموم دیکھا اور ان کے غمگین ہونے کی وجہ دریافت کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے مغموم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میرا اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو سسرالی رشتہ تھا وہ منقطع ہو گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اگر تم چاہو تو میں اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کو تم سے بیاہ دوں۔ انھوں نے کہا کہ میں اس معاملہ پر غور کروں گا۔ چند روز بعد ان سے پھر ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اس رشتہ پر راضی نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا۔ ان سے بھی یہ کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کر دوں۔ سیدنا

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ میری یہ بات سن کر خاموش ہو گئے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے توجہی سے کچھ رنج ہوا۔ بعدازاں سرکار دوعالم ﷺ نے خود سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کی اور نکاح ہو گیا۔

ایک روز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ! جب چند روز قبل تم نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی پیش کش کی اور میں تمھاری بات سن کر خاموش رہا اور تمھیں میری یہ خاموشی بلکہ بے التفاتی ناگوار گزری لیکن میرے جواب نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تھا اور میں آپ ﷺ کے راز کو فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تو پھر میں اس کے لیے آمادہ تھا۔

(بخاری، حدیث:۵۱۲۲، مسند احمد بن حنبل :۱/۱۲، جامع الاصول:۱۱/ ۴۰۸، تحفۃ الاشراف: ۸/۵۶، نسائی:۶/ ۷۷،۸۳)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ شہید ہوئے تو میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کی عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی لیکن انھوں نے میری اس درخواست کو قبول نہ کیا۔ میں نے اس بات کا ذکر سرکار دوعالم ﷺ سے کیا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ رضی اللہ عنہا! میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی پیش کش کی لیکن انھوں نے بے التفاتی سے کام لیا اور میری پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح تیری بیٹی سے زیادہ اچھی عورت سے کر دیا اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ پیش کش اس وقت کی جب ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تھا اور ان دنوں عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح ہو جائے۔ اس وجہ سے انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پیش کش سے اعراض برتا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا جب کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد:۸/۸۳ من طریق الواقدی)

Marfat.com

ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ کے مطابق یہ نکاح ۲ھ میں ہوا (ملاحظہ ہو الاستیعاب: ۸۱۱/۴، اسد الغابہ: ۶۵/۷ء الاصابہ: ۵۸۲/۷) اور زہری کی روایت کے مطابق ۳ھ میں سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد: ۸۱/۸، انساب الاشراف: ۴۲۲/۱ صفتہ الصفوۃ لابن الجوزی: ۳۸/۲، سیر اعلام النبلاء: ۲۲۷/۲، فتح الباری: ۸۱/۹، تہذیب الاسماء والصفات للنووی: ۳۳۸/۲)

حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے کہ یہ نکاح شعبان میں ہجرت نبوی سے تیس ماہ بعد ہوا۔ یہ ایک قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق احد کے بعد یہ نکاح ہوا۔

(عیون الاثر لابن سید الناس: ۳۹۵/۲)

نکاح کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حریم نبوت میں رہنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی معاشرتی زندگی نہایت اچھی تھی۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا آخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں، اس لیے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ سے دوبدو گفتگو کرتیں جس کی وجہ سے گھریلو زندگی میں قدرے شکر رنجی پیدا ہو جاتی۔ یہ خاوند سے دوبدو بات کرنا اسلام کی وہ آزادی ہے جو اسلام نے ہر عورت کو دی ہے۔ چنانچہ خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دیتے تھے لیکن اسلام نے ان کو ایک خاص درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیات اتریں تو پھر ہمیں ان کی قدر و قیمت اور ان کا مرتبہ و منزلت معلوم ہوئی۔ ایک روز میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی۔ میں نے اسے کہا کہ تم کو رائے اور مشورہ سے کیا تعلق؟ انھوں نے جواب دیا ''ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمھاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہیں یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ بات سن کر فوری طور پر اٹھا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی! یہ میں نے کیا سنا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو، وہ بولیں! ''ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔'' میں نے کہا خبردار! میں تمھیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ تم کہیں اس کے گھمنڈ اور دھوکہ میں نہ رہنا جس کے حسن نے رسول اللہ ﷺ کو فریفتہ کر لیا ہے (یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا)

Marfat.com

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی تیزی کچھ اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ کو حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو۔'' آپ نے یہ سن کر فرمایا ''حفصہ رضی اللہ عنہا! خدا سے ڈرو۔'' پھر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''صفیہ! تم نبی کی بیٹی ہو۔ تمھارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہ رضی اللہ عنہا تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے؟''

طبیعت اور مزاج کی اسی تیزی کی وجہ سے احادیث میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور پھر آپ نے رجوع فرمالیا۔

(ابوداؤد، حدیث: ۲۲۸۳۔ نسائی، :۶/۲۱۳ ابن ماجہ حدیث :۲۰۱۶ جامع الاصول: ۱۱/ ۴۰۹، تحفۃ الاشراف: ۸/۴۲، المعجم الکبیر: ۲۳/ ۱۸۷ ابن حبان حدیث: ۱۳۲۴۔ مسند الدارمی حدیث: ۲۲۶۹، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/۳۲۲)

اسی بارے میں ایک اور روایت طبرانی وغیرہ میں مرقوم ہے کہ سیدنا قیس بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ اسی اثنا میں ان کے دو ماموں قدامہ رضی اللہ عنہ بن مظعون اور عثمان بن مظعون ان کے پاس آئے۔ دیکھا کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا رو رہی ہیں اور فرما رہی ہیں خدا کی قسم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے کسی عیب کی وجہ سے طلاق نہیں دی۔ پس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے کہا ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طلاق سے رجوع فرمالیجیے۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور پرہیزگار ہے اور وہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی۔

(طبقات ابن سعد: ۸/۸۴، مستدرک حاکم: ۴/ ۱۵، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۵ وقال الہیثمی: ورجالہ رجال الصحیح، حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۵۰، الاستیعاب: ۴/۱۸۱۲ صفۃ الصفوۃ: ۲/ ۳۹، المطالب العالیہ لابن حجر: ۴/۱۳۴)

اسی طرح کی ایک اور روایت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ پس آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد ﷺ آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی جب کہ وہ صوامہ اور قوامہ ہے اور جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوگی۔ (مستدرک حاکم: ۴/ ۱۵، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۵، حلیۃ الاولیاء: ۲/۵۰)

Marfat.com

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو جب سرکار دوعالم ﷺ نے طلاق دی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بہت صدمہ ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اپنے سر میں صدمہ سے مٹی ڈالتے تھے (کہ رسول اللہ ﷺ سے سسرالی رشتہ ختم ہوگیا) پس جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا: ''بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طلاق سے رجوع کریں۔''

(المعجم الکبیر:۲۳/۱۸۸، حلیۃ الاولیاء:۲/۵۰، مجمع الزوائد:۹/۲۴۴)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مرتبہ اور منزلت کا اندازہ لگائیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کسی بشری تقاضے کے تحت انھیں طلاق دیتے ہیں تو جبریل امین اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر آتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس طلاق کا رجوع کراتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ صرف دنیا ہی میں آپ ﷺ کی بیوی نہیں بلکہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیوی ہوگی۔

وفات:

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دیر تک جنازہ کو کاندھا بھی دیا ہے۔ پھر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنازہ کو قبر تک لے گئے اور ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحب زادوں عاصم رحمۃ اللہ علیہ، سالم رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبر میں اتارا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی۔

(عیون الاثر:۲/۳۹۶، طبقات ابن سعد:۸/۸۶، مستدرک حاکم:۴/۱۵)

ایک اور روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کا سن وفات ۴۱ھ بتایا جاتا ہے جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ یہ واقعہ جمادی الاولیٰ میں وقوع پذیر ہوا۔

(ذکرہ عن ابن ابی خثمہ الامام النووی فی تہذیب الاسماء والصفات:۲/۳۳۹، اسد الغابہ:۷/۶۷، الاستیعاب:۴/۱۸۱۲)

اس روایت کے مطابق سن وفات ۵۹ سال بتایا جاتا ہے لیکن اگر سن وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال ہوگی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں

Marfat.com

انتقال فرمایا۔ یہ روایت اس بنا پر پیدا ہوگئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا لیکن یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا، ایک مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور دوسری مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج کی زیر قیادت۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت اپنے بھائی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت فرمائی اور غابہ میں اپنی جائیداد جسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے، اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا (غابہ مدینہ منورہ میں ایک مشہور جگہ تھی جو شام کی طرف واقع تھی)۔

(عیون الاثر: ۲/۳۹۶، اسد الغابہ تذکرہ حفصہ رضی اللہ عنہا)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نہایت فضل و کمال کی حامل تھیں۔ امام نووی نے ''تہذیب'' میں لکھا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا سے ۱۶۰ احادیث منقول ہیں جو انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے سنی تھیں۔

(تہذیب: ۲/۳۳۹، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۲۰، زرقانی: ۳/۳)

یہ بات بھی سیدہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں پائی جاتی ہے کہ ان کے خاندان کے سات آدمیوں نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ ان کے والد عمر رضی اللہ عنہ چچا زیاد رضی اللہ عنہ، ان کے شوہر خنیس رضی اللہ عنہ، تین ماموں عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مظعون اور قدامہ رضی اللہ عنہ بن مظعون اور ان کے ماموں کے بیٹے سائب رضی اللہ عنہ بن عثمان بن معظون، یہ اعزاز سیدہ رضی اللہ عنہا کے لیے خاص ہے۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام: ۲/۶۸۳، السمط الثمین، المحب الطبری)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی اگرچہ کوئی اولاد یادگار کے طور پر نہیں تھی لیکن سیدہ کی معنوی یادگاریں بہت سی ہیں۔ جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، صفیہ بنت ابی عبیدہ رضی اللہ عنہا (زوجہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ، مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ، ام بشر انصاریہ رضی اللہ عنہا، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ، عبداللہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ، شیتر بن شکل رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو علم سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اسی شوق کا اثر تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کو ان کی تعلیم کی بہت فکر رہتی تھی۔ سیدہ شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر (دم) آتا

Marfat.com

تھا۔ ایک روز وہ بیت نبوت میں آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو وہ منتر سکھا دو۔ (مسند احمد:۲/۲۸۶)

روایات میں ان کی صفت یہ بھی آئی ہے:

انها صوامة وقوامة

وہ (حفصہ رضی اللہ عنہا) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں۔

(طبقات ابن سعد:۸/۸۴، مستدرک حاکم:۴/۱۵، حلیۃ الاولیاء:/۵۰)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا انتقال کے وقت تک صائم تھیں۔

(الاصابہ:۸/۵۲)

دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ مختلف آیات سے مختلف نکات نکالتی رہتیں۔ ایک دفعہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر اور اصحاب حدیبیہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا" (مریم: ۱۹ : ۷۱) تم میں سے ہر شخص جہنم میں وارد ہوگا۔ آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں فرمایا، ہاں لیکن یہ بھی تو ہے:

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا (مریم:۱۹:۷۲)

پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔ (مسند احمد:۶/۲۸۵)

طبری وغیرہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کے گھر گئی ہوئی تھیں کہ نبی اکرم ﷺ کی لونڈی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آئیں اور آپ ﷺ نے اس سے اصابت فرمائی۔ یہ دن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس بات پر بہت غیرت آئی اور بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ سے ایسی بات حاصل ہوئی جو آپ ﷺ نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن میں سے کسی دوسری زوجہ کو نہیں دی۔ یہ کہ میری باری کے دن میرے حجرے میں میرے بستر پر مجھے یہ مصیبت پہنچی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اچھا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں اسے اپنے لیے حرام کرلوں۔ پھر اس سے قربت نہ کروں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا

Marfat.com

حضور ﷺ میں کیوں نہ راضی ہوں گی۔ پس آپ نے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اب اس بات کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ لیکن حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بات کا ذکر کردیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر یہ بات ظاہر کردی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾

(تحریم:۶۶:۱)

''اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے آپ ﷺ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کیوں کرتے ہو۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اپنی جاریہ سے مقاربت فرمائی۔

(ابن جریر الطبری تفسیر:۲۸/۱۵۷، الدرالمنثور:۸/۲۱۴، ابن کثیر:۴/۴۱۲، فتح الباری:۸/۵۲۵)

صحیح بخاری میں اس آیت کے نزول کے بارے میں یوں مرقوم ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا چونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں تھیں اس وجہ سے تقرب نبوی میں وہ دوش بدوش تھیں اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے معاملہ میں وہ دونوں ایک تھیں۔ یہ واقعہ تحریم ۹ھ میں پیش آیا اور وہ یہ تھا کہ ایک دفعہ کئی روز تک سرکار دو عالم ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ انھوں نے وہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ کو چونکہ شہد بہت مرغوب اور محبوب تھا۔ آپ ﷺ نے اسے نوش فرمایا اس وجہ سے آپ ﷺ کو دیر ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا رشک ہوا اور انھوں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب میرے یا تمھارے گھر میں آئیں تو یہ کہنا چاہیے کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ (مغافیر ایک پودے کا نام ہے جس کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کہا۔ اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت اتری:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾

(تحریم:۶۶:۱)

Marfat.com

اے پیغمبر ﷺ! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے آپ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کیوں کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: ۲/۷۲۹)

اسی زمانہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے راز کی کوئی بات سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمائی اور تاکید کی کہ اس کو کسی اور سے نہ کہنا لیکن انھوں نے یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

''اور جب کہ نبی ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور اس نے وہ بات کہہ دی اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس کی خبر کردی، تو نبی ﷺ نے اس کا کچھ حصہ اس سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب اس سے کہا تو اس نے کہا آپ کو اس کی کس نے خبر دی۔ نبی ﷺ نے کہا کہ مجھے خدائے علیم وخبیر نے خبر دی۔''

شکررنجیاں بڑھتی گئیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم مظاہرت کی یعنی دونوں نے مل کر اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر ان کے بارے میں یہ آیتیں اتریں:

''اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمھارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے یعنی رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں ایکا کرو تو خدا اور جبریل علیہ السلام اور نیک مسلمان اور تمام فرشتے رسول اللہ ﷺ کے مددگار رہیں۔''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول شریف تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے سب بیبیوں کے پاس (خبر گیری کے لیے) تشریف لاتے تھے۔ ایک روز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یوں کہے کہ آپ ﷺ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہے جس میں کچھ بُو ہوتی ہے۔''

''چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شہد پیا ہے۔ ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو (اسی وجہ سے شہد میں بھی بو آنے لگی) رسول اللہ ﷺ بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے

Marfat.com

قسم کھالی کہ پھر میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جی برا نہ ہو، اس کے اخفاء کی تاکید فرمائی مگر ان بی بی نے دوسری سے کہہ دیا اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا شہد پلانے والی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وسودہ رضی اللہ عنہا وصفیہ رضی اللہ عنہا صلاح مشورہ کرنے والی ہیں اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آیا ہے ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوں اور ان سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں۔ (بیان القرآن سورہ تحریم)

ابن مردویہ نے متعدد طریقوں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تو کتاب اللہ میں موجود ہے: واذاسر النبی ......الخ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تیرا باپ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا باپ میرے بعد لوگوں کے امیر ہوں گے۔ خبردار! یہ راز کسی کو نہ بتانا۔

شیعہ عالم طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں بھی یہی لکھا ہے۔

ان تتوبا الی اللہ صغت قلوبکما......

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے جن دو کا یہاں ذکر ہے وہ کون ہیں؟ بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کروں جن کے بارے میں قرآن حکیم میں آیا ہے: ان تتوبا الی اللہ یہاں تک کہ ایک موقع آیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حج کے لیے روانہ ہوئے اور میں بھی ان کا شریک سفر تھا۔ دوران سفر ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قضاء حاجت کے لیے جنگل کی طرف تشریف لے گئے اور واپس آئے تو میں نے آپ کے وضو کے لیے پانی کا انتظام کر رکھا تھا۔ میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور وضو کراتے ہوئے یہ سوال کیا کہ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن حکیم میں ان تتوبا آیا ہے کون ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ پر تعجب ہے۔ آپ کو اس بات کی خبر نہیں۔ یہ دونوں عورتیں حفصہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

آیت کے اس حصے کا ترجمہ ہے:

''اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ کرو تو بے شک تمہارے دل جھک گئے ہیں۔''

اس کلام میں لطف اور عتاب دونوں جمع ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

دو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو صریح مخاطب فرمایا اور یہ ایک بہت بڑی فضیلت اور عظمت ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن میں کسی عورت سے مخاطبہ نہیں فرمایا اور اگر حضرت موسیٰ کی والدہ کو اور حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ مریم کو خطاب کیا گیا تو وہ بذریعہ ملائکہ خطاب کیا گیا لیکن یہاں صریح اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اور عتاب یہ ہے کہ تم دونوں کے دل جھک گئے ہیں اور کلام میں نہایت بلیغ طریقہ سے ارشاد ہے کہ یہ جھکنا ایسا خفیف ہے کہ توبہ کو واجب نہیں کرتا، لیکن پیغمبر ﷺ کی بیویوں کی اتنی بات پر بھی توبہ واجب ہے کیونکہ معنی کلام کے صریح یہ ہیں کہ اگر تم دونوں توبہ کرو اللہ تعالیٰ کی طرف تو لائق ہے اس لیے کہ تمھارے دل جھک گئے ہیں۔

جس شخص کو کلام کی لطافت سمجھنے کی لیاقت اور استعداد ہے وہ اس شرطیہ جملہ سے یہی معنی سمجھے گا جو میں نے بیان کیے کیونکہ واجب حکم میں یہاں اس طرح ہوتا کہ تم دونوں اللہ سے توبہ کرو جیسے فرمایا:

تُوبُوا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ○

اس سے معلوم ہوا کہ بعض گمراہ لوگوں نے جو اس آیت کو دونوں زوجات کے حق میں مذمت خیال کیا ہے۔ یہ ان کی جہالت ہے بلکہ اس آیت سے ان دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ایسی فضیلت حاصل ہوتی ہے جو بہت سے مردوں کو حاصل نہیں ہے۔

آخر میں یہ بات ذہن میں رہے کہ گزشتہ سطور میں جو دو قصے بیان کیے گئے ایک سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا اور دوسرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہد پینے کا ہے۔ ان دونوں میں ان آیات کے نزول کا اصل واقعہ عسل (شہد) والا ہے۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا والا واقعہ صحیح نہیں۔ چنانچہ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"درست بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی۔ ماریہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں نازل نہیں ہوئی جیسا کہ غیر صحیحین میں مذکور ہے اور ماریہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ کسی صحیح سند سے مروی نہیں۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب جنگ صفین ہوئی اور پھر اس جنگ کا خاتمہ تحکیم پر ہوا تو سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا نے بھائی کو سمجھایا کہ اگرچہ اس شرکت میں تمھارا کوئی فائدہ نہیں لیکن پھر بھی تمھیں ضرور شریک ہونا چاہیے کیونکہ لوگوں کو

Marfat.com

تمھاری رائے کا انتظار ہوگا اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ تمھاری عزلت گزینی ان میں مزید اختلاف پیدا کردے۔ چنانچہ وہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے سمجھانے کی وجہ سے اس واقعہ میں شریک رہے۔
(بخاری:۲/۵۸۹)

سیدہ دجال رضی اللہ عنہا سے بہت ڈرتی تھیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابن صیاد نامی تھا۔ اس میں دجال کی بہت سی علامات پائی جاتی تھیں یہاں تک کہ خود سرکار دو عالم ﷺ کو اس کے متعلق شک تھا۔ ایک دن اس کی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سر راہ ملاقات ہوگئی۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ چونکہ ایک متقشف زاہد تھے لہٰذا انھیں اس کی صورت تک دیکھنا گوارا نہ تھا۔ آپ نے ابن صیاد کو بہت سخت سست کہا۔ اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہوگیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو مارنا شروع کیا۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بولیں تمھیں اس سے کیا غرض۔ اسے چھوڑ دو۔ تمھیں پتہ نہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔'' (مسند احمد:۶/۲۸۳)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعض مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہونے کے ناطے کلام میں سبقت لے جاتیں۔ چنانچہ ابن شہاب الزہری روایت کرتے ہیں کہ:

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے نفلی روزہ رکھا۔ کسی نے انھیں ہدیہ کے طور پر کھانا بھیجا تو انھوں نے اس پر روزہ افطار کرلیا۔ پھر کچھ دیر بعد سرکار دو عالم ﷺ گھر تشریف لائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا مجھ پر کلام میں سبقت لے گئی اور یہ کیوں کر نہ ہوتا آخر وہ اپنے باپ (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی بیٹی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

یارسول اللہ ﷺ میرا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا نفلی روزہ تھا۔ ہمیں کچھ کھانا ہدیہ کے طور پر آیا اور ہم نے اس پر روزہ افطار کرلیا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کی جگہ پر ایک اور دن کا روزہ رکھ لو۔''

(الموطا مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ:۱/۳۰۶، ابو داؤد حدیث نمبر ۲۴۵۷ ترمذی، حدیث نمبر ۷۳۵ تحفۃ الاشراف:۱۲/۳۰،۴۹، فتح الباری:۴/۲۵۰)

(اس حدیث پر جو فقہی احکام مرتب ہوتے ہیں اس میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ نفلی روزے کی قضاء نہیں ہے۔ (المجموع:۲/۳۹۴) لیکن امام ابو حنیفہ اور امام مالک اس حدیث

Marfat.com

کی وجہ سے نفل کو بلاسبب جائز نہیں سمجھتے اور یہ وجوب قضاء کا حکم لگاتے ہیں اس میں کفارہ نہیں ہے)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد کہ ”حفصہ رضی اللہ عنہا جلدی سے بول پڑیں اور وہ اپنے باپ عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، اس میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی مدح ہے کہ وہ بات کرنے، سوال پوچھنے اور دینی مسائل دریافت کرنے میں جری تھیں۔

اگرچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا میں باہمی بہت محبت تھی لیکن کبھی کبھی خود ان میں بھی باہمی رشک و رقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا دونوں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ رسول اللہ ﷺ رات کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک روز سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمھارے اونٹ پر سوار ہوں گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئیں۔ سرکار دو عالم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے تو پتہ چلا کہ اس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار ہیں۔ جب منزل پر پہنچے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو نہ پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک قسم کی گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں۔

”اے اللہ! کسی بچھو یا سانپ کو مقرر کر جو مجھے ڈس جائے۔“

Marfat.com

ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ

نام ونسب:

نام زینب تھا اور سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

زینب بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن خیس بن عیلان الھلالیہ۔ سیدہ رضی اللہ عنہا بڑی رحم دل اور جود وسخا کی حامل تھیں چنانچہ فقراء ومساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ بدیں وجہ ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ طبرانی نے ابن شہاب الزہری سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ الھلالیہ (آپ کو ہلالیہ وعامریہ کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ہلال بن عامر بن صعصعہ کے خاندان سے تھیں) سے نکاح فرمایا اس وقت بھی آن کی کنیت ام المساکین تھیں۔ یہ نام اور کنیت آن کی اس وجہ سے تھی کہ وہ فقراء اور مساکین کو نہایت کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا اور وہ آپ کے ساتھ تھوڑا ہی عرصہ ایام زندگی گزار سکیں۔ (المعجم الکبیر: ۲۴/ ۵۷، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۸ درجالہ ثقات)

ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں کہ سیدہ زینب جاہلیت میں بھی ام المساکین کے لقب سے معروف تھیں۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۱۶، الاصابہ: ۷/ ۶۷۳)

حریمِ نبوت میں داخلہ:

زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں آنے سے قبل سیدنا

Marfat.com

عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ۳ھ میں جنگ احد میں شریک ہوئے اور شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے۔

(مستدرک حاکم:۴/۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی:۳/۱۵۹، عیون الاثر:۲/۳۹۶، جوامع السیرۃ لابن حزم:۳۳، الاستیعاب:۴/۱۸۵۳)

قتادہ بن دعامہ کا قول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آنے سے قبل وہ طفیل رضی اللہ عنہ بن الحارث کے حبالہ عقد میں تھیں۔ (طبقات ابن سعد:۱۱۵، عن الواقدی) لیکن ابن کلبی کا بیان ہے کہ وہ پہلے طفیل رضی اللہ عنہ بن الحارث کے نکاح میں تھیں، انھوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرلیا اور وہ جنگ بدر میں شہید ہوگئے۔ حافظ ابن سید الناس کی رائے بھی یہی ہے۔ (الاصابہ:۷/۶۷۳، مرشد المختار لابن طولون:۲۶۱، عیون الاثر:۲/۳۹۶)

امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب بن الحارث الھلالیہ ام المساکین سے نکاح فرمایا۔ وہ آپ سے نکاح سے قبل حصین رضی اللہ عنہ یا طفیل رضی اللہ عنہ ابن الحارث کے نکاح میں تھیں اور یہ سب سے پہلی بیوی ہیں (سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد) جنھوں نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں رحلت فرمائی۔

(المعجم الکبیر:۲۴/۵۸، مجمع الزوائد:۹/۲۴۸، دلائل النبوۃ للبیہقی:۳/۱۵۹)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رمضان کے مہینہ میں ہجرت سے ۳۱ ماہ بعد ان کو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے زمرہ میں لیا۔ یہ آٹھ ماہ حریم نبوت میں رہیں اور ربیع الاخر کے اواخر میں ہجرت سے ۳۹ ماہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ (عیون الاثر لابن سید الناس:۲/۳۹۶)

حافظ ابوعمرو نے لکھا ہے کہ یہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔

(الاستیعاب:۴/۱۸۵۳ عن الجرجانی وقال الم ارذالک لغیرہ نظر اسد الغابہ:۷/۱۲۹ الاصابہ:۷/۶۷۲)

نکاح کے وقت ساڑھے بارہ اوقیہ (پانچ سو درہم) مہر مقرر ہوا۔

(طبقات ابن سعد:۸/۱۱۵ عن الواقدی)

Marfat.com

وفات:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ عین عنفوان شباب میں تیس سال کی عمر میں انتقال فرما گئیں اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلی بیوی ہیں جنھوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں انتقال فرمایا۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں بہت تھوڑا عرصہ رہیں۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ، البسوی: ۳/۳۲۲/عیون الاثر: ۲/۳۹۷)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حبالۂ عقد میں رہنے کی مدت بعض نے دو ماہ بعض نے تین ماہ اور بعض نے آٹھ ماہ لکھی ہے لیکن اس پر قریباً اتفاق ہے کہ وفات ربیع الآخر کے مہینے کی آخری تاریخوں میں ہجرت سے ۳۹ ماہ بعد ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

(الاستیعاب: ۴/۳۱۳، مرشد المختار: ۲۶۲، جوامع السیرۃ: ۳۳، طبقات ابن سعد: ۸/۱۱۶، عیون الاثر: ۲/۳۹۶)

چونکہ یہ حریم نبوت میں بہت ہی کم عرصہ رہیں لہٰذا ان کے عام حالات زندگی کی تفصیل کتابوں میں نہیں ہے۔

Marfat.com

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب:

نام ہند، کنیت ام سلمہ، سلسلہ نسب یہ ہے:

ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

قریش کے مشہور خاندان بنو مخزوم سے تعلق تھا۔ والدہ بنو فراس سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب یہ تھا:

عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن خزیمہ (بعض کے نزدیک جذیمہ) بن علقمہ بن جذال الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

بعض حضرات نے عاتکہ سے عاتکہ بنت عبدالمطلب سمجھا ہے اور سیدہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تصور کیا ہے۔ یہ غلط ہے بلکہ یہ ان کے خاوند کی بیٹی تھیں۔ نام ہند تھا لیکن بعض حضرات نے رملہ لکھا ہے۔ صحیح ہند ہی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو استیعاب: ۴/۱۹۲۰، طبقات ابن سعد: ۸/۱۸۶ المجر: ۸۳، جمہرۃ انساب العرب: ۱۴۶، الاصابہ ۸/۲۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے دو بیٹے عبداللہ اور زہیر اُن کے بھائی تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو امیہ مکہ مکرمہ کے مشہور مخیر اور فیاض آدمی تھے۔ سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا لقب ''زاد الراکب'' تھا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس وجہ سے ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھیں اور نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی تھی۔

(ابن سعد: ۸/۸۶، نسب قریش زبیری: ۳۰۰، انساب الاشراف: ۱/۴۲۹، اسد الغابہ: ۷/۲۸۹)

Marfat.com

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا۔ عبداللہ زیادہ تر ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور تھے۔ یہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی اور رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے اور ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب تھی، اس رشتہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے ہاں سلمہ، عمر، درہ اور زینب پیدا ہوئے۔

(جمہرۃ انساب العرب: ۱۶۹ عیون الاثر: ۲/ ۳۹۷)

اسلام:

آپ ابتداء ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں۔ گویا دونوں میاں بیوی السابقون الاولون میں سے تھے۔ اسلام لانے کے بعد دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شرکت کی۔ (طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۰۳۔ ۲۰۷)

بلکہ نووی نے یہاں تک لکھا ہے:

هما اول من هاجر الى الحبشة

دونوں میاں بیوی نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

(تہذیب للنووی: ۲/ ۳۶۲ عن ابن الاثیر، عیون الاثر: ۲/ ۳۹۷)

حبشہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد دونوں میاں بیوی واپس مکہ آئے اور پھر یہاں سے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اس ہجرت میں بھی ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ مورخین اور اہل سیر نے لکھا ہے کہ:

"وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئیں۔"

(نسب قریش صفحہ ۳۳۷، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۰۶، الاستیعاب: ۴/ ۱۹۲۱، ۱۹۳۹، الاصابہ: ۸/ ۲۲۳)

ایک دوسری روایت کے مطابق عامر رضی اللہ عنہ بن ربیعہ کی بیوی لیلیٰ بنت حثمہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (الاصابہ ترجمہ لیلیٰ، کتاب الاوائل للعسکری ۲۷۲)

بخاری کی ایک روایت کے مطابق وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو سرزمین یثرب میں داخل ہوئے لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر باندھا

Marfat.com

گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ان دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ابو سلمہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر انھیں ہدف اذیت بنایا۔ اس پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا لیکن اس کے برعکس مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہا اس وقت مدینہ طیبہ داخل ہوئے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا۔ اس لیے ان دونوں روایتوں میں باہم تخالف نہیں ہے۔'' (فتح الباری: ۷/۲۰۳)

بہر حال سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچے۔ یہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ تھی۔ خاندان عمرو بن عوف نے ان کو پورے دو ماہ یعنی رسول اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۷۱)

لیکن جب سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے ان کی اہلیہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ نہ تھیں۔ انھوں نے بعد میں ہجرت کی اور ان کی ہجرت کا واقعہ بھی نہایت عبرت انگیز ہے۔ سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہا جب اپنی بیوی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے لیے نکلے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر والے مزاحم ہوئے اور کہا کہ تم اکیلے مدینہ طیبہ جا سکتے ہو لیکن ہماری بیٹی کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ چنانچہ سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو مکہ میں چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے گئے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا واپس اپنے گھر آ گئیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں اس وقت ان کا دودھ پیتا بچہ سلمہ رضی اللہ عنہ بھی تھا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تو مدینہ روانہ ہو گئے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں اور ان کا بیٹا سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی ددھیال میں۔ یہ بات ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی۔ خاوند کی جدائی کے ساتھ ساتھ بچے کی جدائی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قلبی حالت کو نہایت دگرگوں کر دیا۔ چنانچہ وہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ سات آٹھ روز تک یہی حالت رہی لیکن خاندان کے لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر ایک روز ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا۔ اس نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے رحم کے جذبات پیدا ہوئے۔ گھر آ کر اس نے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو، اس کو جانے دو اور اس کا بچہ بھی اس کے حوالے کرو۔''

لوگوں نے اس کی یہ بات مان لی اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس کا بچہ دے کر مدینہ روانگی کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اپنے بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ

Marfat.com

طیبہ کا راستہ لیا۔ چونکہ ساتھ کوئی مرد نہ تھا بلکہ بالکل تنہا تھیں لیکن دیار حبیب کا شوق انھیں کشاں کشاں لیے جا رہا تھا۔ جب تنعیم پہنچیں تو کلید بردار کعبہ عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ جو اس وقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، کی نظر پڑی۔ عثمان نے پہچان لیا کہ یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں کیونکہ ان کے خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کدھر کا قصد ہے؟ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مدینے کا۔'' عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ نہیں ہوسکتا۔ تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں۔'' یہ کہہ کر عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ راستہ میں اگر کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر خود دور کہیں درخت کے نیچے چلا جاتا اور میں نیچے اتر جاتی اور صبح جب روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر دور ہٹ جاتا اور مجھے کہتا کہ سوار ہو جاؤ۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوری زندگی میں ایسا شریف انسان کبھی نہیں دیکھا۔ مختصر یہ کہ مختلف منازل پر قیام کرتا ہوا وہ مجھے مدینہ لایا۔ جب قباء کی آبادی پر نظر پڑی تو کہنے لگا: ''اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ وہ یہیں قیام پذیر ہیں۔'' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ نے مکہ کا راستہ لیا۔ (زرقانی: ۳/۲۷۲۔۲۷۳)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب قباء پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے اور یہ بھی پوچھتے تھے کہ وہ کس کی بیٹی ہیں؟ اور جب سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کا نام بتاتیں تو لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ لوگوں کی ان کے بارے میں یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی کیونکہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی تنہا سفر نہیں کرسکتی تھی یا ان کی حیرت اس بات پر تھی کہ اس زمانہ میں شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا مجبوراً خاموش ہو جاتیں کیونکہ ان کو لوگوں کی حیرت کا پورا پورا احساس تھا لیکن یہاں تو ایمان کی آگ تھی جو اندر جرأت اور دلیری پیدا کر رہی تھی۔ بقول شاعر:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

جب کچھ عرصہ کے بعد کچھ لوگ حج بیت اللہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور

Marfat.com

سیدہ رضی اللہ عنہا نے ان کے ہاتھ اپنے گھر رقعہ بھجوایا تب ان کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابو امیہ کی بیٹی ہے۔ ابو امیہ چونکہ قریش میں نہایت معزز اور مشہور آدمی سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ اپنی بخشش اور سخاوت کی وجہ سے اجود العرب تھے۔ سفر وحضر میں جو شخص آپ کے ساتھ ہوتا اس کا نان ونفقہ ان کے ذمہ ہوتا۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں بڑی قدر اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔

(مسند احمد:۶/۳۰۰)

حریمِ نبوت میں داخلہ:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو سلمہ بن عبدالاسد مدینہ طیبہ میں اپنے بچوں کے ساتھ نہایت خوشی و مسرت سے زندگی گزار رہے تھے کہ ۲ھ میں جنگ بدر کے لیے سرکار دو عالم کی معیت میں مدینہ طیبہ سے باہر نکلے۔ بدر میں بھرپور شرکت کی۔ پھر ۳ھ میں جنگ احد میں شرکت کی اور مشرکین سے برسرپیکار ہوئے، لیکن معرکۂ احد میں ابو اسامہ جشمی کے ایک تیر نے بازو زخمی کر دیا جس کی وجہ سے قریباً ایک ماہ زیر علاج رہے۔ ایک ماہ کے علاج کے بعد وہ زخم بظاہر مندمل ہو گیا لیکن غیر محسوس طریقے پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا گویا کہ آج کل کی اصطلاح میں سپٹک (Septic) ہو گیا۔ اسی اثناء میں آپ سریۂ قطن پر مامور ہوئے۔

فید کے اطراف میں قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا (ملاحظہ ہو معجم البلدان) سرکار دو عالم ﷺ کو اطلاع ملی کہ طلیحہ اور اسد بن خویلد یہاں اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں۔ اس وجہ سے اوائل محرم میں ہجرت سے ۳۵ ماہ بعد سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو علم دے کر فرمایا۔ ''روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ بنو اسد کی سرزمین میں پہنچ کر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے قبل ان کا شیرازہ منتشر کر دو۔''

سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اس مہم سے کامیاب واپس لوٹے۔ دشمن کے شیرازہ کو نہ صرف منتشر کیا بلکہ کثرت کے ساتھ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے۔ مدینہ پہنچ کر ہر شے بطور مال غنیمت بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ آپ اس مہم کے سلسلہ میں ۲۹ دن مدینہ طیبہ سے

Marfat.com

غائب رہے۔

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آئے تو پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور ایک عرصہ بیمار رہ کر جمادی الآخرہ ۴ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ حالت نزع میں اتفاق سے سرکار دوعالم ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ روح دیدار جمال کی منتظر تھی۔ ادھر آپ ﷺ تشریف لائے ادھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا۔

''انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی دونوں آنکھیں اس کو دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔'' (طبقات ابن سعد: ۱۷۲/۳)

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا خود سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تشریف لائے تو گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں مصروف ماتم تھیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: ''ہائے غربت میں کیسی موت آئی۔'' سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''صبر کرو اور ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو خداوند! ان سے بہتر اِن کا جانشین عطا کر۔'' اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور نماز جنازہ اہتمام سے پڑھائی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی نماز جنازہ میں نو تکبیریں کہیں۔ بعض لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا: ''یارسول اللہ ﷺ! آپ کو سہو تو نہیں ہوا'' فرمایا! یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔ (مسند احمد: ۲۸۹/۶، زرقانی: ۲۷۵/۳)

مسلم کی روایت میں ہے کہ جب میں چیخی چلائی تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم شیطان کو اس گھر میں داخل کرنا چاہتی ہو جس سے اللہ نے اس کو نکال دیا ہے۔'' چنانچہ میں پھر بالکل نہ روئی۔ (مسلم، باب البکاء علی المیت حدیث نمبر ۹۲۲)

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام لے کر آئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے چند عذر ہیں:

① میں سخت غیور عورت ہوں۔

② عیال دار ہوں۔

Marfat.com

③ میرا یہاں کوئی ولی نہیں جو میرا نکاح کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ تیسری شرط یہ تھی کہ "میرا سن زیادہ ہے۔"

حضور علیہ السلام نے ان سب عذروں کو منظور کیا۔

ایک روایت ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت سے خوش خوش گھر واپس آئے اور کہنے لگے کہ آج مجھے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ارشاد نے بے حد محظوظ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کی طرف رجوع کر کے کہتا ہے: "اے اللہ! اس مصیبت میں میری مدد فرما اور بہتر نعم البدل عطا فرما، تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔"

سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات نے مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے کہا: "اے اللہ! میری مدد فرما اور تلافی بالخیر فرما۔" لیکن پھر مجھے یہ خیال گزرا کہ میرے لیے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے پھر جب میری عدت گزری تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا لیکن میں نے ان کو بھی انکار کر دیا۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس کو میں نے قبول کر لیا، لیکن تین عذر پیش کیے:

① میں سخت غیور عورت ہوں۔

② عیال دار ہوں۔

③ میرا یہاں کوئی ولی نہیں جو میرا نکاح کرے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے یہ تینوں عذر قبول فرمائے۔ اب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اپنے لڑکے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اٹھو اور حضور علیہ السلام سے میرا نکاح کر دو۔

نسائی کی روایت میں "لابنھا" (اپنے بیٹے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا) کے الفاظ ہیں۔ اگرچہ حافظ نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (ملاحظہ ہو الاصابہ ترجمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا) لیکن حافظ المزنی نے کہا ہے کہ صحیح الفاظ یہ ہیں (قم یا عمر) مسند احمد کی کئی روایات میں یہ لفظ منقول ہیں اور جو "لابنھا" کا لفظ ہے وہ راوی نے اپنے گمان وظن سے لکھ دیا ہے کیونکہ ان کے لڑکے کا نام بھی عمر رضی اللہ عنہ تھا لیکن یہاں عمر رضی اللہ عنہ سے مراد سیدہ رضی اللہ عنہا کا لڑکا نہیں ہے کیونکہ وہ اس

Marfat.com

زمانہ میں صغیر السن تھا بلکہ اس سے مراد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جو بعض روایات کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کا پیغام لے کر آئے تھے۔ مسلم کی روایت میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے نکاح کا پیغام سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ لے کر آئے تھے۔ (مسلم، حدیث نمبر ۹۱۸)

سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد یہ دعا مانگی کہ ''اے اللہ! مجھے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کوئی بہتر عطا فرما۔'' تو مجھے خیال آیا کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل کون ہوسکتا ہے؟ لیکن جب خود حضور ﷺ کا پیغام آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تلافی بالخیر کی صورت پیدا فرمادی۔ (مسند احمد: ۴/ ۲۷، نسائی: ۵۱۱)

ابن ماجہ میں ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ اے اللہ! مجھے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل عطا فرما تو دل کہتا کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل سرکار دو عالم ﷺ ہوئے۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی یہ تقریب شوال ۴ھ کی آخری تاریخوں میں انجام پائی۔

ابوعبیدہ معمر بن المثنی فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے واقعہ کے بعد شوال ۲ھ میں سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے نکاح کیا لیکن یہ روایت غلط ہے کیونکہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عدت گزرنے پر آپ نے سیدہ سے نکاح کیا اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات جمادی الآخرہ ۴ھ میں ہوئی ہے۔

(الاستیعاب: ۴/ ۱۹۲۱، ۳/ ۹۱۸، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳/ ۴۶۳، و نقل الامام النووی فی تہذیبہ: ۶/ ۳۶۲ عن خلیفۃ ابن خیاط وغیرہ ان رسول اللہ ﷺ تزوجھا فی شوال سنۃ اربع)

سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں چکی، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمہ کی چھال بھری تھی، عنایت فرمایا۔ یہی سامان آپ ﷺ نے دوسری بیویوں کو بھی دیا تھا۔

(مسند احمد: ۶/ ۲۹۵)

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بہت حیا دار تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ جب گھر پر تشریف لاتے تو

Marfat.com

سیدہ رضی اللہ عنہا فرط غیرت سے اپنی لڑکی زینب کو گود میں بٹھا لیتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (جو سیدہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی اور بعض روایات کے مطابق ماں کی طرف سے بھائی تھے) کو جب معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی (جس کا نام کتابوں میں زینب رضی اللہ عنہا آیا ہے) کو چھین کر لے گئے۔ اس کے بعد جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو مکان ادھر ادھر سے دیکھا۔ پھر دیکھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی گود میں بچی نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا۔ ''زینب رضی اللہ عنہا کہاں ہے؟'' عرض کیا عمار رضی اللہ عنہ آئے تھے اور وہ اسے لے گئے۔ لیکن بعد میں یہ بات کم ہوگئی اور جس طرح آپ رضی اللہ عنہا کی دوسری بیویاں رہتی تھیں، سیدہ بھی اسی طرح رہنے لگیں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح ہوا تو ان کا طریقہ زندگی ایسا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مزاج دوسری ازواج سے ملتا ہی نہیں لیکن چند ہی دنوں میں وہ بھی دوسری بیویوں کی طرح اپنی زندگی گزارنے لگیں۔

(المطالب العالیہ:۴/۱۳۳، مسند ابو یعلی:۶/۲۴۴۔۲۴۷، مسند الشافعی:۶/۲۶۔۲۷، مسند احمد:۶/۳۱۳،۳۱۴،۳۱۷ وصحہ اسنادہ الحافظ فی فتح الباری عند شرح حدیث رقم ۵۱۷۲،۶/۸۱، وصحہ الحافظ فی الاصابہ:۸/۲۲۳، طبقات ابن سعد:۸/۹۳، سیر اعلام النبلاء:۲/۲۰۵۔۲۰۲)

ابن سعد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ جنتی ہو تو اس کے ساتھ وہ بھی جنتی ہوتی ہے اور اگر وہ عورت شوہر کے مرنے کے بعد شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ جنت میں ان دونوں کو جمع فرما دیں گے۔ اسی طرح اگر عورت مر جائے اور مرد اس کے بعد شادی نہ کرے تو وہ بھی جنت میں اس کے ساتھ مل جائے گی۔ لہٰذا آؤ ہم یہ عہد کریں کہ نہ تم میرے مرنے کے بعد شادی کرنا اور نہ میں تمہارے بعد شادی کروں گی۔

یہ سن کر سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ام سلمہ! کیا تو میری ایک بات مانے گی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا ضرور مانوں گی۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب میں انتقال کر جاؤں تو تم ضرور شادی کر لینا۔ پھر فرمایا۔

اے اللہ! ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو میرے بعد مجھ سے بہتر مرد عطا فرما جو نہ اسے غمزدہ ہونے دے اور نہ اسے اذیت دے۔

Marfat.com

سیدہ فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر میرے لیے کون ہوگا، لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا خود اپنا پیغام میرے پاس آ گیا۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۸۸، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۰۳)

امام بیہقی نے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر تو جنت میں میری بیوی ہونا چاہتی ہے تو میرے انتقال کے بعد شادی نہ کرنا کیونکہ جنت میں عورت دنیا کے آخری مرد کی بیوی ہوگی۔ (السنن الکبریٰ: ۷/ ۷۰)

روایات میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح سے قبل آپ نے ان کا ذکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا رنج ہوا۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ مجھے سخت رنج ہوا۔ (حزنت حزناً شدیداً) رسول اللہ ﷺ کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب تمام ازواج کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کی ضرورت پیش آئی تو اس موقع کے لیے سب نے انھی کا انتخاب کیا۔

بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دو گروہ تھے۔ ایک میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا شامل تھیں، جب کہ دوسرے گروہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیادہ منظور نظر تھیں اور آپ ﷺ انھیں زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ اس وجہ سے لوگ انھی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی ساتھی ازواج نے ان سے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں، اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ جس مکان میں بھی ہوں، لوگوں کو وہاں ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا۔ تیسری مرتبہ فرمایا۔ ''ام سلمہ رضی اللہ عنہا! عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ (بخاری: ۱/ ۵۳۲)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کے آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا جو سرکار دو عالم ﷺ کے مشہور غلام تھے، یہ درحقیقت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے

Marfat.com

غلام تھے۔آپ نے انھیں آزاد کیا اور اس شرط پر آزاد کیا کہ جب تک سرور کائنات ﷺ زندہ ہیں ان کی خدمت کرنا تمہارے لیے ضروری اور لازم ہے۔(مسند احمد:۶/۳۱۹)

عام حالات زندگی:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا شوال ۴ھ میں حریم نبوت میں داخل ہوئیں۔اس کے بعد سرکار دوعالم ﷺ کی پوری دنیوی زندگی میں آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔سفر وحضر دونوں میں آپ کو بڑے قریب سے دیکھا۔غزوۂ خندق میں اگر چہ وہ شریک نہ تھیں تاہم آپ ﷺ کے اس قدر قریب تھیں کہ حضور ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں۔فرماتی ہیں مجھے اس وقت اچھی طرح یاد ہے جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتاً سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی جو دوسروں سے زیادہ اینٹیں اٹھا رہے تھے۔آپ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''اے سمیہ کے بیٹے! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' (مسند احمد:۶/۲۸۹)

غزوۂ بنوقریظہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے یہودیوں سے گفتگو کرنے کے لیے ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے بنوقریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے۔اس لیے ان کو یہ امید ہوئی کہ شاید وہ اس آڑے وقت میں ہماری کوئی مدد کرسکیں۔اس وجہ سے بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے مشورہ کریں۔چنانچہ آپ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سب جمع ہوگئے۔بچے اور عورتیں ان کو دیکھ کر رونے لگیں۔ان کا رونا دیکھ کر ابولبابہ کا دل بھر آیا۔بنو قریظہ نے جب ان سے یہ دریافت کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم کو منظور کرلیں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں؟ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ہاں بہتر ہے لیکن حلق کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ تم لوگ قتل کیے جاؤ گے یعنی رسول اللہ ﷺ کا ارادہ تمہارے قتل کا ہے۔ابو لبابہ رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے کہ فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے اور سیدھے وہاں سے مسجد نبوی ﷺ میں پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک حق تعالیٰ شانہ میری توبہ قبول

Marfat.com

نہ فرمائے گا اس وقت تک اس جگہ سے نہ ہٹوں گا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ بنو قریظہ میں کبھی قدم نہ رکھوں گا اور جس شہر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی ہے اس کو کبھی نہ دیکھوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب خبر ہوئی تو یہ ارشاد فرمایا:

''اگر وہ سیدھا میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا لیکن جب وہ ایسا کر گزرا ہے تو میں اب اس کو اپنے ہاتھ سے نہ کھولوں گا۔ جب تک اللہ عزوجل اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔'' (طبری: ۳/۵۴، السیرۃ النبویہ: ۲/۱۴۶، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۱۹)

ابولبابہ رضی اللہ عنہ مسجد کے ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے کھول دیئے جاتے تھے۔ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں اسی طرح رہوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں۔ اس وقت سرکار دو عالم ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی۔ عرض کیا تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنادوں۔ فرمایا ہاں اگر چاہو۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور بلند آواز سے کہا: ابولبابہ مبارک ہو، اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ اُمڈ آیا اور لوگوں کے مسجد نبوی ﷺ میں ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ مسلمان انھیں مسجد کے ستون سے کھولنے لگے لیکن ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک رسول اللہ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اس وقت تک نہ کھلوں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ جب صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو خود دست مبارک سے انھیں کھولا۔ (زرقانی: ۲/۳۲، طبقات ابن سعد: ۲/۵۴)

اسی سال ۵ھ میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ اس سے قبل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بعض دور کے رشتہ داروں کے سامنے آجایا کرتی تھیں۔ اب خاص خاص اعزاء و اقارب کے سوا ہر ایک سے پردہ کا حکم دیا گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل فرمائی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم قریش کے ایک معزز صحابی اور مسجد نبوی ﷺ کے موذن تھے۔ چونکہ وہ نابینا تھے اس وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں آیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد ایک روز آئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''ان سے پردہ

Marfat.com

کرو۔" یہ بولیں! یہ تو نابینا ہے۔ فرمایا! تم تو نابینا نہیں ہو تم تو انھیں دیکھتی ہو۔" (مسند احمد:۲/۲۹۶)

یکم ذی قعدہ ۶ھ کو نبی کریم ﷺ عمرہ کے لیے روانہ ہوئے لیکن مقام حدیبیہ پر روک دیئے گئے۔ (حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے متصل ایک گاؤں آباد ہے جو اسی نام سے مشہور ہے یہ مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔ محبّ طبری کا قول ہے کہ اس کا اکثر حصہ حرم میں ہے اور باقی حل میں۔ (فتح الباری:۸/۲۴۱، زرقانی:۲/۱۷۹) اسی مقام پر بیعت رضوان بھی ہوئی اور حدیبیہ کا معاہدہ بھی ہوا۔ اس معاہدہ کی شرائط ظاہری طور پر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں، اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت کبیدہ خاطر تھے۔ چنانچہ تکمیل صلح کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ ان شرائط صلح سے اس قدر مغموم اور شکستہ خاطر تھے کہ رسول خدا ﷺ نے انھیں تین بار حکم دیا مگر ایک شخص بھی نہ اٹھا۔

جب سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کا یہ رویہ دیکھا تو آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جو اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں، از راہِ شکایت یہ واقعہ بیان فرمایا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں، اس وجہ سے تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ آپ ﷺ کسی سے کچھ نہیں فرمائیں بلکہ باہر نکل کر قربانی کر کے سر منڈائیں۔ یہ خود بخود آپ ﷺ کی اتباع کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ﷺ کے قربانی کرتے ہی سب نے قربانی شروع کر دی اور سر منڈا کر احرام اتارا۔ ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص اپنی اور دوسرے کی حجامت بنانے کی خدمت سر انجام دے رہا تھا۔

(بخاری حدیث نمبر ۲۷۳۱-۲۷۳۲، فتح الباری کتاب الشروط:۵/۲۴۵-۲۵۶ مسند احمد: ۴/۳۲۳-۳۲۶)

اس واقعہ سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جزالت رائے کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی فطرت شناسی میں ان کو کس قدر کمال حاصل تھا۔ امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کر سکتی۔

(زرقانی:۳/۲۰۳)

Marfat.com

سیدہ رضی اللہ عنہا غزوۂ خیبر میں بھی شریک تھیں۔ مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کڑکڑاہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی۔ (الاستیعاب: ۲/۲۲۶)

۹ھ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا جیسا کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی۔ پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آئے۔ یہ ان کی عزیز ہوتی تھیں لہٰذا ان سے بھی گفتگو کی اور سمجھایا، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''اے ابن خطاب! تم پر تعجب ہے تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج رضی اللہ عنہن کے معاملہ میں بھی دخیل ہوتے ہیں۔ (بخاری: ۲/۷۲۰)

سیدہ رضی اللہ عنہا کا جواب چونکہ نہایت خشک تھا، اس وجہ سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ دوسرے یہ معاملہ میں بھی خالص حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا لہٰذا اٹھ کر چلے آئے۔ رات کو یہ خبر مشہور ہوگئی کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی ہے۔ یہ خبر سن کر صبح کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل کا تمام واقعہ بیان کیا لیکن جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو آپ ﷺ مسکرا اٹھے۔

۱۰ھ میں حجتہ الوداع ہوا۔ نبی کریم ﷺ ۲۵ ذی قعدہ شنبہ ۱۰ھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ منورہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مہاجرین و انصار اور اصحاب جان نثار رضی اللہ عنہم کا ایک جم غفیر آپ کے ہمراہ تھا۔ شمع نبوت کے گرد نوے ہزار یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے بھی زائد پروانوں کا ہجوم تھا۔ (مواہب: ۳/۱۰۵) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ میں علیل تھیں تاہم دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ وہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ آئیں۔ ن بہان غلام اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔

(مسند احمد: ۶/۳۰۸)

طواف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جب نماز فجر کھڑی ہو تو اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لینا۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ (بخاری: ۱/۲۱۹)

حجتہ الوداع سے واپسی کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی اور تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ ماہ صفر کے آخری عشرہ میں

Marfat.com

آپ ﷺ ایک بار رات کو اٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے لیے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتاً مزاج ناساز ہو گیا۔ سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی۔ (السیرۃ النبویہ:۳/۹۳، البدایہ والنہایہ:۵/۲۲۳)

یہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ باری باری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض میں شدت ہوئی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے آئے۔ اس سے آخری ہفتے کی تیمارداری سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئی۔

(زرقانی جلد ۸/ ۲۵۵)

سرکار دو عالم ﷺ جب سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر آپ کو دیکھنے کے لیے وہاں جایا کرتیں۔ ایک دن حضور ﷺ کی طبیعت زیادہ علیل ہو گئی تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس صدمہ سے چیخ اٹھیں۔ روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے منع فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا طریقہ اور شیوہ نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد:۲/۱۳)

ایک روز مرض میں زیادہ شدت پیدا ہوئی تو مرض کے افاقہ کی غرض سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے دوا پلانا چاہی چونکہ دوا پینا گوارا نہ تھی لہٰذا آپ ﷺ نے انکار فرمایا لیکن تھوڑی غشی طاری ہو گئی۔ غشی کی حالت میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے زبردستی منہ کھول کر دوا پلا دی۔ اسی زمانہ میں ایک دن سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو حبشہ ہو آئی تھیں، وہاں کے عیسائی گرجوں کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے تو وہ اس کی قبر کو عبادت گاہ بنالیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ روز قیامت حق تعالیٰ شانہ کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔ (بخاری)

وفات:

واقدی کا بیان ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال قبل ہوا۔

(طبقات ابن سعد:۸/ ۸۷، انساب الاشراف:۱/۴۳۲ جوامع السیرۃ ۳۳)

Marfat.com

حافظ ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۶۰ھ میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا اور یہی صحیح ہے۔ (عیون الاثر: ۲/۳۹۸)

ابن ابی خیثمہ کا قول ہے کہ سن وفات ۶۱ھ ہے اور وہ اس کو صحیح کہتے ہیں۔

(ذکرھا عنہ الحافظ فی الاصابہ:۸/۲۲۵، وھو قول ابن حبیب فی المحبر: ص:۹۹)

طبرانی نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا اور سب سے آخر میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جو کہ ۶۲ھ میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا۔ (المعجم الکبیر: ۲۳/ ۲۴۸، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۵)

ہمارے نزدیک صحیح سن وفات ۶۰ھ ہے جیسا کہ حافظ ابن سید الناس نے لکھا ہے۔

وفات کے وقت ۸۴ سال عمر تھی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

اولاد:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سرکار دو عالم ﷺ سے تو کوئی اولاد نہیں تھی البتہ پہلے شوہر سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اولاد تھی جن کے نام سلمہ، عمر، درہ اور زینب ہے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ سب سے بڑے تھے، عمر رضی اللہ عنہ درمیانے اور زینب سب سے چھوٹی تھی۔ یہ سب آغوش رسالت میں جوان ہوئے تھے۔

① سلمہ رضی اللہ عنہ: یہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح امامہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے کیا تھا۔ یہ عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔ ان سے کوئی روایت محفوظ نہیں ہے۔

(السیرۃ النبویہ: ۴/۶۴۴، انساب الاشراف: ۱/۴۳۰، اصابہ: ۳/۱۵۰، اسد الغابہ: ۲/۴۲۹)

② عمر رضی اللہ عنہ: یہ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ۹ سال کے تھے۔ اس حساب سے یہ ۲ھ میں پیدا ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے زمانۂ خلافت میں فارس اور بحرین کا گورنر بنایا تھا۔ ۸۳ھ میں سیدنا

Marfat.com

عبدالملک بن مروان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

(انساب الاشراف:۱/۴۳۰، الاصابہ:۴/۵۹۲)

(۳) درہ: ان کا ذکر بخاری میں بھی آتا ہے۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ ﷺ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے، اگر میں نے اس کو پرورش نہ کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لیے کسی طرح حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔

(بخاری:۲/۷۶۴)

(۴) زینب رضی اللہ عنہا: یہ بھی ارضِ حبشہ میں پیدا ہوئیں اور ان کا نام برہ تھا لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے زینب رکھا۔ (مسلم، حدیث نمبر ۲۱۴۲ زرقانی:۳/۲۷۲)

چھوٹی تھیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئیں جب کہ آپ ﷺ غسل فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کے چہرہ پر پانی چھڑکا اس کے اثرات یہ ہوئے کہ بڑھاپے میں باوجود کمزور اور لاچار ہونے کے جوانی کے اثرات ان کے چہرے سے عیاں تھے۔ چنانچہ عطاف فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھے بتایا کہ میں نے زینب رضی اللہ عنہا کا چہرہ اس زمانے میں دیکھا جبکہ وہ بڑھاپے کی منزلیں طے کررہی تھیں کہ ان کے چہرہ پر جوانی کے اثرات میں سے کچھ کم نہیں ہوا تھا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی:۲۴/۲۸۲، مجمع الزوائد:۹/۲۵۹، الاستیعاب:۴/۱۸۵۵، اسد الغابہ:۷/۱۳۲، الاصابہ:۷/۶۷۶)

یہ عبداللہ بن زمعہ بن الاسود الاسدی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ ان سے اولاد بھی ہوئی اور وہ اپنے زمانے کی بہت بڑی فقیہہ تھی۔ (اسد الغابہ:۷/۱۳۲)

حلیہ:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کی نہایت حسین عورت تھیں۔ (الاصابہ:۷/۶۷۲)
ابن سعد کی روایت کے مطابق جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حسن کا حال معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں مگر یہ واقدی کی روایت ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ سیدہ کے بال نہایت گھنے تھے۔

(مسند احمد:۶/۲۸۹)

Marfat.com

مناقب وفضائل:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت فضائل وکمالات کی مالک تھیں۔ علمی حیثیت کے لحاظ سے اگرچہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بلند مرتبہ تھیں پھر بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی جواب نہ تھا۔ چنانچہ طبقات میں محمود بن لبید کا قول ہے:

''رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن احادیث کا خزانہ تھیں تاہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی حریف ومقابل نہ تھا۔'' (طبقات ابن سعد:۲/۱۲۶)

سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ ان سے اکثر مسائل دریافت کرتے اور اعلانیہ فرماتے تھے: ''سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں؟'' (مسند احمد:۶/۳۱۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا علم بحر زخار ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے۔ (مسند احمد:۶/۳۱۲)

تابعین کا ایک بہت بڑا گروہ ان کے آستانہ علم وفضل کا گدا تھا۔

قرآن حکیم نہایت اچھا پڑھتی تھیں بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کے طرز اور لہجہ میں پڑھتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ حضور ﷺ کس طرح قرأت کرتے تھے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک ایک آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے پھر خود اسی طرح پڑھ کر بتلایا۔ (مسند احمد:۶/۳۰۰)

حدیث میں بھی آپ رضی اللہ عنہا کا ایک خاص مقام تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ان کا اس فن میں اور کوئی حریف نہ تھا۔ ان سے ۳۸۷ روایات مروی ہیں۔ اس وجہ سے وہ محدثین صحابہ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث کی سماعت کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز بال گندھوا رہی تھیں کہ سرکار دو عالم ﷺ خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور زبان مبارک سے ''ایھا الناس'' (اے لوگو) کا لفظ نکلا۔ اسی وقت مشاطہ سے فرمایا۔ بال باندھ دو۔ اس نے کہا۔ جلدی کیا ہے؟ ابھی تو آپ ﷺ کی زبان سے ''ایھا الناس'' کا لفظ ہی نکلا ہے۔ فرمایا کیا خوب؟ کیا ہم آدمیوں میں

Marfat.com

داخل نہیں؟ اس کے بعد خود بال باندھ کر کھڑی ہوگئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔
(مسند احمد: ۲/۲۹۷)

آپ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، ہند بنت الحارث الفراسیہ رضی اللہ عنہا، صفیہ رضی اللہ عنہا بنت شیبہ، عمر رضی اللہ عنہ، زینب (اولاد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا) مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (برادر زادہ) نبہان (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافع رضی اللہ عنہ، نافع رضی اللہ عنہ، شعبہ رضی اللہ عنہ، پسر شعبہ رضی اللہ عنہ، خیرۃ والدہ حسن بصری، سلیمان رضی اللہ عنہ بن یسار، ابوعثمان النہدی رضی اللہ عنہ، حمید رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، ابو وائل رضی اللہ عنہ، صفیہ بنت محصن رضی اللہ عنہا، شعبی رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عثمان بن عبداللہ بن موہب، عروہ رضی اللہ عنہ بن زبیر، کریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ، قبیصہ بن زویب، نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ، یعلی بن مملک وغیرھم۔

حدیث کے علاوہ فقہ میں بھی ایک خاص مقام حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

صاحب العقل البالغ والرائی الصائب

وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔ (اعلام الموقعین: ۱/۱۳)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں کچھ روایات نقل کی ہیں جن سے آپ کی علمی اور فقہی ثقاہت کا پتہ چلتا ہے۔

ایک دفعہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے باطن کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ اگرچہ اس جملہ میں ایک لفظ بھی افشاء حقیقت کے لیے کافی نہ تھا پھر بھی چونکہ یہ ایک راز تھا، فاش کرنے پر ندامت ہوئی۔ حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے بہت اچھا کیا۔'' (مسند احمد: ۶/۳۰۹)

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ جواب دیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے۔ چونکہ انھوں نے یہ حدیث اپنی خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ سے سنی تھی۔ مروان رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس تصدیق کے لیے آدمی بھیجا، انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس دریافت حقیقت کے لیے آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا۔ آپ نے فرمایا:

''خدا عائشہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت فرمائے، انھوں نے بات نہیں سمجھی۔ کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔''

(مسند احمد: ۶/ ۲۹۹، ۳۰۳، بخاری: ۲/ ۶۲۷)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ رمضان المبارک میں غسل جنابت صبح اٹھ کر فوراً کرنا چاہیے، ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک شخص نے جا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ دونوں نے کہا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں روزہ رکھتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو چہرہ کا رنگ فق ہوگیا اور اس خیال سے رجوع کیا اور فرمایا: ''میں کیا کروں؟ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ اس بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ علم ہے۔

(مسند احمد: ۶/ ۳۰۶، ۳۰۸)

بعض حضرات خود تو بہت کچھ جانتے ہوتے ہیں لیکن جواب دینے میں وہ فصاحت اور سلاست نہیں ہوتی جو دوسرے آدمی کی تسلی و تشفی کر سکے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے جواب میں سلاست اور علمیت دونوں چیزیں ہوتی تھیں اور آپ کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ سائل کی تسلی و تشفی ہو جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا۔ وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس گیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا لیکن سب نے ایک ہی جواب دیا۔ واپس آ کر اس نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو خبر سنائی تو وہ بولیں ذرا ٹھہرو! میں تمہاری تسلی کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں حدیث سنی ہے۔ (مسند احمد: ۲/ ۲۹۷)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہ صرف قرآن و سنت اور فقہ میں

Marfat.com

کامل دسترس رکھتی تھیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کو علم اسرار سے بھی کافی آشنائی تھی۔ یہ وہ علم تھا جس کے سیدنا حذیفہ خصوصی عالم تھے۔ اسی وجہ سے انھیں ''صاحب السر'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے انھیں ارشاد فرمایا کہ سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں انتقال کے بعد دیکھوں گا اور نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب سیدہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے یہ ارشاد نبوت سنا تو گھبرا کر فوری طور پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ حدیث بیان کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا زہد و اتقاء اور تقویٰ وخشیت الٰہی انتہا تک پہنچی ہوئی تھی۔ فوری طور پر اٹھ کر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور کہا: ''خدا کی قسم! سچ سچ بتانا کیا میں بھی انھیں میں سے ہوں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں، لیکن تمہارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔

(مسند احمد: ۶/ ۳۰۷)

علمی ثقاہت و فقاہت کے علاوہ سیدہ رضی اللہ عنہا زہد و اتقاء اور اخلاق و مروت کی اعلیٰ بلندیوں پر تھیں۔ ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اعراض فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فوری طور پر اسے اتار دیا۔ (مسند احمد: ۳۱۵)

ہر مہینہ میں تین روز (پیر، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔ (مسند احمد: /۲۸۹)

اجر وثواب کی ہر وقت متلاشی رہتیں۔ چنانچہ صحیحین میں روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سرکار دوعالم ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے میرے جو بچے ہیں، میں ان پر خرچ کرتی ہوں اور ان کی اچھے طریقے سے پرورش کرتی ہوں۔ میں ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتی آخر وہ میرے بھی بچے ہیں۔ کیا مجھے ان کی پرورش پر اجر ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں جو کچھ تو ان پر خرچ کرے گی تجھے اس پر اجر ملے گا۔''

(بخاری حدیث: ۵۳۶۹، مسلم حدیث: ۱۰۰۱)

آیت تطہیر انھی کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا کالا کمبل اوڑھایا اور فرمایا: اے اللہ! میں

Marfat.com

اور میرے اہل بیت تیری پناہ میں ہیں اور انھیں جہنم سے محفوظ و مصئون فرما۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں بھی (اس دعا میں شریک ہوں) فرمایا! ہاں تو بھی۔ (مسند احمد: ۶/۲۹۶، ۳۰۴، ۳۰۵، المعجم الکبیر: ۲۳/۳۳۰، ۳۹۳، مجمع الزوائد: ۹/۱۶۶)

عمرو بن شعیب فرماتے ہیں کہ میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ سرکار دو عالم ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ایک ران پر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی آغوش میں بٹھایا اور فرمایا:

﴿رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ﴾

(ھود: ۱۱:۷۳)

''اے گھر والو! تم پر اللہ کی خاص رحمت اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ بے شک اللہ لائق تعریف اور بڑی شان والا ہے۔''

میں اور میری والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو کس وجہ سے روئی؟ انھوں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ نے انھیں مخصوص کر دیا اور مجھے اور میری بیٹی کو چھوڑ دیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''تو اور تیری بیٹی دونوں اہل بیت میں سے ہو۔''

(المعجم الکبیر: ۲۴/۲۸۱، ۲۸۲، مجمع الزوائد: ۹/۱۷۱، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱/۱۷۲، السمط الثمین: ۱۰۶)

آیت تطہیر کا مصداق:

آیت تطہیر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی۔ یہ قرآن حکیم کی سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ ہے۔ سورۃ احزاب میں ایک پورا رکوع اہل بیت نبوت کے بارے میں نازل کیا گیا جس میں سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے آداب، شرف و فضل اور ان کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھنے کا وضاحت سے بیان فرمایا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے انتقال کے وقت اسلامی سلطنت کی وسعت قریباً دس لاکھ

Marfat.com

مربع میل تک پہنچ چکی تھی۔ فتوحات کثیرہ کی بنا پر مختلف علاقوں سے مال و دولت غنیمت کی شکل میں سمٹ کر مدینہ میں آ گیا تھا جس کی وجہ سے مسلمان آسودہ حال ہونے لگے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی اپنی فقر و فاقہ کی حالت ختم کرنے کی خاطر اپنے اخراجات میں اضافہ کا مطالبہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا دنیا کی طرف اس قدر التفات پسند نہ آیا اور سورۃ احزاب کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ایک پورا رکوع حق تعالیٰ شانہ نے ان کے حق میں اتارا۔ آیت تطہیر بھی انھی آیات میں سے ایک آیت ہے۔

شیعہ حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس آیت نمبر ۳۳ کا ازواج النبی رضی اللہ عنہن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ آیت صرف ''چار تن'' کے لیے نازل ہوئی، اور اہل بیت سے یہی چار حضرات مراد ہیں۔ یہ بات اس رکوع کے مفہوم کے خلاف ہے۔ اس رکوع کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے:

① سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن دنیا کی آرائش اور زیب و زینت کی طالب اور خواہش مند نہ تھیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو طلب کرنے والی تھیں اور دار آخرت کے درجات عالیہ کی خواہش مند تھیں، ورنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہایت اچھے طریقے سے الگ کر دیتے جیسا کہ ان کو حکم خداوندی تھا لیکن آپ نے ان کو چھوڑ کر الگ نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نیک کردار، نیک خصال، نیک اعمال اور نیک نیت تھیں اور حق تعالیٰ شانہ نے ان کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

ہر کار خیر اور عمل صالح میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے اگر بالفرض ان سے کوئی صریح بداخلاقی یا نافرمانی کی کوئی بات صادر ہو جائے تو اس کی سزا بھی دگنی ہے، اور یہ چیز ان کے بڑے درجہ اور مقام کی بلندی اور عظمت کو بیان کرتی ہے۔

اس امت کی تمام عورتوں میں ان کے مرتبے کی کوئی عورت نہیں، اگر یہ تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کریں اور بوقت ضرورت مردوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں نرم لہجہ ہرگز اختیار نہ کریں تاکہ ان کے دل میں خیال فاسد کی طمع راہ نہ پا سکے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے اپنے گھروں میں قرار پذیر رہنے کا حکم اور جاہلیت کے دور کے موافق زیب و زینت دکھلانے کے لیے باہر نکلنے پر پابندی ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے یہ حکم ہے کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ اور

Marfat.com

اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔

اللہ تعالیٰ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہل بیت سے اخلاقِ رذیلہ اور حب مال وغیرہ کی پلیدی اور غلاظت دور کرنا چاہتا ہے اور بحکم ''ارادہ تشریعی'' ان کو خوب پاک کرنا اور پاک رکھنا چاہتا ہے۔

تقویٰ و طہارت کی صفت ان کی دائمی صفت ہے، اس وجہ سے ان کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مبارک لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت و دانش کی باتیں جو ان کے پاک اور طیب گھروں میں ہمیشہ تلاوت کی جاتی ہیں، ان کو کوزۂ ذہن میں محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس وجہ سے نبی اکرم ﷺ کا گھرانہ حکمت و دانش اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

وحی الٰہی جیسی نعمت عظمیٰ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں نازل ہوتی ہے، اور کسی کو یہ دولت عظمیٰ نصیب نہیں ہوتی۔

مذکورہ بالا آداب و فضائل کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ایک خصوصی چیز جو اس صورت کی ابتداء میں بیان کی گئی ہے، امت کے لیے اس کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا لازم ہے، وہ یہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾

(الاحزاب: ۳۳:۶)

''یعنی نبی اکرم ﷺ مومنوں کے ساتھ زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور ان کی جانوں سے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مومنوں کی مائیں ہیں۔''

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ''تمام مومنوں کی مائیں'' ہونے کی فضیلت ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھنے کا حکم ہے۔ اس تمام رکوع پر نگاہ رکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے تخاطب اور کام شروع ہوا۔ آداب و اخلاق سمجھانے کے ساتھ ساتھ ان کی شان کے مطابق فضائل و مراتب بھی بیان فرمائے۔

شیعہ حضرات نے آیت مذکورہ میں سے نصف آیت تطہیر کو اپنا مستدل بنا کر ''چارتن'' کی معصومیت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ پوری آیت کا قریباً نصف حصہ ہے:

Marfat.com

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الاحزاب:۳۳:۳۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ لے جائے تم سے اے نبی ﷺ کے گھر والو''رجس'' یعنی ناپاکی اور تم کو خوب پاک کر دے۔''

بعض روایات میں ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ فاطمہ ؓ، سیدنا حسن ؓ، سیدنا حسین ؓ اور سیدنا علی ؓ کو بلایا۔ ان پر اپنی چادر اوڑھائی اور فرمایا کہ ''اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور فرما اور ان کو پاک کر دے۔'' اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ''اہل بیت یہی چار افراد ہیں جن کو سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی چادر میں داخل فرمایا ہے۔ لیکن شیعہ حضرات کا یہ استدلال نہایت کمزور ہے کیونکہ یہ بات ایک مسلمہ امر اور روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس آیت تطہیر میں اہل بیت کا مصداق اصل میں سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ ہیں، اور آیت میں ان کو ہی اہل بیت کہا گیا ہے۔ باقی ان چاروں حضرات کو بالتبع اہل بیت میں شامل کیا گیا، ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ سورۃ ہود میں سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ سیدہ سارہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالُوْا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ٥ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (ہود:۱۱:۷۳)

''فرشتوں نے کہا: کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے امر سے۔ اللہ کی رحمت اور برکات ہوں تم پر اے اہل بیت (گھر والو)۔''

اس آیت میں اہل بیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری آیات میں بھی اہل البیت کا اطلاق زوجہ پر ہوا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث صحیحہ میں بھی اہل البیت کا اطلاق زوجہ پر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش ؓ سے نکاح کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے دعوت ولیمہ بھی فرمائی۔ جب آپ ﷺ ولیمہ کی دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ سیدہ زینب ؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر بعد ازیں سیدہ زینب ؓ کے گھر سے باہر تشریف لائے اور سیدہ عائشہ ؓ کے حجرہ کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا:

Marfat.com

السلام عليكم اهل البيت، فقالت: وعليك ورحمة الله، كيف وجدت اهلك بارك الله لك......الخ (بخاری:۲/۷۰۶)

یعنی اے اہل بیت! تم پر سلام ہو.........

اس کلام میں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے گھر والوں (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کے لیے ''اہل البیت'' کے الفاظ استعمال فرمائے اور ان الفاظ کا اطلاق اپنے گھر والوں پر کیا نہ کہ ان ''چارتن'' پر۔ معلوم ہوا کہ اہل البیت کا اطلاق گھر والوں اور ازواج پر ہوتا ہے۔

پھر آیت تطہیر کے ماقبل میں ﴿فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ اور اس آیت کے بعد میں ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ کے الفاظ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بیوت کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیت کے اس حصہ میں بھی ''اہل البیت'' ان گھروں کے مکینوں اور رہنے والوں پر فرمایا گیا ہے۔ یہاں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سوا کسی اور کو ''اہل البیت'' نہیں کہا گیا۔ ''بیوت'' کی اضافت جو ''کنّ'' کی طرف ہے، اس سے یہ تخصیص واضح ہوتی ہے۔ یہ اضافت چاہے ملک کی ہو یا اضافت سکنیٰ ہو۔

قرآن حکیم کی اس نص صریح کے مفہوم کو جس میں اہل البیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو کہا گیا ہے کسی حدیث کے ذریعے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس حدیث کے ذریعے ان ''چارتن'' کو بالتبع اہل بیت میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ ''البیت'' میں جو الف لام ہے وہ الف لام عہد خارجی کا ہے جو اپنے استعمال کے اعتبار سے ازواج النبی ﷺ کے بیوت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ وہی بیوت ہیں جن کو ماقبل میں ''بیوتکن'' کہا گیا ہے۔

قریباً تمام مفسرین نے آیت تطہیر کے یہی معنی کیے ہیں اور اہل البیت سے مراد ازواج النبی ﷺ لیا گیا کیونکہ آیت کا سیاق وسباق اسی پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ اندلس کے مشہور مفسر امام ابوعبداللہ قرطبی نے لکھا ہے:

قال عطاء وعكرمة وابن عباس هم زوجاته خاصة (تفسیر قرطبی:۱۴/۱۸۲)

''عطاء عکرمہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہل بیت وہ محض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔''

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت (الاحزاب:

Marfat.com

۳۳) بالخصوص سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ عکرمہ نے کہا کہ جو شخص چاہے میں اس سے اس بات پر مباہلہ کرسکتا ہوں کہ یہ آیت سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(تاریخ دمشق الکبیر: ۳/۷۳/۱۱۱)

امام نسفی نے اس بارے میں لکھا ہے:

وفيه دليل علىٰ ان نساءه من اهل بيته (تفسیر مدراک: ۴/۱۶۷)

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی اہل بیت ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''اہل سے مراد سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔ سیاق وسباق کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی گھر نہیں تھا جن میں آپ ﷺ سکونت پذیر ہوں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور پر سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿انما يريد الله...... فی نساء النبی خاصة﴾ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرسکتا ہوں کہ یہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مزید فرمایا جو تم اس سے مراد لے رہے ہو وہ نہیں ہے بلکہ اس سے صرف سرکار دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں۔ ابن جریر نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عکرمہ بازار میں منادی کیا کرتے تھے کہ آیت تطہیر سرکار دو عالم ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن سعد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد ازواج النبی رضی اللہ عنہن ہیں۔'' (روح المعانی: ۲۲/۱۲۷)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اهل البيت: بيت النبی ...... قال عكرمة ومقاتل: اراد باهل البيت نساء النبی (صلى الله عليه وسلم) رضى عنهن لانهنّ فى بيته۔ (تفسیر مظہری: ۷/۲۳۹)

''اہل البیت میں بیت سے آپ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن مراد ہیں کیونکہ وہی ان کے گھر میں قیام پذیر تھیں۔''

Marfat.com

علامہ جار اللہ زمخشری نے اس آیت کے تحت لکھا ہے:

وفی ھذا دلیل بین علیٰ أن نساء النبی من اھل بیتہ، ثم ذکرھن ان بیوتھن مھابط الوحی وامرھن ان لاینسین مایتلی فیھا من الکتاب الجامع بین امرین ...... (تفسیر کشاف:۳/۵۳۸)

''اس آیت میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی اہل بیت ہیں۔ پھر اللہ نے انھیں یہ بات یاد دلائی کہ ان کے گھر نزول وحی کے مقام ہیں اور ان کو حکم دیا کہ جو کتاب فلاح دارین کی جامع ہے اور ان کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے، اس کو فراموش نہ کریں۔''

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:

قال ابن عباس رضی اللہ عنھا وعکرمۃ وعطاء والکلبی ومقاتل و سعید بن جبیر: انّ اھل البیت المذکورین فی الآیۃ ھن زوجات النبی خاصۃ، قالوا: والمراد من البیت: بیت النبی و مساکن زوجاتہ لقولہ تعالیٰ ﴿واذکرن مایتلی فی بیوتکن﴾ و ایضاً السیاق فی الزوجات ﴿یا ایھاالنبی قل لازواجك الیٰ قولہ واذکرن ....﴾

''سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، عطاء، کلبی، مقاتل اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آیت میں مذکور اہل بیت سے مراد خاص ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بیت سے مراد نبی ﷺ کے گھر ہیں جن میں آپ ﷺ کی بیویاں رہائش پذیر تھیں۔ جیسا کہ اس آیت سے پہلے اور بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔''

حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں اور اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں اہل البیت کا لفظ خاص سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے، اور عرب بولتے ہیں ''کیف اھلك؟'' یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہل خانہ گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔ اسی لیے علماء اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہے

Marfat.com

کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں۔ جس کو قرآنی مذاق کچھ بھی ہے وہ سیاق و سباق پر نظر کر کے اس بات کو جلد تسلیم کر سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، عطاء، مقاتل اور سعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ اول میں بھی خطاب نبی ﷺ کی بیویوں سے ہے کما قال قل لازواجہ اور یہاں تک انھی کے احکام چلے آئے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ، اور بعد میں بھی ان ہی کی طرف خطاب ہے: "واذکرن مایتلی فی بیوتکن" اور نیز "بیت" سے مراد آنحضرت ﷺ کا گھر ہے جو حضرت کی بیویوں کے رہنے کی جگہ ہے جہاں آپ ﷺ شب باش ہوتے ہیں۔" (تفسیر حقانی: ۶/۸۹)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ اہل بیت سے مراد ازواج نبی ﷺ ہیں اور یہی مفہوم سلف سے منقول بھی ہے۔ اہل سنت کا تو اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آیت کا سبب نزول ازواج نبی ﷺ ہی ہیں، اور اہل بیت سے اولاً وہی مراد ہیں، البتہ گفتگو اس میں ہے کہ آیا اس کے علاوہ بھی کوئی مراد ہے؟ سو محققین اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ازواج النبی ﷺ کے علاوہ بھی ہستیاں داخل ہیں۔ اہل بیت کے جو متعارف معنی اردو میں چلے ہوئے ہیں وہ بھی حدیث سے نکلتے ہیں، لیکن یہاں ذکر صرف اصطلاح قرآنی کا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اہل بیت کا لفظ ایک پیغمبر کی زوجہ محترمہ ہی کے لیے آیا ہے۔"

(تفسیر ماجدی، تاج کمپنی، لاہور: ص ۸۴۸)

مولانا امین احسن اصلاحی آیت تطہیر کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ کے اہل بیت ہونے کا شرف اصلاً آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حاصل ہے۔ یہ آیت اس باب میں نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن میں اس کی نظیریں بھی موجود ہیں۔ یہاں اہل بیت سے ازواج النبی ﷺ کے سوا کسی اور کو مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دوسروں کی شمولیت اس میں ہو سکتی ہے تو اصلاً نہیں بلکہ تبعاً و ضمناً ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ان غالی فرقوں کی منطق ہماری سمجھ

Marfat.com

میں نہیں آتی جو اصل کے تو منکر ہیں لیکن فروع پر بڑا طوفان کھڑا کرتے ہیں۔''

(تدبر قرآن: ۶/۲۲۳)

مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم اس آیت تطہیر کے بارے میں فرماتے ہیں:

''آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی جب کہ آیت کا سیاق وسباق اس کے لیے شاہد عدل ہے، جس کے لیے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہہ کی ضرورت، اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ ھؤلآء اھل بیتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً

''اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان سے بھی گندگی کو دور فرما اور ان کو بھی پاک کر۔''

جس طرح آیت: ﴿المسجد اُسس علی التقویٰ من اول یوم﴾ دراصل یہ آیت مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کو بھی اس حکم میں داخل فرما دیا۔ کیونکہ وہ بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہے۔ اسی طرح یہ آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں نازل ہوئی، مگر چونکہ آپ ﷺ کی آل اولاد بدرجۂ اتم اس کی مستحق تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا۔ باقی ازواج رضی اللہ عنہن تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں۔ ان کو عبا میں داخل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان آیات کا نزول ہی ازواج رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہوا۔ آیات میں اول سے آخر تک خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہی ہیں بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج اصالۃً داخل ہوں اور ذریت تبعاً کیوں کہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھر والوں کے ہیں اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ قرآن مجید میں اہل البیت کے الفاظ دو جگہ استعمال کیے گئے ہیں۔ اول سورۃ ھود میں جب کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی جاتی ہے، اور وہ اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اپنی کبرسنی کا خیال کرتے ہوئے

Marfat.com

بے ساختہ اس بشارت کے متعلق کہہ اٹھتی ہیں: "ان ھذا لشئٌ عجیب" (یہ تو ایک عجیب بات ہے) اس پر فرشتے جواباً کہتے ہیں:

﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾

(ہود: ۱۱: ۷۳)

"کیا تم امر الٰہی پر تعجب کرتی ہو تم پر اے گھر والو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔"

یہاں پر اہل بیت میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے داخل ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے، کہ آیت میں خطاب خود ان ہی کی ذات سے ہے۔

دوسری جگہ سورۂ احزاب میں وارد ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳: ۳۳)

یہاں اہل بیت سے کیا مراد ہے، اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں کیونکہ خطاب ان ہی سے ہو رہا ہے، اور سیاق آیات ان ہی کے متعلق ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے شروع ہو کر وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا۔ پر ختم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں البیت سے بیت النبی یعنی نبی اکرم ﷺ کا عزت کدہ مراد ہے جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سکونت پذیر تھیں۔ "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ" (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں) اور "وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ" (اور یاد کرو جس کی تلاوت کی جاتی ہے تمہارے گھروں میں) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ان حجروں ہی کا ذکر ہے جو بیت النبی ﷺ کہلاتے ہیں۔ پس اہل بیت سے مراد وہی ہونا چاہیے جو اس مبارک گھر میں سکونت گزیں ہوں۔ ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے بروایت عکرمہ اور ابن مردویہ نے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عکرمہ کو اس پر شدید اصرار تھا کہ فرماتے ہیں کہ اس امر کے متعلق جو کوئی چاہے میں اس کے لیے مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔

دوسری جماعت کا خیال ہے کہ آیت میں جن اہل بیت کا ذکر ہے ان سے مراد صرف

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی، اس وقت گھر میں یہ چاروں حضرات موجود تھے۔ حضور ﷺ نے ان چاروں کو کمبل میں لے کر فرمایا کہ "یہ میرے اہل بیت ہیں۔" (اے اللہ!) تو ان سے گندگی دور فرما اور ان کو بخوبی صاف کر دے۔ ترمذی اور حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ (لغات القرآن: ۱/۳۰۴)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بل ھی نازلة فی امھات المومنین (تفسیر مظہری: ۷/۳۴۱)

بلکہ یہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔"

رافضی کہتے ہیں کہ اہل بیت کا لفظ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی کے لیے بولا گیا ہے اور آپ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن اس میں شامل نہیں ہیں، لیکن روافض کا یہ دعویٰ سراسر باطل اور غلط ہے کیونکہ اس آیت کا شان نزول ہی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہوا ہے۔ باقی افراد اس میں تبعاً داخل ہیں۔ عرف اور لغت میں اہل البیت کا لفظ بیویوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اولاد پر اس کا اطلاق تبعاً ہوتا ہے۔"

(مظہری: ۷/۳۴۰)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں داخل ہیں، اس لیے کہ یہ آیت انھی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے، گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بھی اور اس کے سوا بھی، اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ عکرمہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہی خاصۃً نازل ہوئی ہے۔" (ابن کثیر: ۵/۴۵۲)

ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شیعہ کا اہل بیت میں صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا

Marfat.com

حسین رضی اللہ عنہ کو شمار کرنا درست اور صحیح نہیں ہے بلکہ یہ آیت کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اہل بیت میں سے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور اہل بیت میں سے نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب بیضاوی کو بھی وہی قول پسند ہے جو ابو منصور ماتریدی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ کی اولاد بھی ہیں۔" (تفسیرات احمدی: ۲/۳۴۷)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس مقام پر جو لفظ اہل بیت آیت تطہیر میں آیا ہے، سیاق وسباق کے دیکھنے سے بالیقین اس کا مصداق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اسی آیت تطہیر میں ہے: "نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ" اور عکرمہ کا قول ہے: "من شاء باھلتہ انھا نزلت فی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور یہ بھی عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا "لیس بالذی تذھبون الیہ انما ھو نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا کلہ فی الدر المنثور"۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں اور عنکم میں ضمیر مذکر یا تو باعتبار حضور ﷺ کے معنی پر تغلیب ہے یا باعتبار لفظ اہل کے ہے، قال لاھلہ امکثوا۔

اب رہا حضرات اہل عباء کا مصداق ہونا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان حضرات کو کملی میں لپیٹ کر فرمایا: "اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً" ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مصدق نہ ہونا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی کملی میں آنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "انک علیٰ خیر" اور ان کو داخل نہیں کیا۔ سو اس میں محقق بات یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں اہل بیت کا مفہوم متحد نہیں بلکہ حدیث میں تو عترت مراد ہے اور آیت میں عام مراد ہے جس کی ایک نوع تو آیت ہی کی مدلول ہے اور دوسری نوع کا مدلول ہونا آپ ﷺ نے اپنے اس فعل سے ظاہر فرما دیا۔ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا داخل نہ کرنا اس لیے ہوگا کہ تمہارا تو مدلول آیت ہونا ظاہر ہی ہے جن کا خفی ہے ان کو ظاہر کرنا ہے۔ پھر تم کو اس کا اہتمام کیا ضرور، اور خیر سے یہی مدلول مراد ہوگی،

Marfat.com

اور یا آیت میں صرف حضرات ازواج رضی اللہ عنہن مراد ہیں، اس صورت میں عباء میں داخل فرمانا اور آیت پڑھنا یا آیت کے مناسب الفاظ سے دعا کرنا بطور علم کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ حضور ﷺ نے خیبر میں "فساء صباح المنذرین" پڑھ دی تھی جس کا نزول مشرکین کے حق میں ہے، اور جیسا شاہ ولی اللہ نے مسئلہ قدر میں آپ ﷺ کا آیت "فاما من اعطیٰ ...." پڑھ دینا اسی پر محمول کیا ہے۔
(کذا فی الفوز الکبیر)

پس مطلب یہ ہوگا کہ اے اللہ ایک نوع اہل بیت کی یہ بھی ہے اور ان کے لیے بھی میں دعا کرتا ہوں اور دعا میں اذہاب رجس اور تطہیر سے تطہیر تکوینی مراد ہونا اور زیادہ مؤید ہے اس دعویٰ کا کہ یہ ادخال بطور علم اعتبار کے ہے کیونکہ آیت میں تطہیر تشریعی مراد ہے، اور حدیث میں وہ مراد نہیں ورنہ اس دعا کے کوئی اور معنی محصل نہ ہوں گے، اور اس صورت میں "انك علیٰ خیر" سے یہ مقصود ہونا کہ تم اہل بیت سے نہیں ہو اصلاً محل اشکال نہیں یعنی اس نوع سے نہیں ہو جو اس وقت مراد ہے۔ اور یہی مطلب ہے سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا کہ اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی عترت، جب ان سے اہل بیت کے معنی پوچھے گئے۔ (رواہ مسلم) پس قرینۂ سوال سے انھوں نے یہ معنی فرمائے۔ باقی نہ ان سے آیت تطہیر کی تفسیر پوچھی گئی اور نہ انھوں نے آیت کے متعلق یہ ارشاد فرمایا۔ پس ازواج رضی اللہ عنہن کا اہل بیت نہ ہونا، ان کے قول سے ثابت نہیں۔ چنانچہ اس روایت میں یہ بھی انھی کا قول ہے: "نساء من اهل بيته" بلکہ معالم میں تو بسند متصل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر کہ میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں، خود ارشاد نبوی مروی ہے: بل ان شاء اللہ تعالیٰ، غرض لفظ اہل بیت کے دو مفہوم ہیں، ایک ازواج دوسرا عترت، اور خصوصیت قرائن سے کسی مقام پر ایک مفہوم مراد ہوتا ہے کہیں دوسرا، اور کہیں عام بھی مراد ہوسکتا ہے۔ پس آیت میں ظاہراً مفہوم اول مراد ہے اور مفہوم ثالث بھی محتمل ہے، اور حدیث ثقلین و حدیث صدقہ و حدیث عباء میں دوسرا مفہوم مراد ہے۔ پس اس تحقیق کے بعد نہ آیت میں اشکال ہے نہ کسی حدیث میں، نہ باہم تعارض اور نہ اہل حق پر کسی کو کوئی شبہ وارد ہے، اور نہ اہل حق کو کسی جگہ تکلف و تاویل کی ضرورت ہے۔"

(بیان القرآن: ۲/۴۸)

Marfat.com

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں حدیث کساء پر ایک اشکال کا ازالہ فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا:

اللھم ھؤلاء اھل بیتی

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اس سے بعض عقل مندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ''اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیراً کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ ﷺ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت ہیں، اور اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی جگہ ہو، اس کا مطلب یہ تھا کہ تمھیں عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں، تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو۔'' (النسواں فی رمضان: ص۴ وعظ چہارم)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہل بیت نبی سے آپ ﷺ کی بیبیاں مراد ہیں، اور تطہیر سے تزکیۂ نفس، تہذیب باطن اور تصفیۂ قلب مراد ہے جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہو جاتے۔ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی، اور اہل بیت سے

Marfat.com

یہی لوگ مراد ہیں۔ اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا:

((اللهم هؤلاء اهل بيتي فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا))

''اے اللہ! یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس (گندگی) اور ناپاکی کو دور فرمادے اور خوب پاک کردے۔''

نیز اس آیت میں لفظ ''منکم'' اور ''یطھر کم'' میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں، وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ آیت میں خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو نہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اذھاب رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا یعنی معصوم بنا دینا مراد ہے۔ جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

اہل تشیع کا یہ تمام استدلال دو باتوں پر مبنی ہے:

اول: یہ کہ لفظ اہل بیت سے صرف چار اشخاص مراد ہیں یعنی چار تن۔

دوم: یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنا دینا مراد ہے۔ جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہوسکتا، لیکن آج تک شیعہ حضرات ان دونوں باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

پہلی بات کے متعلق علمائے اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ اہل بیت اور لفظ آل لغت عرب میں دونوں ہم معنی ہیں۔ لغت میں اہل بیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں یعنی گھر والوں کے ہیں جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہوں جس میں ازواج اصالۃً داخل ہیں اور اولاد اور ذریت تبعاً داخل ہیں۔ خدمت گاروں اور لونڈی اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و ناکس اس کا یہی مطلب سمجھتا

Marfat.com

ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہوں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں، اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے، خاص کر سرور عالم ﷺ کے حجروں اور گھروں میں تو سوائے آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے کوئی نہیں رہتا تھا۔ شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنا مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے بعد باپ پر اولاد کا نہ نان ونفقہ فرض رہتا ہے اور نہ مکان اس کے ذمہ واجب رہتا ہے، اور شادی ہونے کے بعد داماد کے گھر چلی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہتی تھیں۔ کہا جاتا ہے: "تاهل الرجل اذا تزوج، واهلك الله فى الجنة اور فلان متاهل اى متزوج۔"

نیز قرآن حکیم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالتاً داخل ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں کہ جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا: ﴿قَالُوٓا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ اِنَّهٗ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ﴾ اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا یقیناً داخل ہوئیں کیونکہ خطاب انھی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہی کو اہل البیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں۔ شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید اور تبصرہ کریں کہ تم نے نبی کی زوجہ پر لفظ اہل البیت کا کیسے اطلاق کیا اور پھر تم نے مونث کے لیے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبی کی زوجہ محترمہ کو تم نے "رحمة الله وبركاته عليكم "ضمیر مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا۔ تم کو چاہیے تھا کہ علیکم کے بجائے علیکن کہتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں اور "أتعجبين" کا اصل خطاب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ہے جو صیغہ مونث کا ہے اور اس کے بعد "رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت" میں اہل بیت کو بلفظ مذکر علیکم خطاب کیا، اور علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ اظہار محبت وکرامت کے لیے عورتوں کے لیے مذکر کی ضمیر میں لانا کلام عرب میں شائع اور ذائع ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ع

فان شئت حرمت علیکم سوا کم

Marfat.com

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ "قال لاهله امکثوا" ورنہ ظاہر کے مطابق "امکثی" یا "امکثن" ہونا چاہیے تھا۔ اس قسم کے مواقع میں صیغۂ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے، اور علی ہذا لفظ آل کے مفہوم اور مدلول میں بھی ازواج داخل ہیں، اس لیے کہ آل کی اصل لغت میں اہل ہے۔ لغت میں آل کا اطلاق اس شخص یا ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کو کسی انسان سے ذاتی اختصاص حاصل ہو یا قرابت قریبہ کی وجہ سے ہو یا کسی خصوصی موالات یا دینی علاقہ کی وجہ سے ہو، اور عرف میں اہلیہ بیوی کو کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿اعملوا آل داؤد شكرا﴾

"اے آل داؤد! اللہ کا شکر بجالاؤ۔"

یہاں لفظ آل میں ان کی ازواج اور اولاد سب ہی داخل ہیں۔ وقال تعالیٰ: قالوا یاایها العزیز مسنا واهلنا الضرّ، وسار باهله، وقال لاهله امکثوا۔ اس قسم کی آیات میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے۔ وقال تعالیٰ: ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین یہاں آل فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے تھے۔ وقال تعالیٰ: فالتقطه آل فرعون یعنی موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو آل فرعون نے اٹھالیا۔ یہاں آل فرعون سے فرعون کے تمام اہل بیت مراد ہیں جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: "اللهم اجعل رزق آل محمد قُوْتاً" اے اللہ! آل محمدؐ کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے، اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے۔ اور اس میں شک نہیں کہ آل محمدؐ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی داخل ہیں، اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی شامل ہے۔

اس دعا سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا سالانہ نفقہ قدر قوت سے زیادہ نہ تھا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سخی بھی تھیں خصوصاً سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت تو مشہور تھی۔ اور بخیل تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بی بی نہ تھی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سخی تھے ہی اور اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے۔ پس اس سخاوت اور مہمان نوازی کے بعد تو زیادہ سامان بھی کفایت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ قوت اور قدر کفایت ان تمام ضروریات کے لیے مکتفی ہو جائے۔

Marfat.com

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کس قدر قانع اور تارک الدنیا اور نبی کریم ﷺ کی محب صادق تھیں کہ باوجود فقر و فاقہ کے حضور ﷺ کی زوجیت کو دنیا و مافیہا سے بہتر اور لذیذ جانتی تھیں۔

فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ درخواست کی کہ جس طرح آپ ﷺ دوسروں کو بے دریغ عطا فرماتے ہیں اسی طرح ہم کو بھی مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا جائے۔ حضور ﷺ نے انکار فرما دیا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اصرار کیا اس پر آیت تخییر کا نزول ہوا جس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ متاع دنیا کی طالب ہیں تو حضور ﷺ ان کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیں، اور اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کی طالب ہیں تو اسی فقر و فاقہ کی حالت پر راضی رہیں جس حالت کو اللہ کا رسول ﷺ پسند کرتا ہے، اور وہ آیت تخییر یہ ہے:

﴿یاایها النبی قل لازواجك ان...... منكن اجراً عظیما﴾

(احزاب:۳۳:۳۲)

اس آیت تخییر کے نزول کے بعد تمام ازواج نے حضور ﷺ ہی کو اختیار کیا۔ دنیا کو کسی بی بی نے بھی اختیار نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حضور ﷺ کے ساتھ کس درجہ محبت تھی۔ کہ فقر و فاقہ اور تنگی میں رہنا منظور کر لیا لیکن حضور ﷺ سے علیحدگی منظور نہیں کی۔ چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضور ﷺ کو اپنی زوجیت سے علیحدہ نہ کر دیں۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں اول آیت یہ تخییر نازل ہوئی۔ پھر جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے بارے میں دوبارہ آیت تطہیر نازل ہوئی جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود تھا، اور اس آیت میں جو لفظ اہل بیت آیا ہے اس سے اصالتاً بلا شبہ و ریب قطعاً اور یقیناً ازواج رضی اللہ عنہن نبوت مراد ہیں کیونکہ ان آیات کے سیاق و سباق میں از اول تا آخر صراحتہً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو خطاب ہو رہا ہے اور یہ ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ آیت یا نساء النبی لستن کاحد من النساء سے لے کر واطعن اللہ

Marfat.com

ورسولہ بلکہ والحکمۃ تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے متعلق کلام ہے، اور از اول تا آخر خطاب میں مونث ہی کی ضمیریں لائی گئیں ہیں۔ لستن اور فی بیوتکن اور واذکرن مایتلی فی بیوتکن تک یہ تمام خطابات یہ ضمائر مونث ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں، بلکہ اگر شروع رکوع یا ایھاالنبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلا سے لے کر ان اللہ کان لطیفاً خبیراً تک تمام صیغوں اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک چھبیس صیغے اور ضمیریں سب مونث کی ہیں جو کسی تردد اور تامل کے بغیر صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ہیں۔ اور "یا نساء النبی" اور "قل لازواجك" کا لفظ تو اس قدر واضح ہے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دخول اور شمول کا عقلاً اور نقلاً کوئی امکان ہی نہیں۔ اب حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس کا کیا جواب ہے۔ کلام عرب میں اظہار محبت وعظمت کے لیے مونث کے لیے تو مذکر کا صیغہ استعمال ہوسکتا ہے مگر مذکر کے لیے مونث کا صیغہ اور مونث کی ضمیر کا استعمال کہیں سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص ازواج النبی ﷺ کے حق میں نازل ہوئی اور عکرمہ یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے وہ اس بارے میں مجھ سے مباہلہ کرے۔ کیونکہ ان تمام آیات کا نزول تمہارے ہی بارے میں ہے، اور ان آیات میں از اول تا آخر تمام خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی ان تمام خطابات کی اولین مخاطب ہیں، لہٰذا ان کے لیے اس قسم کے عمل کی اور اس قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کا اہل بیت ہونا تو قطعی اور یقینی ہے۔ البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارے میں شبہ ہوسکتا ہے کہ ان کو حضور پرنور ﷺ کا گھرانہ قرار دیا جائے، یا ان کو مستقل اور علیحدہ گھرانہ سمجھا جائے۔ اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی: "اللھم ھؤلاء اھل بیتی ......الخ" تا کہ اس دعا کے ذریعے یہ حضرات بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ اس وعدۂ نعمت وکرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے۔ اگر اس آیت کا اصل نزول سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے بارے میں ہوتا تو آپ کو دعا

Marfat.com

کی ضرورت نہ ہوتی۔

غرض یہ کہ عباء میں داخل کر کے دعا کرنا ان لوگوں کے لیے تھا کہ جن کے اہل بیت ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہوسکتا تھا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تو اہل بیت ہونا ایسا قطعی اور یقینی تھا کہ جس میں کسی قسم کا شبہ کا امکان بھی نہ تھا، اس لیے ان کو عبا میں داخل کرنے اور اللھم کہنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اجنبی تھے، اس لیے ان کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عباء میں کیسے داخل کیا جاسکتا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بلایا اور اپنی کساء میں داخل کر کے ان کے لیے دعا فرمائی۔

(روح المعانی: ۲۲/۱۴، صواعق محرقہ: ص ۸۶)

اور جس طرح احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو عباء میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو بھی اپنی کساء (کمبل یا چادر) میں داخل کر کے یہ دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دوسرے اعزاء واقارب بھی اس نعمت اور کرامت میں داخل ہو جائیں۔ پس ان کو اس نعمت اور کرامت میں شریک کرنے کے لیے آپ ﷺ نے یہ دعائیں فرمائیں۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اور ان کی اولاد کو بھی اپنی دعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا۔ اگر یہ آیت صرف انھی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو پھر دعا کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اور آپ ﷺ تحصیل حاصل کی کیوں دعا فرماتے، اور جو بات حاصل تھی اس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے پہلی بار ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا اور اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا کیونکہ آیت کا نزول ہی آپ کی بیبیوں رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہوا، البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا سے فارغ ہو جانے کے بعد

Marfat.com

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر جو دعا کی وہ محض ان کی دل جوئی کے لیے فرمائی، ورنہ آپ ﷺ نے صراحتاً فرما دیا تھا کہ تو بلاشبہ میرے اہل میں سے ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی فضیلت اور کرامت کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں تو سرکار دو عالم ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ یہ آیتیں اگرچہ خاص ازواج رضی اللہ عنہن ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اور آیت ہذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں جو خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں، اور "قرن فی بیوتکن" اور "واذکرن فی بیوتکن" میں بیوت کی نسبت بھی انھی کی طرف کی گئی ہے جو اللہ کی خاص الخاص عنایات پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے آپ ﷺ کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی اولاد کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں کہ اے اللہ! علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما یہ بھی میرے اہل بیت ہیں، ان کو بھی اس خاص رحمت اور کرامت اور عنایت میں شریک کرنا۔

مدعا آپ ﷺ کا یہ تھا کہ لفظ اہل بیت کے ظاہر عموم میں اپنے ان خاص عزیزوں کو بھی داخل فرما دیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اذہاب رجس اور تطہیر کی فضیلت اور کرامت میں شریک فرما۔ باقی رہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو خطاب قرآنی میں وہی از اول تا آخر ان کرامات اور عنایات کی اولین مخاطب تھیں، اس لیے اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ان کے لیے ضرورت نہیں سمجھی گی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

فعال لما یرید نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے اپنے ارادہ کو ظاہر کیا ہے اب اس کے وقوع میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ بادشاہ کریم اپنے کسی مقرب اور مصاحب سے یہ کہے کہ میرے پاس اپنے اہل خانہ اور اپنے گھر والوں کو حاضر کرو، میں انھیں خاص خلعت دینا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ان پر خاص نوازش کروں۔ اس مقرب اور مصاحب نے عالی ہمت بادشاہ کے لطف وکرم پر نظر کر کے اپنے اہل خانہ کے سوا کچھ دیگر اعزاء واقارب کو بھی بارگاہ شاہی میں لا حاضر کیا اور کہنے لگا کہ حضور یہ سب میرے اہل خانہ ہیں۔ جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ اعزاء اور اقارب بھی شاہی خلعت اور نوازش سے بہرہ مند ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ اس مقرب اور مصاحب کا اس عرض کرنے سے کہ حضور یہ سب میرے اہل خانہ اور اہل بیت ہیں، یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کے اہل خانہ اس میں

Marfat.com

داخل نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اہل خانہ کے ساتھ یہ اعزاء بھی شاہی خلعت اور عنایت سے بہرہ مند ہو جائیں، اور بادشاہ نے جس لطف و انعام کا میرے اہل خانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے اس میں میرے ان اعزاء اور اقارب کو بھی داخل کر لیا جائے، اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بجائے اہل خانہ کے میرے داماد اور اس کی اولاد کو اس خلعت سے نواز دیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، ذریت اور اولاد نبی سب داخل ہیں اور سب اس بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے: "العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب" یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ آیت کا نزول اصالتاً اگرچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے تمام اہل بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ البتہ اہل تشیع کے نزدیک سوائے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حضور ﷺ کی کوئی اور بیوی اہل بیت میں داخل نہیں، اور حضور ﷺ کی اولاد میں سے سوائے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے اور کوئی صاحب زادی اہل بیت کے عموم میں داخل نہیں، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا آپ کی صاحب زادیاں ہونا حدیث، تاریخ اور اجماع سے ثابت ہے مگر شیعہ حضرات ان کو رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادیاں نہیں سمجھتے اور ان کو حضور ﷺ کے نسب سے خارج سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی متعدد صاب زادیاں تھیں۔ یاایها النبی قل لازواجك وبناتك الآیة بنات جمع کا صیغہ ہے جس کا ادنیٰ درجہ تین ہیں جیسا کہ ازواج جمع کا صیغہ ہے اور آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی متعدد بیویاں تھیں مگر شیعہ سوائے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے کسی اور زوجہ کے قائل نہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ قرآن حکیم کی جن آیتوں میں "یا نساء النبی" اور "یاایها النبی قل لازواجك وازواجه امهاتكم، یاایها النبی انا احللنا لك ازواجك ...... الآیات" آیا ہے۔ جن میں صراحتاً لفظ نساء اور لفظ ازواج موجود ہے اور صیغہ جمع ہے اور صراحتاً ازواج کے متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ تمام آیتیں مدنی ہیں اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے عرصہ بعد نازل ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان آیات میں ازواج سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور دوسری بیبیاں مراد ہیں۔ اور اہل

Marfat.com

تشیع یہ نہیں دیکھتے کہ تمام رکوع میں از اول تا آخر تمام خطابات خداوندی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کو ہیں اور اس رکوع میں صرف ایک مرتبہ لفظ اہل بیت آیا ہے۔ باقی دوسری جگہ بیوت کی نسبت بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کی طرف کی گئی ہے۔ "فی بیوتکن" اور "واذکرن مایتلی فی بیوتکن" بیوت بھی صیغہ جمع کا ہے اور کن بھی ضمیر جمع کی ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل اہل بیت اور نبی ﷺ کے اہل خانہ آپ کی بیبیاں ہیں۔ قرآن حکیم میں جابجا بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جیسے "ولاتخرجوهن من بيوتهن، وزاودته التي هوفي بيتها" مگر نامعلوم ان لوگوں کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے کہ باوجود ان صریح آیتوں کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت سے خارج سمجھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ۔" (المائدہ: ۵:۴۱)

شیعہ حضرات کی دوسری بات اس آیت کے بارے میں یہ تھی کہ اس میں اذهاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنانا اور عصمت عطا کرنا مراد نہیں بلکہ ازالۂ معاصی و نقائص مراد ہے جس کو تزکیۂ نفس اور تحلیہ اور تجلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور تطہیر سے تجلیہ باطن اور تنویر قلب مراد ہے۔ علامہ آلوسی روح المعانی: ۲۲/۲۱ میں لکھتے ہیں:

﴿والمعنى انما يريد الله ليذهب عنكم الذنوب والمعاصي ويحليكم بالطاعة والتقوىٰ تحلية بليغة فيما امر كم﴾

"اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے خطاؤں اور گناہوں کی گندگی دور کر دے اور طاعت و تقویٰ سے تم کو خوب مزین اور آراستہ کر دے کہ اللہ نے تم کو جو حکم دیا ہے اس میں کمی نہ ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ ان ہدایتوں اور نصیحتوں سے اللہ کا منشا یہ ہے کہ نبی ﷺ کے گھر والے ان احکام پر عمل کر کے بالکل پاک اور صاف ستھرے ہو جائیں اور ان کا ظاہر و باطن ایسا معطر اور مطہر اور منور ہو جائے جو نبی ﷺ کے گھرانہ کے مناسب اور شایان شان ہو اور ان کی صفائی اور ستھرائی اوروں سے ممتاز اور فائق ہو۔ پس اگر تم نے ہماری ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کیا تو تم برائیوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاؤ گے۔

اور اگر بالفرض بقول حضرات شیعہ اذہاب رجس اور تطہیر سے عطاء عصمت یعنی کسی

Marfat.com

کو معصوم بنانے کے معنی مراد لیے جائیں تو پھر اس سے تو صحابہ و بدریین کا بھی معصوم ہونا ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی آیا ہے "وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" (المائدہ: ۵: ۶) اور حاضرین جنگ بدر کے لیے یہ لفظ آیا ہے:

﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ (الانفال: ۸: ۱۱)

پس اگر شیعوں کے نزدیک آیت تطہیر اہل بیت کی عصمت کی دلیل ہے تو مذکورہ بالا دو آیتیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اور خصوصاً جنگ بدر میں حاضر ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عصمت کی دلیل بنیں گی بلکہ مزید برآں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اتمام نعمت یعنی نعمت پورا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے، اور ظاہر ہے کہ اتمام نعمت کا مضمون اذہاب رجس اور تطہیر سے بڑھ کر ہے۔ نیز گذشتہ آیت میں یعنی "ویذھب عنکم رجز الشیطان" میں اہل بدر کے لیے شیطان کے شر سے محفوظ ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا بدون عطائے عصمت کے ممکن نہیں، اور اتمام نعمت اس پر مزید اضافہ ہے، اس لیے کہ اتمام نعمت کا لفظ تمام فضائل و کمالات کو حاوی ہے۔ پس شیعہ حضرات کو چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عصمت کے عموماً اور اہل بدر کی عصمت کے بھی قائل ہوں۔

نیز اگر آیت تطہیر شیعہ حضرات کے نزدیک صرف اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت ان کی عصمت کی دلیل ہے تو آیت "الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات" بالاجماع سیدہ عائشہ صدیقہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جس کا شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے، اور ظاہر ہے کہ لفظ "الطیبات" جس قدر پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ "یذھب ویطھر" تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں جس سے اس درجہ پاکیزہ ہونا ثابت نہیں ہوتا جتنا کہ صفت مشبہ سے ثابت ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے بھروسہ پر اہل بیت کو معصوم مانا جائے اور آیت الطیبات کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر الفاظ تو عموم پر دلالت کرتے ہیں، اور ناظرین کرام کو چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور نزاہت کے بارے میں جو سورۂ نور کی آیتیں نازل ہوئیں، ان پر ایک نظر ڈال لیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور نزاہت اور عفت اور طہارت میں شک اور تردد کرنے والوں کے حق میں کیا تہدید

Marfat.com

اور وعید آئی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طہارت میں شک اور تردد ایمان کے منافی ہے۔

نیز اگر غور سے دیکھا جائے تو عجب نہیں کہ آیت تطہیر سے عدم عصمت ثابت ہو جائے اس لیے کہ جو پہلے سے معصوم اور طاہر ہو اس کی تطہیر کے ارادہ کے کیا معنی؟ تحصیل حاصل کا ارادہ بھی اصلاً قبیح ہے۔

نیز اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے وقت تک ائمہ کو عصمت حاصل نہ تھی بلکہ بعد نزول آیت آئندہ زمانہ میں ان کو عصمت حاصل ہو گی کیونکہ آیت میں صیغہ مضارع کا مستعمل ہوا ہے جو حال یا استقبال میں وقوع پر دلالت کرتا ہے، ماضی سے متعلق نہیں، اور شیعہ حضرات کے نزدیک ائمہ وقت ولادت سے لے کر وقت موت تک کسی وقت بھی عصمت سے خالی نہیں ہوتے۔ ہاں اگر آیت بجائے صیغہ مضارع کے صیغہ ماضی ہوتا اور کلام اس طرح ہوتا "اذھب عنکم رجس اھل البیت وطھر کم تطھیرا" اے اہل بیت! اللہ نے تم سے گندگی کو دور کر دیا اور تم کو باطل سے پاک کر دیا تو شاید شیعہ حضرات کا کچھ کام چل جاتا۔

نیز یہ لفظ حضرات شیعہ کی حدیثوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے، لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی معصوم سمجھیں، کیونکہ شیعہ حضرات کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ کے لیے بصیغہ ماضی وارد ہوئی ہے۔ اور وہ ایک طویل حدیث ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول، کتاب الجہاد، مطبوعہ نول کشور میں صفحہ ۶۰۹ سے لے کر صفحہ ۶۱۳ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جو مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے کہ

﴿الذین اخبر عنھم فی کتابہ انہ اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا﴾

"یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا۔"

بعد ازاں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے مہاجرین کو آیت ﴿محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم﴾ اور آیت ﴿قد افلح المومنون......﴾ اور آیت

Marfat.com

﴿التائبون العابدون﴾ اور آیت ﴿یوم لایخزی الله النبی والذین آمنوا معه﴾ کا مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفائے ثلاثہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لیے بھی کوئی موقع محل چاہیے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہاں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو کیا خوف لاحق تھا جس کی بنا پر آیات قرآنیہ کا حوالہ دے کر مہاجرین کے فضائل بیان کرنے پر مجبور ہوئے۔ نیز شیعہ حضرات کے نزدیک امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تقیہ ممنوع تھا۔ پھر انھوں نے کیسے تقیہ کی بنا پر مہاجرین کے یہ فضائل بیان کیے۔ ہاں اصول شیعہ پر ایک تاویل ممکن ہے وہ یہ کہ اللہ کو بداً واقع ہوا۔ پہلے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ کا ارادہ اہل بیت کی تطہیر کا تھا، بعد میں بدل گیا۔

(معارف القرآن: ۵/۴۹۲)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب قدس سرہ نے اس آیت تطہیر کے بارے میں تفصیل سے لکھا اور شیعہ حضرات کے اعتراضات اور دلائل کا نہایت مسکت جواب دیا۔ اسی آیت کے سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے لکھا ہے:

''نظم قرآن میں تدبر کرنے والوں کو ایک لمحہ کے لیے اس میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن یقیناً داخل ہیں کیونکہ آیت ہذا سے قبل اور بعد پورے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی سے ہوئے ہیں، اور بیوت کی نسبت بھی پہلے ''وقرن فی بیوتکن'' میں اور آگے ''واذکرن مایتلی فی بیوتکن'' میں ان کی طرف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے فرمایا:

﴿اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (ہود: ۷۳)

مطلقہ عورت باوجودیکہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اسی طرح کی طرف کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ'' (الطلاق: رکوع ۷) سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں بیت کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ ''وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ

Marfat.com

فِیْ بَیْتِهَا" (یوسف: رکوع ۳) بہر حال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا بھی بجائے خود اہل بیت میں شامل ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسنین رضی اللہ عنہما کو ایک چادر میں لے کر "اللھم ھؤلاء اھل بیتی" وغیرہ فرمانا، یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے قریب گزرتے ہوئے "الصلوٰۃ اھل البیت یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ" کہنا انھی کے حق میں ارشاد ہوا اور انھی سے تخاطب ہو رہا ہے، مگر یہ حضرات بھی اس لقب اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں۔ باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں، اس لیے ان کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (فوائد عثمانی: ص ۵۶۱)

سید مودودی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے:

''جس سیاق و سباق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اہل بیت سے مراد نبی ﷺ کی بیویاں ہیں کیونکہ خطاب کا آغاز ہی "یانساء النبی" کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اور ماقبل اور مابعد کی پوری تقریر میں وہی مخاطب ہیں۔ علاوہ بریں ''اہل بیت'' کا لفظ عربی زبان میں ٹھیک انھی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں ہم ''گھر والوں'' کا لفظ بولتے ہیں اور اس مفہوم میں آدمی کی بیوی اور اس کے بچے شامل ہوتے ہیں۔ بیوی کو مستثنیٰ کر کے ''اہل خانہ'' کا لفظ کوئی نہیں بولتا۔ خود قرآن پاک میں بھی اس مقام کے سوا دو مزید مقامات پر یہ لفظ آیا ہے، اور دونوں جگہ اس کے مفہوم میں بیوی شامل ہے بلکہ مقدم ہے۔ سورۃ ھود میں جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی پیدائش کی بشارت دیتے ہیں تو ان کی اہلیہ اسے سن کر تعجب کا اظہار کرتی ہیں کہ بھلا اس بڑھاپے میں ہمارے ہاں بچہ کیسے ہو گا۔ اس پر فرشتے کہتے ہیں:

﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُهٗ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ﴾ (ہود: ۱۱:۷۳)

''کیا تم اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہو؟ اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمت ہے اور اس کی برکتیں ہیں۔''

Marfat.com

سورۃ قصص میں جب سیدنا موسیٰ ایک شیر خوار بچہ کی حیثیت سے فرعون کے گھر میں پہنچتے ہیں اور فرعون کی بیوی کو کسی ایسی انا کی تلاش ہوتی ہے جس کا دودھ بچہ پی لے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن جا کر کہتی ہے:

﴿هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ﴾ (قصص: ۲۸:۱۲)

''کیا میں تمھیں ایسے گھر والوں کا پتہ نہ دوں جو تمھارے لیے اس بچے کی پرورش کا ذمہ لیں۔''

پس محاورہ اور قرآن حکیم کے استعمالات اور خود اس آیت کا سیاق وسباق ہر چیز اس بات پر قطعی دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ کے اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی داخل ہیں، اور آپ ﷺ کی اولاد بھی بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کا اصل خطاب ازواج سے ہے اور اولاد مفہوم لفظ کے اعتبار سے اس میں شامل قرار پاتی ہیں۔ اسی بنا پر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد ازواج النبی ﷺ ہیں۔

لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ''اہل البیت'' کا لفظ صرف ازواج رضی اللہ عنہن کے لیے استعمال ہوا ہے اور اس میں دوسرا کوئی داخل نہیں ہو سکتا تو یہ بات بھی غلط ہوگی۔ صرف یہی نہیں کہ ''گھر والوں'' کے لفظ میں آدمی کے سب اہل وعیال شامل ہوتے ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ وہ بھی شامل ہیں۔ ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

تسألني عن رجل كان من احب الناس الیٰ رسول الله صلى الله عله وسلم كانت تحته ابنته واحب الناس اليه۔

''تم اس شخص کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہو جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اور جس کی بیوی حضور ﷺ کی وہ بیٹی تھی جو آپ کو سب سے بڑھ کر محبوب تھی۔''

اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ سنایا کہ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان پر ایک کپڑا ڈال دیا اور دعا فرمائی:

Marfat.com

((اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا))

''خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گندگی کو دور کر دے اور انھیں پاک کر دے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا میں بھی تو آپ کے اہل بیت میں سے ہوں یعنی مجھے بھی اس کپڑے میں داخل کر کے میرے حق میں بھی دعا فرما دیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم الگ رہو، تم تو خیر ہی ہو۔'' اس سے ملتے جلتے مضمون کی بکثرت احادیث مسلم، ترمذی، احمد، ابن جریر، حاکم، بیہقی وغیرہ محدثین نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ سے نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں صاحب زادوں کو اپنا اہل بیت قرار دیا، لہٰذا ان لوگوں کا خیال غلط ہے جو ان حضرات کو اس سے خارج ٹھہراتے ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں کی رائے بھی غلط ہے جو مذکورہ بالا احادیث کی بنیاد پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل بیت سے خارج ٹھہراتے ہیں۔ اول تو جو چیز صراحۃً قرآن پاک سے ثابت ہو اس کو کسی حدیث کے بل پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے خود ان احادیث کا مطلب بھی وہ نہیں جو ان سے نکالا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض روایات میں جو بات آئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کے نیچے نہیں لیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں کو لیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر والوں سے خارج کر دیا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیویاں تو اہل بیت میں شامل تھیں ہی کیونکہ قرآن نے انھی کو مخاطب کیا تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا ان دوسرے اصحاب کے متعلق، ظاہر قرآن کے لحاظ سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو جائے کہ یہ اہل بیت سے خارج ہیں، اس لیے آپ نے تصریح کی ضرورت ان کے حق میں محسوس فرمائی نہ کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں۔

ایک گروہ نے اس آیت کی تفسیر میں صرف اتنا ہی ستم نہیں کیا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل البیت سے خارج کر کے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی

Marfat.com

اولاد کے لیے اس لفظ کو خاص کر دیا، بلکہ اس پر مزید ستم یہ بھی کیا ہے کہ ان الفاظ ''کہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تمھیں پوری طرح پاک کر دے'' سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ''گندگی'' سے مراد خطاء اور گناہ ہے، اور ارشاد الٰہی کی رو سے یہ اہل البیت اس سے پاک کر دیے گئے ہیں حالانکہ آیت کے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ تم سے گندگی دور کر دی گئی اور تم پاک کر دیے گئے بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور تمھیں پاک کر دینا چاہتا ہے۔

سیاق وسباق بھی یہ نہیں بتاتا کہ یہاں مناقب اہل بیت بیان کرنے مقصود ہیں بلکہ یہاں تو اہل بیت کو نصیحت کی گئی ہے کہ تم فلاں کام کرو اور فلاں کام نہ کرو، اس لیے کہ اللہ تمھیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ بالفاظ دیگر مطلب یہ ہے کہ تم فلاں رویہ اختیار کرو گے تو پاکیزگی کی نعمت تمھیں نصیب ہوگی ورنہ نہیں۔ تاہم اگر '' یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس...... ویطھرکم تطھیرا'' کا مطلب یہ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معصوم کر دیا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وضو اور غسل اور تیمّم کرنے والے سب مسلمانوں کو معصوم نہ مان لیا جائے کیونکہ ان کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿یُرِیدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَیْکُمْ﴾ (المائدہ:۵:۶)

''مگر اللہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے۔''

گذشتہ ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی آیت تطہیر کی فضیلت میں داخل فرما اور ان کو بھی اس کرامت میں شامل فرما۔ آپ ﷺ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت نہیں۔ اور اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب چاروں حضرات کو عباء میں داخل فرمایا تو ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجیے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تمھیں عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں، تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگوں کو ایک

Marfat.com

حدیث سے شبہ ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی عبا میں داخل کر کے فرمایا:

اللهم هؤلاء اهل بيتي

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔''

اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے جو انھوں نے سمجھا ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت میں ہیں۔ ان کو بھی آیت تطہیر کی فضیلت میں داخل فرما لے، اور ان کو بھی اس کرامت اور بزرگی میں شامل فرما لے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن کو قرآن حکیم نے نام لے کر مخاطب فرمایا ہے، اہل بیت نہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ لفظ اہل بیت کے ظاہری عموم میں اپنے خاص عزیزوں کو بھی داخل کرنا مقصود تھا۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان چار حضرات کو اور بعض روایات کے مطابق سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بھی عبا میں لے کر اہل بیت میں داخل کرنے کی دعا فرمائی۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے صراحت کے ساتھ بھی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اہل بیت نبوت میں شمار کیا۔ فرمایا:

انك من اهل البيت

''تو اہل بیت میں سے ہے۔''

اور ایک اور روایت میں ''وابنتك'' (اور تیری بیٹی بھی) کے الفاظ ہیں۔

(ملاحظہ ہو المعجم الکبیر: ۲۸۱/۲۴، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۷۲/۱)

چوتھی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ بعض روایات میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے بارے میں بھی آیا ہے کہ انھیں بھی آپ ﷺ نے عبا میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

اب اگر یہ آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر کے دوسرے افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہوتی تو پھر انھیں عبا میں داخل کر کے دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور آپ ﷺ حصول حاصل کی کیوں دعا کرتے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس دعا میں

Marfat.com

شریک نہ فرمایا، اور اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا کیونکہ آیت کا نزول آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہوا۔

پانچویں بات یہ کہ بعض روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنی عبا میں داخل کر کے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی: ۱۲/۱۴، صواعق محرقہ: ص ۸۶)

یہ تھے وہ مختصر جوابات اور ایک اجمالی تذکرہ حدیث عبا کا۔

قرآن سے اہل بیت کا ازواج اور اولاد وغیرہ کو شامل ہونا:

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اولاد دونوں کے لیے اہل کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس کی مثالیں گزشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۃ ہود: ۷۳، طہٰ: ۱۰، الانبیاء: ۷۴، مریم: ۵۵)

اسی طرح اور بھی کئی مقامات پر اہل سے مراد ازواج النبی اور اولاد مراد لیے گئے ہیں۔

احادیث میں بھی ''اہل'' میں ازواج اور اولاد دونوں کا شامل ہونا:

حدیث بخاری میں ہے کہ جب منافقین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر غزوہ بنی مصطلق میں تہمت لگائی تو سرکار دوعالم ﷺ نے سیدہ کی اس تہمت سے برأت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اے مسلمانو! اس شخص کے معاملہ میں میری مدد کون کرے گا جس کی اذیت اب میری بیوی کے متعلق پہنچ چکی ہے۔'' (قد بلغنی عنه اذاه فی اهلی)
''اللہ کی قسم! مجھے اپنی بیوی کے متعلق سوائے خیر کے اور کسی چیز کا علم نہیں ہے۔''

(بخاری، رقم: ۴۱۴۱، مسلم، رقم: ۲۷۷۰، سنن ابی داؤد، رقم: ۲۳۸، ابن ماجہ، رقم: ۲۳۴۷)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی اہل (بیوی) سے عمل زوجیت کرتے وقت یہ دعا کرے: بسم اللہ اے اللہ! شیطان کو ہم سے دور رکھ اور ہم کو جو (بچہ) دے اس کو بھی شیطان سے دور رکھ، پھر ان کے لیے جو بچہ مقدر کیا جائے اس کو شیطان ضرر نہیں پہنچائے گا۔''

(بخاری، رقم: ۱۴۱، مسلم، رقم: ۱۴۳۴، ابوداؤد، رقم: ۲۱۶۱، ترمذی، رقم: ۱۰۹۲، نسائی، رقم: ۹۰۳۰)

اسی طرح صحیح مسلم، رقم: ۲۴۰۸ میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ازواج

Marfat.com

مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اہل بیت سے ہیں لیکن ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور جن پر صدقہ کرنا حرام ہے وہ اہل بیت آل علی رضی اللہ عنہ، آل عقیل رضی اللہ عنہ، آل جعفر رضی اللہ عنہ اور آل عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔

شیعہ علماء کا اہل بیت کی عصمت کو ثابت کرنا:

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی نے لکھا ہے کہ

''ہمارے اصحاب نے سورۃ الاحزاب کی آیت: ۳۳ سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کی جماعت میں ایسے معصوم ہیں جن سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی اور ان کا اجماع ہمیشہ صحیح ہوتا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اہل بیت سے نجاست کا دور کرنے کا اور ان کو پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں سے مجتنب رکھنے اور ان سے اطاعت اور عبادت کرانے کا ارادہ فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ تو تمام مکلفین سے فرمایا ہے، اور اس ارادہ کی اہل بیت سے کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اہل بیت کی خصوصیت تب ہو گی جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ایسے لطف کا ارادہ کرے جس کی بنا پر ان سے معصیت کا صدور ممتنع اور محال ہو جائے، اور اسی وجہ سے اس آیت کو اہل بیت کی مدح میں پیش کرنا درست ہو گا، اور اس سے واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اہل بیت کی عصمت کا ثبوت ہے۔''

(التبیان فی تفسیر القرآن: ۴۳۰/۸، بیروت)

شیعہ حضرات کی یہ دلیل کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے۔

① اس آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ تقاضا ہو کہ نجاست کو دور کرنا اور گناہوں سے پاک کرنا آلِ رسول ﷺ کی خصوصیت ہے اور کسی اور کو یہ وصف نہیں دیا گیا، اور اس آیت کا سیاق وسباق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی مدح کا تقاضا کرتا ہے نہ کہ آل رسول ﷺ کی، اس لیے اگر اس وصف کی خصوصیت ہو گی بھی تو وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ہو گی نہ کہ آلِ رسول ﷺ کے ساتھ۔

Marfat.com

(۲) عصمت کا معنی یہ نہیں ہے کہ معصوم سے گناہ کا صدور ممتنع اور محال ہو ورنہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا یا اطاعت کرنے کا مکلّف کرنا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ مکلّف اس کام کا کیا جاتا ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو، جیسے پتھروں اور درختوں کو عبادت کرنے اور گناہوں کو ترک کرنے کا مکلّف نہیں کیا گیا، اور جب اہل بیت اس معنی میں معصوم ہیں کہ ان کے لیے نیکی کو ترک کرنا اور برائی کا ارتکاب کرنا ممکن نہیں ہے تو ان کا عبادت کرنا اور گناہوں سے باز رہنا تعریف و تحسین کا موجب بھی نہیں ہوگا جیسے دیواروں کی اس بات پر تعریف نہیں کی جاتی کہ وہ شراب نہیں پیتیں اور زنا نہیں کرتیں۔

(۳) اگر اہل بیت معصوم ہیں اور ان کا گناہ کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر اس آیت کا نازل کرنا عبث اور بے فائدہ ہوگا کیونکہ جب وہ گناہوں سے معصوم ہیں اور ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا تو پھر اس کہنے کا کیا فائدہ کہ اللہ تعالیٰ اہل بیت کو مجتنب کرنے اور پاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ فرماتا ہے اس کا ہونا لازم اور ضروری ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر اس کا ہونا لازم اور ضروری نہیں ہے تو پھر اہل بیت کا گناہوں سے پاک ہونا بھی لازم اور ضروری نہیں ہوگا اور اس سے اہل بیت کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا پورا ہونا لازم اور ضروری ہو تو پھر لازم آئے گا کہ تمام مسلمانوں کو معصوم مانا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وضو، غسل اور تیمم کی مشروعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ﴾ (المائدہ: ۵:۶)

''اللہ تم کو کسی قسم کی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ تم کو پاک کرنے کا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کرنے ارادہ فرماتا ہے۔''

بلکہ اس آیت سے اہل بیت کی تطہیر کی بہ نسبت عام مسلمانوں کی عصمت زیادہ مؤکد طریقہ سے ثابت ہوگی کیونکہ اس میں مسلمانوں کو صرف گناہوں سے پاک کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان پر اپنی نعمت کو مکمل کرنے کا بھی ذکر ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت

Marfat.com

تیمّم اصحاب بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (روح المعانی: ۲۶/۲۲) یہ غلط ہے کیونکہ آیت تیمّم غزوۂ المریسیع ۶ھ میں نازل ہوئی تھی۔ (الاستذکار: ۱۴۱/۳) اور غزوۂ بدر سنہ ۲ھ میں ہوا ہے۔

آیت تطہیر میں مذکر ضمائر کا استعمال:

سورۃ الاحزاب کا چوتھا رکوع کل سات آیات پر مشتمل ہے اور اول سے آخر تک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے بارے میں ہے۔ ان سب آیتوں میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ۲۷ مرتبہ مونث کے صیغے اور ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ دو مرتبہ "یا نساء النبی"، اور ایک بار "قــل لازواجك" کہا گیا۔ تو اس رکوع میں کل تیس مرتبہ بہ تکرار مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس پورے رکوع میں صرف دو بار "عنکم" اور "لیطھرکم" کی مذکر ضمیریں استعمال ہوئیں جن سے بعض حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ دراصل عربی زبان میں کبھی لفظ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور کبھی معنی کو جیسے من لفظ کے لحاظ سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے جمع۔ چنانچہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرہ:۲: ۸) اس آیت میں لفظ "من" کے لیے ایک جگہ یہ رعایت لفظ صیغہ واحد "یقول" لایا گیا ہے اور دوسری جگہ معنی کی رعایت کرتے ہوئے "ھم" ضمیر جمع لائی گئی ہے۔

آیت تطہیر (الاحزاب: ۳۳) سے پہلے آیت ۳۱ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ...... اس میں بالاتفاق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں، لیکن "من" کی رعایت سے "یقنت" مذکر کا صیغہ استعمال ہوا، اصولاً اسے "من تقنت" ہونا چاہیے تھا۔

کلام عرب میں اگر مخاطب صرف عورتیں ہوں تو اظہار عظمت یا اظہار محبت کے طور پر مذکر کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب کسی سے پوچھا جائے کیف اھلك ای امرأتك ونساءك کہ آپ کے گھر والے بیوی یا بیویاں کیسی ہیں؟ تو جواباً کہا جاتا ہے کہ "ھم بخیر" وہ بخیریت ہیں۔ یہاں "ھم" جو مذکر کی ضمیر ہے مونث کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸۳/۱۴)

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے

Marfat.com

فرمایا: "فقال هو عليها صدقة ولكم هدية فكلوه" یعنی وہ چیز (بریرہ رضی اللہ عنہا) پر صدقہ اور تمھارے لیے ہدیہ ہے۔ پس تم اسے کھا سکتے ہو۔ اس قول میں مونث کے لیے مذکر کی ضمیر اور صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

مرض وفات میں جب سرکاردو عالم ﷺ تیز بخار میں مبتلا ہوئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

((هريقوا علي من سبع قرب لم تحلل اوكيتهن)) (بخاری، باب مرض النبی)

''یعنی مجھ پر سات لبریز مشکیزے انڈیل دو۔''

یہاں مخاطب عورتیں تھیں لیکن مونث کے صیغے "ھرقن" کے بجائے "ھریقوا" جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

شیعہ حضرات کے ہاں بھی خطاب کے لیے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرنے کو درست تسلیم کیا گیا ہے۔ شیخ طوسی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر ازواج مطہرات سے فرمایا:

((هيئوا لابنتي وابن عمي))

''میری بیٹی اور میرے چچا کے بیٹے کے لیے زفاف کی تیاری کرو۔''

اس قول میں بھی مونث کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مخاطب صرف عورتیں ہوں تو اظہار عظمت و محبت کے طور پر ان کے لیے مذکر کے صیغے استعمال ہو سکتے ہیں۔ آیت تطہیر میں مذکر کی ضمیریں استعمال کرنے کی وجہ لفظ ''اہل'' ہے۔ ''اہل'' چونکہ عربی زبان میں مذکر ہے اس لیے اس کی رعایت کے لیے مذکر کا صیغہ ہی لانا پڑے گا۔ چنانچہ قرآن وحدیث اور کلام عرب میں جہاں بھی لفظ ''اہل'' استعمال ہوا ہے تو اس کے لیے جمع مذکر ہی کی ضمیر لائی گئی ہے، خواہ وہ واحد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مونث ہو۔ لفظ اہل کی رعایت سے ہمیشہ جمع مذکر ہی کی ضمیر آئے گی۔

ہماری اس بات کی تائید امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتابوں میں کی ہے۔ اور عرب ایسے مواقع پر کثرت کے ساتھ لفظ کی رعایت کرتے ہیں،

Marfat.com

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل بیت میں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں اس لیے تغلیباً مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔

لفظ اہل کی رعایت سے مذکر کے صیغوں کا استعمال قرآن حکیم میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔اس سلسلہ میں مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم نے لکھا ہے کہ:

''رہا یہ استدلال کہ اگر اہل بیت سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہوتیں تو جمع مونث کی ضمیر آنی چاہیے تھی نہ کہ جمع مذکر کی، سو محض لغو ہے کیونکہ "عنکم "اور"لیطھر کم" میں جو جمع مذکر کی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں، وہ محض لفظ ''اہل'' کی رعایت سے استعمال کی گئی ہے۔سورۃ ہود کی آیت جس میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے خطاب کیا گیا ہے، ابھی آپ کی نظر سے گزری۔اہل عرب عموماً مونث سے تخاطب کرتے وقت جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔حماسی شاعر اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہتا ہے ع

فلا تحسبی انی تخشعت بعد کم

یعنی تو یہ خیال نہ کرنا کہ میں تیرے بعد ذلیل ہو گیا۔اسی طرح مخزومی اپنی اہلیہ سے کہتا ہے ع

فان شئت حرمت النساء سواکم

یعنی اگر تو چاہے تو میں تیرے سوا سب عورتوں کو اپنے اوپر حرام کرلوں۔

خود قرآن حکیم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے جب کہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ کو خطاب کر رہے ہیں جمع مذکر حاضر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ارشاد ہے:

﴿فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ (طٰہٰ:۲۰:۱۰)

''پس کہا اپنی اہلیہ سے کہ ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔''

حدیث شریف اور اشعار عرب میں اس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اہل البیت کے الفاظ سے مخاطب فرمایا ہے۔چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے قصہ میں منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف روانہ ہوئے۔وہاں پہنچ کر فرمایا:

((السلام علیکم اھل البیت ورحمة الله، فقالت علیك السلام ورحمة الله

Marfat.com

كيف وجدت اهلك؟ بارك الله لك، فتقري حجر نساءه كلهن يقول لهن كمايقول لعائشة ويقلن له كما قالت عائشة))

(بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ لا تدخلوا بیوت النبی)

بخاری کی اس حدیث سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ آیا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں داخل ہیں یا نہیں کیونکہ اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہر ایک کو اہل بیت سے خطاب فرمایا ہے۔

غرض کہ مخاطب اگر صرف عورتیں ہوں تو اظہار عظمت و محبت کے طور پر ان کے لیے مذکر کے صیغے استعمال ہو سکتے ہیں۔ آیت تطہیر میں مذکر کی ضمیریں استعمال کرنے کی وجہ لفظ ''اہل'' ہے۔ اہل چونکہ مذکر ہے اس لیے اس کی رعایت سے مذکر کا صیغہ ہی لانا چاہیے تھا، اس لیے جمع مذکر ہی کی ضمیر لائی گئی ہے۔ جہاں بھی لفظ اہل استعمال ہوا ہے اس کے لیے جمع مذکر ہی کی ضمیر لائی گئی ہے۔

اس سار بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس آیت تطہیر کی رو سے ''اہل بیت'' کی اصطلاح مشہور ہوئی، اس کے نزول کے وقت یا نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ جو لوگ اس گھر میں رہائش پذیر تھے، وہ حضرات اصالتاً اہل بیت ہیں اور جن لوگوں کو عبا میں لے کر اہل بیت ہونے کی دعا کی گئی وہ تبعاً اور مجازاً اہل بیت میں شامل ہیں، لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ ''چارتن'' کے سوا بیوت نبوت میں مستقل رہنے والے لوگوں کو اہل بیت میں شمار ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ ان حضرات میں سے ایک شخص اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''ازواج النبی ﷺ اہل بیت نہیں ہیں بلکہ اہل البیوت ہیں۔ آیت تطہیر میں اہل البیت خاص بیت کا ذکر ہے۔ ایک خاص بیت صرف قرآن میں اہل بیت نبی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ وہ خاص بیت جناب سیدہ طاہرہ کا ہے جس کا دروازہ صحن مسجد کا حصہ ہے۔ ازواج رضی اللہ عنہن کی وجہ سے نبی ﷺ بھی گھروں والے تھے۔ نبی ﷺ کے لیے بھی بیوت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سند تطہیر الرجس سے پاک اہل البیت خاص گھر والے ہیں۔ ازواج نبی کسی حیثیت سے صاحب تطہیر نہیں ہیں کیونکہ ان میں ''رجس'' ہے۔ ازواج النبی ﷺ میں رجس واضح ہے۔''

(ناصر حسین فیض آبادی: دعوت غور و فکر بمتعلق اہل بیت پنج تن: ص ۲۸، لاہور)

Marfat.com

اس عبارت کو غور سے پڑھیں۔ ظالم محقق نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ بغض و عداوت اور دلی کینہ کی بنا پر سید الانبیاء ﷺ کو بھی ''رجس'' سے آلودہ بیت اور ناپاک گھر کا رہائش پذیر کہہ دیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے گو وہی گھر (بیوت) ہیں جن میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی اقامت ہے اور سرکار دو عالم ﷺ ان میں باری باری قیام فرماتے ہیں۔

دراصل اہل بیت کا لفظ اسم جنس ہے جس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے۔ آیت تطہیر میں تمام گھروں کو بوجہ حضور ﷺ کے ایک گھر سمجھا گیا تو اہل بیت فرمایا، اور جب گھر ہر زوجہ مطہرہ کا ہے تو اضافت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف کردی "فی بیوتکن" ظاہر ہے کہ ہر بیوی کا گھر دراصل حضور ﷺ ہی کا گھر ہے، تو اس طرح تمام بیویوں کے گھروں کو حضور ﷺ کا گھر قرار دے دیا گیا۔ "لاتدخلوا بیوت النبی۔" (اہل بیت الرسول کون؟:ص ۲۲۶)

یہ وہ مختصر جوابات تھے اور ایک اجمالی تذکرہ تھا حدیث عباء کا۔

یہ جوابات اس صورت میں ہیں جب اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے، لیکن ہمارا اور دوسرے کئی حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ روایت روایتاً اور درایتاً صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیات ۵ھ میں نازل ہوئیں۔ ۲ھ سے ۷ھ تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں بچوں علی رضی اللہ عنہ اور امامہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہیں۔ اب یہ کون سی منطق ہے کہ ۵ھ میں رسول اللہ ﷺ اپنی ایک بیٹی، داماد اور اس کے دو بچوں کو اپنی عبا میں لے کر ان کے لیے دعائے خیر کریں اور دوسری بیٹی جو گھر میں موجود ہو، اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی تمام رحمتوں سے دور کردیں جب کہ وہ ''رحمتہ للعالمین ﷺ'' بھی ہوں۔ اس وجہ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا اس وقت آپ ﷺ کی دوسری کوئی بیٹی زندہ نہ تھی لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں۔ آپ ﷺ کی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کے ساتھ اس وقت زندہ تھی کیونکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور ان کی تجہیز و تکفین اور غسل میں سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا نے شرکت فرمائی۔ ان کے خاوند ابو العاص اسیران بدر میں سے تھے۔ جمادی الاولی ۶ھ میں ان کے قافلہ کو مسلمانوں نے پکڑ لیا۔ یہ قافلہ والوں سے گریز کرتے ہوئے قافلہ سے قبل مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پناہ لی۔ ابو العاص سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی سفارش

Marfat.com

پر مع مال ومتاع رہا کر دیئے گئے۔ چنانچہ مکہ چلے گئے اور ان لوگوں کو ان کا مال واپس کر کے اور ۷ھ کے آخر میں یا ۸ھ کے اوائل میں مدینہ چلے آئے اور سرکار مدینہ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے نکاح ہی پر ابو العاص رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ: ۳/۳۳۲، طبقات ابن سعد: ۸/۲۱-۲۲، الاصابہ: ۴/۳۰۶، الفتح الربانی فی ترتیب مسند احمد بن حنبل: ۲۲، ۹۸ وغیرہ)۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس وقت آپ کے گھر میں مقیم تھیں اور آپ کے دونوں بچے علی الزینبی رضی اللہ عنہ اور امامہ رضی اللہ عنہا اپنے نانا کی زیر تربیت تھے لیکن آپ نے ان تینوں کو جو بیت نبوت میں مقیم تھے، ان کو اپنی عبا میں نہ لے کر اہل بیت سے خارج کر دیا اور دوسرے گھر کے چار افراد کو بلا کر اہل بیت میں شمار کر لیا۔ یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کوئی معمولی بیٹی نہ تھیں بلکہ سرکار دو عالم ﷺ نے راہ خدا میں ان کے مصائب کو دیکھ کر فرمایا تھا:

ھی خیر بناتی اصیبت فی، (ھی افضل بناتی اصیبت فی)

یعنی میری بیٹیوں میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہے (اور دوسری روایت میں خیر کا لفظ آیا ہے) جس نے میری وجہ سے گوناگوں مصائب برداشت کیے۔

(مجمع الزوائد: ۹/۲۱۳، دلائل النبوۃ بیہقی: ۲/۴۲۶)

اب اندازہ فرمائیں کہ ایک ایسی بیٹی جو گھر میں رہتی ہے، آپ ﷺ اس کو چھوڑ دیں اور اس کے بجائے دوسری بیٹی کو جو دوسرے گھر میں اپنے خاوند کے ساتھ زندگی کے ایام بسر کر رہی ہے، اپنے اہل بیت میں شمار کریں۔ رحمت عالم ﷺ سے ایسی بے رحمی کی امید نہیں ہو سکتی؟

اسی وجہ سے محقق علماء اسلام نے اس روایت عباء کو غلط قرار دیا ہے اور ایک خاص گروہ کی سازش قرار دیا ہے۔ اگرچہ اس مضمون کی روایات مسلم، ترمذی، مسند احمد وغیرہ میں منقول ہیں لیکن کیا مسلم اور ترمذی بلکہ بخاری کی روایات تنقید سے بالاتر ہیں۔ ان کتابوں کی کئی ایسی روایات ہیں جن پر علماء نے تنقید کی ہے۔ صحیح مسلم ہی میں ایک روایت ہے جس میں لکھا

Marfat.com

ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اقض بيني و بين هذا الكاذب الاثيم الغادر الخائن

''میرے اور اس جھوٹے، گنہگار، غدار اور خائن کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔''

(مسلم کتاب الجہاد، باب الفیٔ: ۲/۱۱)

غور فرمائیں کہ کیا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے مکروہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں، اسی لیے کئی محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے اور علامہ ماذری رحمۃ اللہ علیہ اس کی نسبت فرماتے ہیں۔

''اذا انسدت طرق تاويلها نسبنا الكذب الى رواتها (مسلم جلد: ۲/۱۱)

''جب اس حدیث کی تاویل کے تمام راستے بند ہو جائیں گے تو پھر ہم راویوں کو جھوٹا کہیں گے۔''

ایسے ہی بخاری کی کئی احادیث ہیں جن کی صحت پر علماء نے کلام کیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے صحیحین کی احادیث پر بھی تنقید کی ہے اور ان کے راویوں پر جرح مفسر کی ہے۔ چنانچہ امام دارقطنی نے اپنی کتاب ''الاستدراکات'' اور ''التتبع'' میں بخاری اور مسلم کے خلاف کئی احادیث پر کلام کیا ہے۔ حافظ عراقی نے ''الفیہ'' کی شرح: ۱/۷۱ پر بخاری اور مسلم کی دو حدیثوں پر جرح اور تنقید کی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قواعد علوم الحدیث: ۱۶۹۔۱۷۰، مولانا ظفر احمد تھانوی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

بعض علماء نے ان تمام روایات کے راویوں پر بھی جرح کر کے ان کو ضعیف ثابت کیا ہے جو اس واقعہ کے بارے میں مروی ہیں۔ چنانچہ ان روایات کے راوی محمد بن السائب الکلبی، عطیہ العوفی، فضیل بن رزاق، محمد بن مثنیٰ، اعمش، عطیہ، شہر بن حوشب، سعید بن زوبی، خالد بن مخلد، محمد بن سلیمان اصبہانی، عبداللہ بن عبدالقدوس، وغیرہ ہیں۔ ان کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالیں۔

خلاصہ یہ کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جس قدر روایات یا حدیث عباء کی جتنی روایات ہیں وہ سب نہ روایتاً صحیح ہیں اور نہ درایتاً درست ہیں بلکہ یہ ایک خاص گروہ نے ایک

Marfat.com

خاص مقصد کے لیے وضع کر کے کتابوں میں ٹھونس دی ہیں اور ہمارے علماء بغیر تحقیق کیے ان کو اپنی کتابوں میں درج کرتے چلے آرہے ہیں۔ جیسے کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کو حدیث بنا کر کتابوں میں درج کر دیا جب کہ یہ کوئی حدیث نہیں ہے اور علماء نے اس کو ''حدیث السوق'' یعنی بازاری گپ کہا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تمیز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنتہ الناس من الحدیث: ۱۰۷، تذکرۃ الموضوعات: ۲۰ المقاصد الحسنہ ۳۸۶ وغیرہ)

خلاصہ یہ کہ ''اہل بیت نبوت'' سے اصلی مراد تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔ ان کے علاوہ اگر کوئی صحیح روایت کی رو سے ''اہل بیت'' میں شمار ہوتا ہے تو وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے طفیل ہے، بالذات نہیں ہے کیونکہ قرآن نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ''اہل بیت'' کہا ہے اور قرآن کے مقابلہ میں اگر صحیح حدیث بھی ہوگی تو اس کی تاویل کی جائے گی چہ جائے کہ ضعیف اور موضوع احادیث پر انحصار کر کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ''اہل بیت'' سے نکال دیا جائے۔ کسی نے سچ کہا ہے:

اہل گلشن کے لیے بھی بابِ گلشن بند ہے ۔۔۔ اس قدر کم ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں

یہ تھی مختصر بحث حدیث عباء کے بارے میں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پابندئ شریعت اور تمسک بالسنۃ:

ایک روز ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اس سے روکا کہ یہ فعل سرکار دوعالم ﷺ کی روش کے مطابق نہ ہے۔ آپ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ نے اسے فرمایا تھا: ''تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔'' (ترب وجھك لله)

سیدہ رضی اللہ عنہا شریعت کی خلاف ورزی کو برداشت نہیں کرتی تھیں اور فوراً ٹوک دیتی تھیں۔ چنانچہ بعض امراء نے نماز کے اوقات میں تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیے تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ ''رسول اللہ ﷺ ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔'' (مسند احمد: ۹۶/۲۸)

Marfat.com

سیدہ رضی اللہ عنہا کے چند متفرق خصائص:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایک نبی کی بیوی ہونے کے ناطے اور اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے بھی نہایت فیاض تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ چند فقراء جن میں کچھ عورتیں بھی تھیں ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح وزاری سے سوال کیا۔ ام الحسین بیٹھی تھیں، انھوں نے ڈانٹا لیکن سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں اس کا حکم نہیں ہے اس کے بعد خادمہ سے فرمایا کہ انھیں کچھ دے کر رخصت کر دو۔ گھر میں کچھ نہ ہو تو انھیں ایک چھوہارہ ہی دے کر رخصت کرو۔

(الاستیعاب:۲/۸۰۳)

اس روایت سے نبوت کے گھر کی حالت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بقول مولانا ظفر علی خان:

ہیں دوسروں کے واسطے لال و زر و گہر　　اور اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا صرف خود ہی فیاض نہیں تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ہر وقت فیاضی اور جود وسخا کی تلقین فرماتی رہتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔ فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کرو کیونکہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں جو مجھ کو میری وفات کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔ (مسند احمد:۶/۲۹۰)

رسول اللہ ﷺ سے انھیں بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ کے موئے مبارک تبرکاً رکھ چھوڑے تھے جن کی لوگوں کو وہ زیارت کراتی تھیں۔ (مسند احمد:۲/۳۰۱)

سرکار دو عالم ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا۔ یارسول اللہ ﷺ! کیا وجہ ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں؟ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:

ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات الخ

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں، مومن مرد اور مومن عورتوں۔''

(مسلم:۲/۳۴۱)

اس واقعہ سے بھی حضور ﷺ کی آپ رضی اللہ عنہا سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر پڑھ کر اپنی ہر ایک زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ آپ ﷺ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شروع کرتے کیونکہ وہ سب سے بڑی تھیں اور مجھ پر اس کا اختتام فرماتے۔ (السمط الثمین للمحب الطبری: ۱۰۷)

بخاری میں اگرچہ یہ نہیں آیا کہ پہلے کس کے پاس تشریف لے جاتے اور آخر میں کس کے پاس لیکن اتنا ضرور ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب نماز عصر سے واپس لوٹتے تو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں باری باری تشریف لے جاتے تھے۔

(بخاری، باب: دخول الرجل علی نساءہ فی الیوم الواحد حدیث ۵۲۱۶)

اس سلسلہ میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان سے فرمایا: اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں نے شاہ حبشہ نجاشی کو حلہ اور کستوری ہدیہ کے طور پر بھیجی ہے اور مجھے پتہ چلا ہے کہ نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ ہدیئے واپس آ جائیں گے۔ اگر وہ واپس آ گئے تو تمھیں ان میں سے دوں گا۔

چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کے خیال کے مطابق وہ ہدیئے واپس آ گئے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہر بیوی کو ایک اوقیہ کستوری دی اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو باقی ماندہ کستوری اور حلہ مرحمت فرمایا۔

(مسند احمد: ۶/۴۰۴، المعجم: ۲۵/۸۱، مجمع الزوائد: ۴/۱۴۸، السنن الکبری للبیہقی: ۶/۲۶، طبقات ابن سعد: ۸/۹۵، الاصابہ: ۸/۲۹۰، اسد الغابہ: ۷/۳۸۵، مستدرک حاکم: ۲/۲۸۹)

یہ حدیث سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے۔

(ملاحظہ ہو المعجم الکبیر: ۲۳/۲۵۳ موارد الظمآن حدیث نمبر ۱۱۴۴، مجمع الزوائد: ۸/۲۸۹)

طرفین کی طرف سے محبت کے نتیجے میں جبریل علیہ السلام امین بھی ان کے گھر میں آتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ۔ وہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ سے باتیں کرتے رہے۔ جب یہ چلے گئے تو آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ان کو جانتی ہو؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''دحیہ تھے۔'' لیکن آپ ﷺ نے اور لوگوں سے اس واقعہ کو بیان فرمایا، اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ (مسلم: ۲/۳۴۱)

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے قبل کا ہے۔

Marfat.com

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مسند احمد اور دوسری کتابوں میں کچھ روایات واقعۂ کربلا اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہیں جب وہ بیت اللہ میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ یہ سب روایات غلط ہیں کیونکہ واقعۂ کربلا ۶۱ھ میں پیش آیا اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ ۶۳ھ میں بیت اللہ میں پناہ گزین ہوئے اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ میں ہو گیا تھا۔

(ملاحظہ ہو طبقات: ۸/ ۸۷، انساب الاشراف: ۱/ ۴۳۲، جوامع السیرۃ ۳۳)

حافظ ابن سید الناس نے سن وفات ۶۰ھ لکھا ہے۔ (عیون الاثر: ۲/ ۳۹۸)

Marfat.com

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش

نام ونسب:

نام زینب، کنیت ام الحکم، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔ سلسلہ نسب حسب ذیل ہے:

زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

والدہ کا نام امیمہ تھا جو کہ عبدالمطلب کی صاحب زادی تھیں۔ اس رشتہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کی سگی پھوپی زاد بہن تھیں۔

(الاستیعاب:۴/۱۸۵۵ھ الاصابہ:۷/۶۶۸)

آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ کے اسلام میں اختلاف ہے سوائے ابن سعد کے کسی اور نے ان کے لیے اسلام ثابت نہیں کیا۔ محمد ابن اسحاق ان کے اسلام کے منکر ہیں۔

(اصابہ:۷/۶۶۸، زرقانی:۳/۲۴۵)

پہلے آپ رضی اللہ عنہا کا نام برّہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے تبدیل کر کے زینب رکھا۔

(مسلم حدیث نمبر۲۱۴۲ الادب المفرد للبخاری حدیث نمبر۸۲۱، البیہقی فی الآداب حدیث نمبر۶۱۱، دلائل النبوۃ بیہقی:۳/۳۶۵ اسد الغابہ:۷/۱۲۵)

حریم نبوت میں داخلہ:

سیدہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کے نکاح میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا کے متبنّٰی اور آزاد

Marfat.com

کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ ؓ کے عقد میں تھیں۔ باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید ؓ نے ان کو طلاق دے دی۔ سیدنا زید ؓ چونکہ موالی میں سے تھے اور سیدہ زینب ؓ ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور سرکار دو عالم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی (آزادہ کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے، اس لیے حضور ﷺ نے جب سیدہ زینب ؓ کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ ؓ کا پیغام دیا تو سیدہ زینب ؓ اور ان کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب:۳۳:۳۶)

اس آیت میں مومن سے عبداللہ بن جحش ؓ یعنی سیدہ زینب ؓ کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مومنہ سے خود سیدہ زینب ؓ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کے لیے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زینب ؓ کا نکاح زید ؓ سے ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا لیکن زید ؓ سیدہ زینب ؓ کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے۔ اس لیے گھر میں باہمی لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ؓ ہمیشہ سرکار دو عالم ﷺ سے زینب ؓ کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب ؓ کو چھوڑ دیتا ہوں لیکن رسول خدا ﷺ اس کو طلاق دینے سے منع فرماتے اور فرماتے کہ تم نے میری خاطر سے اس تعلق کو قبول کیا ہے، اس لیے اب چھوڑنے سے اور ذلت ہوگی اور مجھے اپنے خاندان میں ندامت اور شرمندگی ہوگی۔

جب بار بار یہ جھگڑے اور مناقشات پیش آتے رہے تو آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید ؓ نے زینب ؓ کو طلاق دے دی تو زینب ؓ کی دل جوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ تھا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو گھر پر رکھ لیا یعنی اس سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ

Marfat.com

لے پالک یعنی متبنی کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں۔

عرب میں مدت سے ایک برا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنالیں اس کی مطلقہ جورو سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے چاہا کہ اس رسم بد کو سرکار دو عالم ﷺ کے فعل اور عمل سے توڑیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا کہ زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔

آپ زید رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق نہ دینا، اس لیے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرے، لیکن آخر ایک دن زید رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تنگ آ کر زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب رضی اللہ عنہا سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جو کچھ ہوا اور وہ زید رضی اللہ عنہ کی رضا مندی سے ہوا)۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نکاح کا پیغام لے کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے۔ (حالانکہ پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال ورع اور کمال تقویٰ تھا) اور کہا اے زینب رضی اللہ عنہا! مجھے رسول اللہ ﷺ نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک کہ میں اپنے پروردگار سے مشورہ نہ کرلوں یعنی استخارہ نہ کرلوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر استخارہ میں مشغول ہو گئیں۔

چونکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں سرکار دو عالم ﷺ کا نکاح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔

Marfat.com

آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا تھا، اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس کا اعلان ہو۔ چنانچہ جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ (الاحزاب:۳۳:۳۷)

''پس جب زید رضی اللہ عنہ زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی تو اے محمد! ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔''

اس کے بعد سرکار دو عالم ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔ (مسلم حدیث نمبر ۱۴۲۸، نسائی: ۶/ ۷۹، مسند احمد: ۳/ ۱۹۵ فتح الباری: ۸/ ۴۰۰)

بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔

﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾ (الاحزاب:۳۳:۳۷)

''اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو اللہ ظاہر کر دینے والا ہے، اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا اللہ سے چاہیے۔''

زید رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کی اور اس کو طلاق دینے کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن سرکار دو عالم ﷺ سے اس کی اجازت چاہی حضور ﷺ نے فرمایا: ''اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور اللہ سے ڈرو۔''

﴿اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾ (الاحزاب:۳۳:۳۷)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اگر سرکار دو عالم ﷺ کسی شے کو لوگوں سے چھپانا چاہتے تو اس آیت کو چھپاتے۔

(بخاری، حدیث ۴۷۸۷ و حدیث نمبر ۷۴۲۰، ترمذی حدیث نمبر ۳۲۱۲ وقال حسن صحیح۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ۳/ ۴۶۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ ﷺ مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کوئی ہے جو جا کر زینب رضی اللہ عنہا کو یہ بشارت سنائے اور اذتقول

Marfat.com

لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ (الاحزاب: ۳۳: ۳۷ آخر تک یہ آیات آپ نے ہم پر تلاوت فرمائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ یہ آیات تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ زینب رضی اللہ عنہا میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ نے آسمان پر کیا۔ (الاصابہ: ۴/۳۱۳ ترجمہ زینب رضی اللہ عنہا)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں جانے سے قبل قاصد کے ذریعے آپ رضی اللہ عنہا کو اطلاع کرا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نکاح کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔ چنانچہ جس وقت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی تو سجدہ شکر میں گر گئیں۔ (رواہ ابن اسعد عن ابن عباس الاصابہ: ۴/۳۱۳، زرقانی: ۳/۲۴۲)

چونکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر مل چکی تھی، اس لیے اس اطلاع کے بعد حضور ﷺ ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ "زوجنا کھا" نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا اطلاع کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدۂ شکر بجالانا اور پیغام نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پہلے ہی سے جا چکا تھا۔ (ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میں اپنے دل میں تم سے زیادہ کسی کو قابل وثوق نہیں پاتا لہٰذا تم ہی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ۔ ملاحظہ ہو زرقانی: ۳/۲۴۵ یہ رسمی نکاح سے بڑھ کر نکاح ہے۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "تمھارا نام کیا ہے؟" سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرا نام برہ ہے کیونکہ اصلی نام ان کا برہ ہی تھا۔ آپ نے بجائے برہ کے زینب رضی اللہ عنہا نام تجویز کیا۔

(الاستیعاب: ۴/۸۵۵، عزاہ الیہ الحافظ فی الاصابہ: ۸/۶۶۸، امسلم حدیث نمبر ۲۱۴۲، الادب المفرد: ۸۲۱ والبیہقی فی الاداب حدیث نمبر ۶۱۱)

یہ تفصیل ہم نے ان واقعات کی بنا پر بیان کی ہے جو ہماری عام تفاسیر اور رجال کی کتابوں میں مرقوم ہیں، لیکن ہمیں ان واقعات سے اختلاف ہے خصوصی طور پر اس آیت کی تفسیر میں:

﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ، وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ

Marfat.com

تَخْشٰہُ﴾ (الاحزاب: ۳۳: ۳۷)

اس آیت کی جو تفسیر گزشتہ سطور میں بیان کی گئی ہے۔ اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

① ایک تو یہ کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) منافقت سے کام لے رہے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ تھا۔

② دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ (معاذ اللہ) اللہ کے بجائے لوگوں سے ڈرتے تھے۔

لیکن یہ دونوں الزامات غلط ہیں اور اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے قریب جانا چاہا تو سیدہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات نہایت گراں گزری۔ چنانچہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زینب رضی اللہ عنہا مجھے اپنی زبان سے سخت اذیت دیتی ہے اور ایسا ایسا کہتی ہے۔ اس لیے، اے اللہ کے رسول ﷺ، میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو،...... اور تم وہ چیز چھپا رہے ہو جو تمھارے دل میں ہے، اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کردے گا اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔''

یعنی آخر آیت تک سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے اور مخاطب سیدنا زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں جیسا کہ عام طور پر تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس آیت کے ابتدائی جملوں میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ سے خطاب ہے اور آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم ﷺ کو قصوروار ٹھہرا رہے ہیں کہ ''تم لوگوں سے ڈرتے ہو۔'' (معاذ اللہ) چنانچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ہمارے اس خیال کی تائید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی)

سیدنا زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ سات آٹھ سال کی عمر کے تھے کہ ان کے قبیلہ پر کچھ لوگوں نے حملہ کر دیا۔ وہ انھیں پکڑ کر مکہ مکرمہ لے آئے اور فروخت کرنا چاہا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کو خرید کر نبی اکرم ﷺ کو ہدیہ

Marfat.com

کردیا۔ یہ اعلان نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حطیم میں کھڑے ہوکر اعلان فرمایا کہ ''جولوگ یہاں موجود ہیں وہ گواہ رہیں کہ زید رضی اللہ عنہ میرا بیٹا ہے اور میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔'' زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ (اسد الغابہ:۲/۲۳۴) چنانچہ اس روز سے سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو زید رضی اللہ عنہ بن محمد پکارا جانے لگا۔ (الاصابہ:۱/۵۴۵) سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے بالغ ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی شادی سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کردی (الاصابہ:۱/۵۶۷) جن میں سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کردی، لیکن زید رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی طلاق دے دی۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ان کا نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت عقبہ سے کردیا۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی ام بیضاء بنت عبدالمطلب کی بیٹی اروی بنت کریز کی بیٹی تھیں یعنی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ماں شریک بہن تھیں۔ ان سے ایک لڑکی رقیہ رضی اللہ عنہا اور ایک لڑکا زید بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوا۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے جنسی تعلقات قائم نہ کرسکے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ اللہ بہتر جانتا ہے، ہوسکتا ہے کہ سیدہ زینب میں کوئی نقص ہو کیونکہ کتابوں میں اس بارے میں کچھ مذکور نہیں۔ علاوہ ازیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کچھ مزاج کی بھی تیز تھیں۔ یہ تیزی قریش کے ایک اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے یا پھر اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بھی عورتیں اکثر تیز مزاج اور چڑچڑی ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے تعلقات میں کشیدگی اور تناؤ رہتا تھا۔ اس وجہ سے سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کے سمجھانے کے باوجود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔

اس تمام صورتحال کو پیش نظر رکھ کر اب اس آیت کی صحیح تفسیر آپ کی سمجھ میں آئے گی کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

''اور تو اسے اپنے دل میں چھپا رہا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور تو لوگوں سے ڈر رہا تھا اور اللہ اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ اس سے ڈرا جائے۔''

Marfat.com

ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا جس قدر کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا۔ ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔ لوگ کھانا کھا کر چلے گئے لیکن تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے شدت حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ وہ سمجھ جائیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔ پھر یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں تشریف لے گئے اور سب کو سلام کیا۔ سب نے آپ ﷺ کو مبارکباد دی۔ بالآخر وہ تین آدمی اٹھ کر چلے گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

”اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جب کہ تم کو اذن دیا جائے کھانا کھانے کے لیے درآں حالیکہ اس کے پکنے کا انتظام نہ کرو، لیکن جب تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہو گیا ہے تو آ جاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ، اس سے خدا کے نبی ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو حق بات کے ظاہر کرنے سے کوئی حجاب نہیں، اور اگر تم بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو، اس میں تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔“

یہ مختلف احادیث کا مضمون ہے جس کو ہم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

(بخاری حدیث نمبر ۴۷۹۱، مسلم، حدیث: ۱۴۲۸، ترمذی حدیث: ۳۲۱۵، ۳۲۱۷)

بخاری، مسلم اور احادیث کی دوسری کتابوں میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے) نکاح فرمایا تو میری ماں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے (جو رسول اللہ ﷺ کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں) مالیدہ بنایا اور اس کو ایک طشت میں رکھ کر مجھے کہا۔ انس رضی اللہ عنہ! اسے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے بھیجا ہے۔ وہ آپ ﷺ کو سلام کہتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ یہ ہماری طرف سے ایک قلیل سا ہدیہ ہے۔

Marfat.com

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ مالیدہ کا طشت لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی والدہ کا سلام عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ ہماری طرف سے آپ کے لیے قلیل سا ہدیہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے رکھ دو۔ پھر فرمایا۔ جاؤ اور فلاں فلاں کو بلا لاؤ اور جو اور آدمی بھی راستہ میں ملے اسے بھی بلا لاؤ۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لیے۔ چنانچہ میں نے وہی کیا اور جن لوگوں کے آپ ﷺ نے نام لیے تھے ان کو بھی اور جو راستہ میں ملے ان کو بھی بلا لایا۔ چنانچہ وہ سب آ گئے۔ راوی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تعداد کتنی تھی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین سو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اے انس رضی اللہ عنہ! وہ طشت لاؤ۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کھانا کھانے والے آئے یہاں تک کہ صفہ اور آپ کا حجرہ بھر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا کہ دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے۔ چنانچہ انھوں نے کھانا شروع کیا اور سب سیر ہو گئے۔ ایک گروہ داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا، پھر دوسرا داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ نے مجھے فرمایا: انس! اب اس طشت کو اٹھا لو۔ جب میں نے اس کو اٹھایا تو میں نہیں سمجھتا کہ جب میں نے اس کو رکھا تھا اس وقت وہ مالیدہ زیادہ تھا یا اس وقت جب میں نے اس کو اٹھایا۔ (بخاری حدیث:۵۱۶۳، نسائی:۶/۱۳۶، مسلم حدیث:۱۴۲۸)

اسی دعوت ولیمہ میں آیت حجاب اتری۔ آیت حجاب کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہو گئی۔ یہ ایک روایت کے مطابق ذی قعدہ ۵ ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۵ سال تھی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی چند خصوصیات ہیں جو کسی اور کے نکاح میں نہیں پائی جاتیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

① ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنّٰی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی۔

② مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام اور آقا و مولا کی تمیز اٹھ گئی۔

Marfat.com

④ اس نکاح میں پردے کا حکم نازل ہوا۔

④ نکاح کے لیے وحی الٰہی آئی۔

⑤ نکاح آسمانوں پر ہوا اور حق تعالیٰ نے ان کا نکاح پڑھایا جب کہ اور بیویوں کے نکاح ان کے اولیاء نے پڑھائے۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی۔ (الاحزاب:۳۳: ۳۷) تو وہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری بیویوں سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمھارے نکاح تو تمھارے اولیاء نے کیے اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کیا۔

(ترمذی فی التفسیر، من سورۃ الاحزاب حدیث: ۳۲۱۰ وقال حسن صحیح، عیون الاثر: ۲/ ۳۹۸ بخاری فی التوحید باب، وکان عرشہ علی الماء حدیث: ۷۴۲۰، نسائی: ۶/ ۸۰)

اسی سلسلہ میں طبری اور بلاذری نے شعبی سے نقل کیا ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سرکار دوعالم ﷺ سے کہا کرتی تھیں مجھے تین باتوں میں آپ ﷺ پر ناز ہے اور آپ ﷺ کی کوئی بیوی اس بارے میں ناز نہیں کرسکتی اور وہ تین باتیں یہ ہیں:

① میرا جدامجد اور آپ ﷺ کا جدامجد ایک ہے۔

② میرا آپ ﷺ سے نکاح اللہ نے آسمان پر پڑھایا۔

③ میرے معاملہ کے سفیر جبریل امین علیہ السلام تھا۔

(طبری تفسیر: ۲۲/ ۱۴، انساب الاشراف: ۱/ ۴۳۵، خصائص النبوۃ سیوطی: ۲/ ۲۴۶، زرقانی: ۳/ ۲۴۶)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں۔ میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھا۔ (مسلم حدیث: ۲۴۴۲، نسائی: ۷/ ۶۴، مسند احمد: ۶/ ۱۵۱)

رسول اللہ ﷺ بھی سیدہ رضی اللہ عنہا کی بڑی خاطرداری فرماتے تھے اور ان کی ان صفات

Marfat.com

کا لحاظ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو سفیر بنا کر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا اور وہ اپنی اس سفارت میں ناکام واپس آئیں، تو پھر سب نے اس خدمت (سفارت) کے لیے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لیے ان سب سے زیادہ موزوں تھیں۔ انھوں نے بڑی دلیری سے سفارت کا یہ فریضہ ادا کیا اور بڑے زور اور جرأت کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بالکل خاموش یہ سب باتیں سن رہی تھیں اور سرکار دو عالم ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب اپنی تقریر ختم کر چکیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور وشور کے ساتھ تقریر کی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی باتوں کا مدلل جواب دیا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''کیوں نہ ہو آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔'' (صحیح بخاری)

وفات:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک روز فرمایا تھا کہ تم میں سے سب سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لمبا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس کو ظاہر پر محمول کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جب جمع ہوتیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ہاتھ صدقہ وخیرات میں سب سے لمبا ہوتا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں۔ دباغت کا کام جانتی تھیں، اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کے راستہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔ کفن بھی، زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ چنانچہ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لیے بھیجے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے خود تیار کر رکھا تھا، اس کو ان کی بہن سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا نے صدقہ

Marfat.com

کر دیا۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۱۵)

سیدہ زینب کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا۔ (المعجم الکبیر: ۲۴/ ۳۸، صفتہ الصفوة: ۲/ ۴۹، انساب الاشراف للبلاذری: ۱/ ۴۳۶) اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال تھی (ابن سعد: ۸/ ۱۱۵، صفة الصفوة: ۳/ ۱۴۹) یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں۔ جنازہ کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا کہ ان کی قبر میں تدفین کے لیے کون داخل ہوگا؟ انھوں نے جواب دیا جو زندگی میں ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔

(کشف الاستار: ۳/ ۲۴۳، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۸ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح المعجم الکبیر: ۲۴/ ۵۰، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۸)

چنانچہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سیدنا محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحش رضی اللہ عنہ نے انھیں قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔

(بخاری: ۱/ ۱۹۱، مسلم: ۲/ ۳۴۱، اسد الغابہ: ۵/ ۴۶۵)

بعض روایات میں ہے کہ سیدہ کی تدفین کے لیے ایک خاص قسم کی کھاٹ بنائی گئی جس پر انھیں رکھا گیا اور پھر کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کھاٹ کو دیکھا تو فرمایا: ''یہ کتنی اچھی ہے اور کتنی ستر پوش ہے۔''

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۱۱، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۱۲)

یہ پہلی عورت ہے جن کے لیے اس طرح کی کھاٹ بنائی گئی۔ (السنن الکبریٰ: ۷/ ۷۲)

سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۵ سال تھی لیکن عام رائے کے مطابق ۳۷ سال تھی۔

عمرہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو میں نے سیدہ عائشہ سلام اللہ علیھا کو یہ فرماتے سنا:

''افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی، عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماوا تھی۔''

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۱۰، الاصابہ ۴/ ۳۱۴ ترجمہ زینب بن جحش)

Marfat.com

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انتقال کے بعد ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو خلیفہ یزید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ حکومت میں ۵۰ ہزار درہم میں خرید کر مسجد نبوی میں داخل کر دیا۔ (طبری)

فضائل ومناقب:

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بہت کم روایت کرتی تھیں۔ ان سے کتب حدیث میں صرف گیارہ (۱۱) احادیث مروی ہیں ان سے جن راویوں نے روایت کی ان کے نام یہ ہیں:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، سیدہ زینب بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا محمد بن عبداللہ بن جحش (برادر زادہ) کلثوم بن طلق اور مذکور (غلام)۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تقویٰ اور ورع میں ایک پہاڑ تھیں۔ جب منافقین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا اور اس میں سیدہ رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے شریک ہو گئیں، لیکن جب سرور کائنات ﷺ نے ان سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اخلاقی حالت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

''یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ بخدا! عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سوائے خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتی۔'' (بخاری: ۱/ ۳۶۵ کتاب الشہادت)

یعنی جو شے میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور کان نے نہیں سنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ اب تک میرا علم اور یقین ان کی بابت سوائے خیر کے کچھ نہیں۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سوکن تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اگر چاہتیں تو اس وقت کوئی کلمہ ایسا کہہ گزرتیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دوعالم ﷺ کی نظروں سے گرانے کا سبب بن سکتا لیکن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے کمال ورع اور کمال تقویٰ نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ اس بارے میں خاموشی اختیار کر جائیں بلکہ قسم اور حصر کے ساتھ فرمایا: (واللہ ما علمت علیھا الاخیرا) خدا کی قسم! میں نے تو عائشہ رضی اللہ عنہا میں سوائے خیر اور نیکی کے اور کچھ جانا اور دیکھا ہی نہیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف ان الفاظ میں مذکور ہے:

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ نے ورع اور پرہیزگاری کی بدولت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔'' (بخاری: ج ۱)

ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ورع اور تقویٰ کی برکت سے ان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔''

(الاصابہ: ۴/۳۱۳، ترجمہ زینب بنت جحش)

سیدہ رضی اللہ عنہا کو عبادت کا خاص ذوق تھا۔ نہایت خشوع وخضوع سے حق تعالیٰ شانہ کی عبادت کیا کرتی تھیں۔ جس وقت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم ﷺ کا پیام لے کر گئے تو فوراً نماز استخارہ میں مشغول ہو گئیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں مال فئے تقسیم فرما رہے تھے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! ان کو رہنے دو یعنی زینب رضی اللہ عنہا سے کچھ تعرض نہ کرو۔''

لانها اواہ ''یہ بڑی اواہ ہیں۔''

ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اواہ کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا ''اواہ'' کے معنی خاشع اور متضرع ہیں اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ﴾ (ہود: ۱۱:۷۵)

''بے شک ابراہیم بڑے بردبار، نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔''

(زرقانی: ۳/ ۱۴۷، استیعاب: ۴/۱۸۵۲، حلیۃ الاولیاء: ۲/۵۳ عیون الاثر: ۲/ ۳۹۸،

اسد الغابہ: ۷/ ۱۲۷، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۱۷ الاصابہ: ۷/ ۶۶۹)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نماز اور دعا میں مشغول ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

''بے شک زینب رضی اللہ عنہا بڑی اواہ ہے یعنی بڑی نرم دل ہے۔''

(المعجم الکبیر: ۲۴/ ۳۹، مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴۷)

Marfat.com

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں:

''بڑی نیک، بڑی روزے رکھنے والی اور بڑی تہجد گزار تھیں۔ بڑی کمانے والی تھیں، جو کماتی تھیں سارے کا سارا مساکین پر صدقہ کر دیتی تھیں۔'' (اصابہ:۴/۳۱۳)

برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو وظیفہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ہے اور یہ فرمایا کہ اللہ عمر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے بہ نسبت میرے وہ زیادہ تقسیم کرنے پر قادر ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ سب آپ کا ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سبحان اللہ! اور اپنے اور اس مال کے درمیان میں ایک کپڑے کا پردہ ڈال دیا (تاکہ وہ مال نظر نہ آئے کیونکہ وہ اجنبی اور نامحرم ہے) پھر مال لانے والوں کو فرمایا کہ اس کو یہاں ڈال دو اور اس پر ایک کپڑا ڈال دو۔ پھر مجھے (برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا کو) فرمایا: اپنا ہاتھ اس کپڑے کے نیچے لے جا کر جتنا ہاتھ میں آتا ہے وہ بنی فلاں اور بنی فلاں کو دے آؤ۔ فلاں یتیم کو دے آؤ۔ اسی طرح یہ مال تقسیم ہوتا رہا اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا۔ پھر برزہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے ام المومنین رضی اللہ عنہا! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے اس مال میں آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہے وہ تم لے لو۔ برزہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو ۸۵ درہم تھے۔ جب سب مال تقسیم ہو چکا تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

اللھم لایدرکنی عطاء عمر بعد عامی ھذا

''اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھے نہ پائے۔''

چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔

(زرقانی:۳/ ۴۸ واخرج ابن سعد عن محمد بن کعب من طریق الواقدی:۸/۱۱۰)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا کے ترجمہ میں اس روایت کو متصل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (اصابہ:۴/۲۵۴ ترجمہ برزہ بنت رافع)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھا جو صرف ایک سال کے لیے تھا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس آئے تو بار بار کہتی تھیں:

''اے اللہ! یہ مال آئندہ سال میرے پاس نہ آئے، تحقیق یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔''

Marfat.com

یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اعزاء و اقرباء اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کیے اور سلام کہلا کر پیغام بھیجا کہ وہ بارہ ہزار تو آپ رضی اللہ عنہا نے خیرات کر دیئے، یہ ایک ہزار آپ رضی اللہ عنہا اپنی ضرورتوں کے لیے رکھ لیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

(الاصابہ: ۴/ ۳۱۴، زرقانی: ۳/ ۲۴۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نے کوئی عورت زینب رضی اللہ عنہا سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست گفتار، زیادہ فیاض، زیادہ سخی، زیادہ مخیّر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ صرف مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔''

(مسلم حدیث: ۲۴۴۲، نسائی: ۷/ ۶۴، عیون الاثر: ۲/ ۳۹۸)

آپ رضی اللہ عنہا کی فیاضی اور سخاوت کا اندازہ سرکار دو عالم ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اپنے ہاتھ ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم میں سے سب سے لمبے ہاتھ زینب رضی اللہ عنہا کے تھے جو اپنے ہاتھ سے کام کر کے کماتیں اور اس کو صدقہ کرتیں۔

بعض روایات کے الفاظ ہیں کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی ایک کے گھر میں اکٹھی ہوتیں تو ہم دیوار سے ہاتھ رکھ کر ناپتیں۔ ہم یہ کام اس وقت تک کرتی رہیں جب تک کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال نہ ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اگرچہ قد کے لحاظ سے چھوٹی تھیں لیکن ہم نے ان کی وفات کے بعد جان لیا کہ حضور ﷺ کی لمبے ہاتھ سے مراد صدقہ تھا یعنی جو صدقہ زیادہ دیتی ہوگی۔

(مسلم حدیث: ۲۴۵۲، بخاری حدیث: ۱۴۲۰، المستدرک: ۴/ ۲۵، طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۰۸)

آپ رضی اللہ عنہا کی اسی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہوگئی اور وہ گھبرا گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۱۰ من طریق الواقدی)

Marfat.com

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث

نام ونسب:

نام برہ (بعد میں حضور ﷺ نے جویریہ رکھا) بنت الحارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔

حارث بن ابی ضرار یعنی سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد خاندان بنو مصطلق کے سردار تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۲/۴۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو تبدیل کر کے جویریہ رکھا۔ (مسلم حدیث: ۲۱۴۰)

حریمِ نبوت میں داخلہ:

آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ کے ایک شخص مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔ مسافع اور آپ کا باپ حارث دونوں سخت دشمن اسلام تھے۔ مسافع بن صفوان المصطلقی تو حالت کفر میں قتل ہوگیا۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث نے قریش کے اشارے سے یا خود مدینہ طیبہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حارث میں ابی ضرار بنی المصطلق کے رئیس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بہت سی فوج جمع کی ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر سرکار دو عالم ﷺ نے تحقیق احوال کے لیے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے

Marfat.com

واپس آ کر خبر کی تصدیق کی، چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خروج کا حکم دیا۔

شعبان ۵ ھ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک تعداد جس میں تیس گھوڑے تھے جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے، مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئی۔ مال غنیمت کی طمع میں منافقین کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد اس لشکر میں شامل ہوگئی جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لیا اور ۲ شعبان ۵ ھ کو مریسیع کی طرف روانہ ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد: ۲/۴۵، زرقانی: ۲/۹۶)

تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اسلامی لشکر نے ناگہاں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا۔

اس وقت وہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ دس آدمی ان کے قتل ہوئے۔ باقی مرد عورتیں، بچے اور بوڑھے سب گرفتار کر لیے گئے۔ مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں ہاتھ آئیں اور دو سو گھرانے قید ہوئے۔ انھیں قیدیوں میں سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ تھی جس کا نام بعد میں جویریہ رکھا گیا۔

یہ روایت بخاری: ۱/۳۴۵ کی ہے لیکن سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حارث بن ابی ضرار کو یہ خبر کہ اسلامی لشکر حملہ آور ہونے والا ہے، پہلے ہی سے پہنچ چکی تھیں اس لیے اس کی جمعیت جو اس نے جمع کی تھی، وہ منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف بھاگ گیا۔ لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے انھوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ مسلمانوں نے دفعتاً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ۱۰ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوگئے جن کی تعداد چھ سو تھی۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ گرفتار شدگان میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

مال غنیمت کی تقسیم میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سیدنا ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ انھوں نے سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتب کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو۔ ثابت نے ۹ اوقیہ سونے پر مکاتبت منظور کر لی، لیکن سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے

Marfat.com

پاس سونا نہ تھا۔ انھوں نے چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کر دیں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میں برہ (جویریہ) سردار بنی المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میری اسیری کا حال آپ ﷺ پر مخفی نہیں۔ تقسیم میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی ہوں، انھوں نے مجھے مکاتب بنا دیا ہے۔ بدل کتابت کی غرض سے آپ ﷺ کی خدمت میں اعانت کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم کو اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں۔ اگر تم پسند کرو۔ وہ یہ کہ تمھاری طرف سے کتابت کی واجب الادا رقم میں ادا کر دوں اور آزاد کر کے تجھ کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اس پر راضی ہوں۔''

(ابو داؤد: ۲/۱۹۲ الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبد البر/ ۱۸۸)

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی خواہش تو پہلے ہی سے تھی کہ وہ آزاد ہو جائیں۔ اتفاق سے ان کے باپ حارث بھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں قبیلہ بنو المصطلق کا سردار ہوں، اس لیے میری بیٹی کنیز بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپ ﷺ اس کو آزاد فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ میں اس معاملہ کو خود جویریہ رضی اللہ عنہا کی مرضی اور اختیار پر چھوڑ دوں۔ حارث نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے جا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے لہٰذا ہمیں رُسوا نہ کرنا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرتی ہوں۔

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۱۸، وابن عساکر ۴۲ صححہ الحافظ فی الاصابہ ۷/ ۵۶۶)

عبداللہ بن زیاد سے مروی ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تا کہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائیں۔ ان میں سے دو اونٹ جو نہایت عمدہ اور پسندیدہ تھے ان کو ایک گھاٹی میں چھپا دیا کہ واپسی میں ان کو لے لوں گا۔ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ اونٹ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے اور کہا ''اے محمد ﷺ! تم نے میری بیٹی کو گرفتار کیا ہے یہ اس کا فدیہ ہے۔''

سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ اونٹ کہاں ہیں جو تم فلاں گھاٹی میں چھپا آئے

Marfat.com

ہو۔ حارث نے کہا: اشھد انک رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے سوا اور کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ اللہ ہی نے آپ ﷺ کو اس سے مطلع کیا ہے۔"

(عیون الاثر: ۲/۳۹۹، اصابہ: ۱/۲۸۱ ترجمہ حارث بن ابی ضرار، خصائص کبریٰ: ۱/۲۳۶ للسیوطی)

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے بنی المصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے بنی المصطلق کے ۱۰۰ گھرانے آزاد کرا دیئے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا ہیں کہ:

"میں نے جویریہ ﷺ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا کہ جن کی وجہ سے ایک دن میں ۱۰۰ گھرانے آزاد ہوئے ہوں۔"

(مسند احمد: ۶/۲۷۷، ابو داؤد حدیث: ۳۹۳۱ (۲/۱۹۲) دلائل النبوۃ للبیہقی: ۴/۴۹۔۵۰، المعجم الکبیر: ۲۴/۶۱، مستدرک حاکم: ۴/۲۶۔۲۷ کلھم من طریق ابن اسحاق، طبقات ابن سعد: ۸/۱۱۲ من طریق واقدی، مغازی الواقدی: ۱/۴۱۱، السیرۃ النبویہ: ۳/۲۹۴)

اسی سلسلہ میں امام بیہقی نے ایک روایت خود سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضور ﷺ کی آمد سے تین رات قبل خواب میں دیکھا کہ چاند یثرب سے چلا آ رہا ہے اور وہ میری آغوش میں آ کر گرا۔ میں نے یہ بات لوگوں کو بتانا پسند نہ کی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ جب ہم قیدی ہوئے تو میں نے اپنے اس خواب کی تعبیر کی امید لگائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے آزاد کر کے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل فرما لیا۔ (دلائل النبوۃ: ۴/۵۰، مستدرک حاکم: ۴/۲۷، مغازی الواقدی: ۱/۴۱۱)

طبرانی میں ابن شہاب الزہری سے روایت ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سرکار دوعالم ﷺ کی ملک میں تھیں۔ آپ نے انھیں آزاد فرمایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور بنو المصطلق کے جتنے قیدی تھے ان سب کو رہا فرما دیا۔

(المعجم الکبیر: ۲۴/۵۹، مجمع الزوائد: ۴/۲۸۲، ۹/۲۵۰، رواہ الطبرانی مرسلا و رجالہ رجال الصحیح، المصنف عبدالرزاق: ۷/۲۷۱، طبقات ابن سعد: ۸/۱۱۸)

Marfat.com

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے۔
(شرح معانی الآثار:۳/۲۰)

وفات:

صحیح روایت کے مطابق سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ربیع الاول ۵۰ھ میں ہوا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ۵۶ھ میں آپ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ وہ اس وقت گورنر مدینہ تھے۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت سن مبارک ۶۵ سال تھا اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۷۰ سال۔
(عیون الاثر:۲/۳۹۹، تاریخ خلیفہ بن خیاط:۲۲۴، طبقات ابن سعد:۸/۱۲۰ تہذیب النووی:۲/۳۳۶ السیرۃ النبویہ لابن ہشام:۳/۲۸۹)

جب سیدہ رضی اللہ عنہا حضور کی زوجیت میں آئیں اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی اور انتقال کے وقت ۶۵ سال۔ (زرقانی:۳/۲۵۳، الاصابہ۴/۲۶۵ ترجمہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا)

فضائل ومناقب:

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم ﷺ سے چند احادیث روایت کی ہیں۔ ان سے جن حضرات نے حدیث سنی ہے، ان کے نام یہ ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبید بن السباق طفیل، ابو ایوب المراغی، مجاہد، کریب، کلثوم بن المصطلق، عبداللہ بن شداد بن الھار۔

سیدہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی۔ ایک روز صبح کو دعا کر رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ جب آپ ﷺ دوپہر کے قریب آئے تو اس وقت بھی آپ ﷺ کو اسی حالت میں پایا۔ (ترمذی:۵۹۰)

ایک جمعہ کو سرکار دو عالم ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں۔ چونکہ آپ ﷺ ایک روزہ رکھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ نے سیدہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کل بھی روزہ سے تھیں۔ بولیں: ''نہیں'' فرمایا: ''کل روزہ سے رہوگی۔'' جواب دیا۔ ''نہیں'' فرمایا تو پھر تم کو

Marfat.com

افطار کر لینا چاہیے۔ (بخاری:۱/۲۶۶)

ایک روایت میں جس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے، سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ صبح کا وقت تھا۔ میں تسبیح میں مشغول تھی۔ پھر آپ ﷺ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ میں اس وقت بھی تسبیح میں مصروف تھی۔ مجھے اس طرح دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''تو ابھی تک بیٹھی ہوئی ہے؟'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''ہاں'' فرمایا۔ میں تجھے کچھ کلمات ایسے نہ سکھا دوں جو وزن میں اس تمام تسبیح کے برابر ہوں جو تو ابھی پڑھ چکی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان الله عدد خلقه (تین مرتبہ)

سبحان الله زينة عرشه (تین مرتبہ)

سبحان الله رضا نفسه (تین مرتبہ)

سبحان الله مداد كلماته (تین مرتبہ)

(مسلم حدیث:۲۷۲۶، مسند احمد:۶/۳۲۴۔۳۲۵ زرقانی:۳/۲۵۵)

سرکار دو عالم ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور پوچھا: کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کی میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اور کچھ نہیں۔ ارشاد فرمایا۔ وہی لے آؤ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہنچ گیا۔

(مسلم:۱/۴۰۰)

Marfat.com

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان

نام ونسب:

نام رملہ، کنیت حبیبہ۔ نسب کا سلسلہ حسب ذیل ہے:
رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف الاموبہ والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ۔ صفیہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

(سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۱۹)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام اکثر مورخین اور اصحاب سیر کے نزدیک رملہ تھا لیکن بعض نے ہند لکھا ہے۔

(مستدرک: ۴/۲۰، انساب الاشراف: ۱/۴۳۸، جوامع السیرۃ وقال النووی فی تہذیبہ: ۲/۳۵۹، اسمھا رملہ وقیل ہند والصحیح المشہور رملہ وبہ قال الکثیرون)

سیدہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال قبل پیدا ہوئیں۔ (الاصابہ: ۸/۸۴)

حریمِ نبوت میں داخلہ:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابتداء ہی سے مسلمان ہوئیں اور حبشہ کی طرف اپنے خاوند عبید اللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کی۔ یہ عبید اللہ بن جحش حرب بن امیہ کے حلیف تھے اور سیدہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ان سے ہوا تھا۔ یہ عبید اللہ بن جحش عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے جو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ عبید اللہ بن جحش بھی مسلمان ہوئے۔ اپنی بیوی کے ساتھ دوسری ہجرت حبشہ

Marfat.com

بھی کی لیکن پھر حبشہ ہی میں ان کے ہاں ایک لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی جس کے نام پر سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رکھی اور پھر اصل نام کے بجائے اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔

مسلمانوں پر جب مکہ کی زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ کر دی گئی تو سنہ ۵ نبوی کو سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدایت فرمائی کہ:

''تم اللہ تعالیٰ کی زمین میں کہیں چلے جاؤ۔ دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم کہاں چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے حبشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اس طرف۔''

جونہی لسان نبوت سے یہ الفاظ نکلے تو گیارہ مردوں اور پانچ عورتوں پر مشتمل ایک قافلہ رات کی تاریکی میں چھپ کر روانہ ہوا جس میں بعض حضرات سوار تھے اور بعض پیادہ پا۔ حسن اتفاق سے جب بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی کشتیاں حبشہ جانے کے لیے تیار تھیں۔ انھوں نے پانچ درہم لے کر سب کو سوار کر لیا۔ مشرکین مکہ کو جب ان حضرات کے جانے کی خبر ہوئی تو انھوں نے ان کے تعاقب میں آدمی دوڑائے، لیکن ان لوگوں کے بندرگاہ پر پہنچنے سے قبل حبشہ جانے والی کشتیاں روانہ ہو چکی تھیں۔ (فتح الباری: ۷/ ۱۸۸، عیون الاثر: ۱/ ۲۱۰)

ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لسان نبوت سے سنا:

''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔ ان مظلوموں نے پوچھا کہاں جائیں؟ تو آپ ﷺ نے حبشہ کے ملک کی طرف اشارہ فرمایا۔'' (زرقانی: ۱/ ۲۷۰، سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۲۲، عیون الاثر: ۱/ ۲۰۹)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''ھی ارض صدق'' وہ راستی کی سرزمین ہے، وہاں کا بادشاہ ایسا ہے جس کی قلمرو میں کوئی کسی پر ظلم وستم نہیں کر سکتا۔ حبشہ بھی شام کی طرح قریش کی تجارت گاہ تھا۔ جب قریش تجارت کی غرض سے وہاں جاتے تو اس جگہ خوراک، امن وسکون اور اطمینان پاتے اور تجارت میں خوب فائدہ حاصل کرتے۔

یہ گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں رات کی تاریکی میں پیدل اور سوار چھپتے چھپاتے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے اور اس کو حسن اتفاق کہیے کہ جب یہ مہاجرین یکے بعد

Marfat.com

دیگرے شعیبیہ کی بندرگاہ پر پہنچے تو اس وقت دو تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ چونکہ جہاز مال سے لدے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے جہاز والوں نے بہت سستے کرایہ پر یعنی پانچ درہم میں ان تمام لوگوں کو سوار کر لیا۔ ان نفوس قدسیہ کی روانگی کے بعد ایک عورت مکہ مکرمہ گئی جس نے یہ بیان کیا کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شعیبیہ کی بندرگاہ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ جب قریش کو ان لوگوں کی حبشہ کی طرف ہجرت کا علم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائے اور زخمی سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگے۔ چنانچہ انھوں نے فوری طور پر چند آدمی تعاقب میں دوڑائے لیکن ان کے بندرگاہ پر پہنچنے سے قبل جہاز انھیں اپنے دامن عافیت میں لے کر سمندر پار حبشہ روانہ ہو چکے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۵/۳۸۴)

یہ حضرات رجب سے لے کر ماہِ شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ اور قریش کے ظلم و ستم کے بادل چھٹ چکے تھے اور یہ نہایت امن وسکون کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارنے لگے۔ لیکن ماہِ شوال میں انھیں یہ اچانک خبر ملی کہ اہل مکہ سارے کے سارے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی و مسرت کے جذبات کے ساتھ یہ مکہ مکرمہ واپس آ گئے، لیکن مکہ پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ یہ خبر یک قلم غلط تھی۔ اب یہ لوگ نہایت کشمکش میں مبتلا تھے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ درپیش تھا، لہٰذا چھپتے چھپاتے اور مختلف لوگوں کی پناہ لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اب مشرکین مکہ کے ظلم و ستم میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس وجہ سے سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت فرما دی۔ چنانچہ اس مرتبہ ۸۶ مرد اور ۱۷ عورتیں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئیں جن میں سے ایک مہاجر سیدنا عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے جو سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے داماد تھے اور ان کی صاحب زادی سیدہ ام حبیبہ کے شوہر نامدار۔ ان کے بارے میں ہماری تاریخ کے اوراق بڑی غلط خبر دیتے ہیں جو کہ نہایت قابل افسوس بھی ہے اور جو لوگ اس کو آج تک بغیر تحقیق کے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں، ان پر اور زیادہ افسوس ہے۔ ان پر افسوس اس بات کا ہے کہ انھوں نے بغیر راویوں کی تحقیق کے ایک مسلمان صحابی کو کافر اور عیسائی بنا دیا جب کہ اس صحابی رسول ﷺ نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر حبشہ کی طرف ہجرت کی اور یہ السابقون

Marfat.com

الاولــــون میں سے تھے جن کے دلوں کا اللہ نے امتحان لے لیا تھا۔ پھر جب بت پرستی میں چھٹکارا حاصل کر کے اسلام کی توحید کو قبول کیا تھا اور اس توحید کی خاطر قریش مکہ کے ظلم وستم کو بھی برداشت کیا لیکن جب اسلام کے دامن میں امن وسکون حاصل کرنے کا وقت آیا تو وہ اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہو گئے۔ یہ بات ہر صاحب عقل ودانش اور ارباب ذوق کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ان عبیداللہ بن جحش کے عیسائی ہونے کو جن لوگوں نے نقل کیا ہے، وہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ اتنی اہم بات کے بارے میں ان پر اعتماد کیا جائے [1]

① ابن ہشام نے محمد بن اسحاق، محمد بن جعفر بن زبیر عروہ سے نقل کر کے لکھا ہے:

كان عبيدالله بن جحش حين تنصر يمر باصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وهم هنالك من ارض الحبشة فيقول ففتحنا وصأصاتم۔ (ابن ہشام: ۱/۲۲۳)

''عبیداللہ بن جحش نصرانی ہو گئے اور حبشہ میں ان کا گزر جب اصحاب رسول ﷺ کی مجلس کے قریب ہوتا تو وہ انھیں کہتے کہ ہماری آنکھیں تو کھل گئیں لیکن تم ابھی تک بے بصیرت ہو۔''

یہ روایت جس پر اعتماد کر کے ایک مسلمان کو عیسائی بنایا جا رہا ہے، منقطع ہے۔ عروہ کی پیدائش سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اوائل میں ہوئی۔ (تقریب التہذیب: ص ۲۳۸) انھوں نے یہ روایت کن لوگوں سے سنی ان کے وہ نام بتاتے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ، صادق تھے یا کاذب۔ ایسی منقطع روایت کی بنا پر السابقون الاولون میں سے کسی شخص کو نصرانی اور مرتد ثابت کرنا کتنے تعجب کی بات ہے۔ لیکن ایک شخص نے یہ روایت لکھ دی، بعد میں آنے والوں نے بے سوچے سمجھے اپنی کتابوں میں اس کو نقل کر دیا اور ایک صحابی رسول رضی اللہ عنہ کو مرتد ثابت کرنے میں عروہ کا ساتھ دیا۔

اسی عروہ کی منقطع روایت کی سند سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ لکھ دیا:

عبيدالله بن جحش مات بارض الحبشة نصرانياً ومعه امراته ام حبيبة۔

(دلائل النبوۃ: ۳/۴۶۰)

---

[1] حتیٰ کہ میں خود بھی ان روایات پر اعتماد کرتے ہوئے سیدنا عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی کچھ لکھتا رہا کہ وہ حبشہ میں جا کر عیسائی ہو گئے۔ جب کہ اب میں نے اس موقف سے رجوع کر لیا ہے۔

Marfat.com

''عبیداللہ بن جحش حبشہ میں نصرانی ہو کر مرے۔ان کی اہلیہ ام حبیبہ ؓ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔''

اس روایت کی سند میں ابن لہیعہ بھی ہیں جو کتابیں جل جانے کے بعد اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

(۲) طبقات ابن سعد میں محمد بن عمر واقد اسلمی کے حوالے سے لکھا ہے:

''ام حبیبہ ؓ اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر گئیں جہاں ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش نصرانی ہو گئے اور وہ اسی حالت میں راہی عدم ہوئے۔''

(الطبقات الکبریٰ:۱/۲۰۸،۲۰۹،۳/۸۹)

اس روایت کا مرکزی راوی واقدی ہے جو متروک الحدیث ہے۔

(تاریخ کبیر، بخاری:۱/۱۷۸،الضعفاء والمتروکین نسائی، ترجمہ:۳۳۴)

واقدی کے بارے میں اور محدثین کے علاوہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کان یقلبھا یعنی أحادیث۔ (العلل ومعرفۃ الرجال:۳/۲۶۴)

وہ احادیث میں ہیر پھیر کیا کرتا تھا۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واقدی کے بارے میں فرماتے ہیں:

کتب واقدی کلھا کذب واقدی نے اکثر جھوٹ لکھے ہیں۔

(الجرح والتعدیل:۸/۲۱، سیر اعلام النبلاء:۹/۴۶۲)

امام اسحاق ابن راہویہ نے لکھا ہے کہ وہ میرے واضعین حدیث میں شمار ہوتا ہے۔

(الجرح والتعدیل:۸/۲۱، سیر اعلام النبلاء:۹/۴۶۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جو فن رجال کے امام ہیں، فرماتے ہیں کہ

''واقدی کا ضعیف ہونا طے شدہ بات ہے۔غزوات اور تاریخ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ہم کسی استدلال کے بغیر اس کے نقل کردہ آثار نقل کرتے ہیں۔احکام کے سلسلہ میں اس کی روایات کو بیان کرنا مناسب نہیں۔'' (سیر اعلام النبلاء:۹/۴۶۹)

اسی طرح الطبقات الکبریٰ:۸/۹۷ اور المستدرک حاکم:۲/۲۰ پر بھی ان کے نصرانی ہونے کی روایات نقل کی گئی ہے۔تلخیص المستدرک کی روایت کے بارے میں تو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

نے سکوت اختیار کیا ہے لیکن اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں انھوں نے صاف طور پر لکھ دیا۔

ھی منکرۃ۔ (سیر اعلام النبلاء:۲/۲۳۱)

''یہ ایک منکر کہانی ہے۔''

ابن سیدالناس نے بھی بغیر کسی سند کے لکھ دیا کہ عبیداللہ بن جحش حبشہ جا کر نصرانی ہو گئے اور نصرانیت ہی پر وفات پائی۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتابوں میں ان کے نصرانی ہونے کی روایت نقل کی ہے لیکن سند کوئی نقل نہیں کی۔ سند اگر کوئی ہے تو اس کے راوی یا تو عروہ ہیں جو سنہ ۲۳ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور انھوں نے یہ بات کسی سے سنی یا اور پھر ان روایات میں اس کا ذکر ہے جن میں واقدی صاحب بھی ایک راوی ہیں اور واقدی کے بارے میں علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لکھا ہے کہ ''واقدی کو محدثین نے علانیہ کذاب کہا ہے۔'' (سیرۃ النبی:۱/۲۷)

واقدی کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا تھا اور ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگوں اور دلچسپ تفصیلات وہ بیان کرتا ہے، آج کوئی بڑے سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات کو بھی اس طرح قلم بند نہیں کر سکتا۔

(سیرۃ النبی:۱/۴۳)

یہ تو واقدی کی روایات ہیں کہ اس نے ایک ''السابقون الاولون'' کا درجہ رکھنے والے صحابی کو نصرانی اور مرتد بنا دیا۔ لیکن محدثین کرام رحمہم اللہ نے عبداللہ بن مبارک عن معمر عن زہری عن عروہ عن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہا کی سند کے ساتھ جو روایت نقل کی ہے اس میں عبیداللہ بن جحش کی وفات کا تو ذکر ہے لیکن ان کے مرتد اور نصرانی ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ کم از کم میری عقل تو اس واقعہ کو تسلیم کرنے سے ابا کرتی ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ توحید کی مے نوش جان کر لی ہو اس کے نشہ کو دنیا کی کوئی ترشی اتار سکے۔ اگر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ، سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات قریش مکہ کے ظلم و ستم کی چکی میں پس کر اسلام کے دامن کو نہیں چھوڑ سکتے تو عبیداللہ بن جحش جیسا شخص نصرانی کیسے ہو سکتا ہے؟ محدثین نے روایت نقل کی ہے کہ:

انھا کانت عند عبیداللہ بن جحش، وکان رحل الی النجاشی، فمات وأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج ام حبیبہ وھی بارض الحبشۃ، زوجھا الیہ

Marfat.com

النجاشي، ومهرها اربعة الاف درهم، وبعث بها مع شرحبيل بن حسنةؓ۔

"سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا عبیداللہ بن جحش کے حبالۂ عقد میں تھیں، انھوں نے حبشہ کی ہجرت کی اور وہاں وفات پا گئے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا حبشہ ہی میں تھیں کہ ان کا نکاح نجاشی نے رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔ ان کا مہر چار ہزار درہم نجاشی ہی نے ادا کیا۔ پھر انھیں سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں مدینہ منورہ بھیج دیا۔"

(سنن ابی داؤد، رقم:۲۰۸۶، ۲۱۰۷، ۲۱۰۸، نسائی، رقم: ۳۳۵۰، دلائل النبوۃ بیہقی: ۳/۴۶۰)

نسائی اور ابوداؤد کی روایت کو غور سے پڑھیے۔ اس میں صرف ان کی وفات کا ذکر ہے کہیں ان کے نصرانی ہونے کا تذکرہ نہیں۔ اب اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں واقدی جیسے کذاب اور جعلی روایات وضع کرنے والے کے بیان پر اعتماد کر کے ایک السابقون الاولون کے صحابی نصرانی اور مرتد ثابت کرنا کون سی دانش مندی کی بات ہے؟

علاوہ ازیں ہماری اس بات کی تائید بخاری کی ایک روایت بھی کرتی ہے۔ وہ یہ کہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے سنہ ۶ ھ میں شاہان عجم کے نام خط لکھے تو قیصر روم کی طرف سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا خط لے کر گئے۔ قیصر نے خط پڑھ کر عربوں کے ایک وفد کو جو تجارت کے سلسلہ میں شام گیا ہوا تھا، اپنے دربار میں بلایا۔ اس وفد کی قیادت سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، جو اس وقت ابھی دولت ایمان سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ قیصر نے ان سے سرکار دو عالم ﷺ کے بارے میں کئی سوالات کیے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا:

هل يرتد احد منهم سخطة لدينه بعد ان يدخل فيه؟ قلت لا

"جو لوگ اس نبی کے دین میں داخل ہو گئے ہیں کیا ان میں سے کوئی اس وجہ سے مرتد ہوا ہے کہ دین اسلام اسے برا لگا ہو؟ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں۔"

اگر عبیداللہ بن جحش مرتد ہوئے ہوتے تو یہ تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے داماد تھے، وہ صاف طور پر کہہ سکتے تھے کہ ہاں خود میرا اپنا داماد اس دین کو چھوڑ کر نصرانی ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ عبیداللہ بن جحش مرتد اور نصرانی نہیں ہوئے تھے، اس وجہ سے انھوں نے "لا" یعنی نہیں میں جواب دیا۔ اب اس سے اندازہ لگائیے کہ واقدی اور اس قسم کے کذاب راویوں نے ہمارے

Marfat.com

دین میں کیا کیا رخنہ اندازی کی ہوئی ہے۔

کچھ یہی معاملہ سیدنا ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں کتابوں میں ہے:

ثعلبه بن حاطب صحابي بدري

(معجم کبیر: ۲/ ۸۷، جمہرۃ النساب العرب: ص ۳۳۴، اسد الغابہ: ۱/ ۳۰۵، الاصابہ: ۱/ ۱۹۸)

ان بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ ان کے بارے میں فرمایا:

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم۔

(بخاری، رقم: ۳۰۰۷، ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹، مسلم، رقم: ۲۴۹۴)

''جو چاہو عمل کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''

لیکن اس بدری صحابی کو ہمارے بعض حضرات نے منافق بنا دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ایک آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے، سورۃ التوبہ کی آیات رقم ۷۵۔۷۷ نازل ہوئیں:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ (التوبہ: ۹: ۷۵ تا ۷۷)

''اور ان (منافقین) میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنی مہربانی سے ہم کو (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے، لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کر کے (اپنے عہد سے) پھر گئے، تو اللہ نے ان کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک جس میں وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے، ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا، اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

Marfat.com

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے خوب مال عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ تھوڑا مال جس کا شکرادا کیا جائے اس کثیر مال سے بہتر ہے جسے انسان برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے دوبارہ عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل ہو جائے؟'' اگر میں چاہتا تو پہاڑ سونے میں تبدیل ہو کر میرے ساتھ چلتے۔ ثعلبہ نے عرض کیا: ''بخدا! اگر آپ اللہ سے دعا فرمائیں، پھر وہ مجھے رزق عطا فرمائے تو میں حق دار کو حق پورے کا پورا ادا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی تو انھوں نے ایک بکری خریدی۔ اس بکری نے لاتعداد بچے دیئے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کی سرزمین ان کی بکریوں کے لیے ناکافی ہوگئی۔ اب انھوں نے مدینہ منورہ چھوڑ دیا اور اپنی ایک الگ کالونی بنالی، اور صرف ظہر اور عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے۔ باقی نمازیں ترک کر دیں۔ پھر جب آیت ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (توبہ: ۹ : ۱۰۳) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو افراد صدقہ کی وصول یابی کے لیے بھیجے اور انھیں حکم دیا کہ ثعلبہ اور بنوسلیم کے فلاں فلاں شخص کے پاس جانا۔ انھیں میرا پیغام سنانا اور ان سے صدقہ حاصل کرنا۔ جب وہ محصل ثعلبہ کے پاس گیا تو ثعلبہ کہنے لگے کہ یہ تو جزیہ ہو گیا جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے۔ اس پر سورۃ توبہ کی آیات ۷۵ تا ۷۷ نازل ہوئیں۔

یہ واقعہ قریباً ہر اردو اور عربی کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے۔ بعض میں سند کے ساتھ اور بعض میں بغیر سند کے۔ لیکن سند کے قریباً تمام راوی مجروح ہیں۔ ان مجروح راویوں پر اعتماد کر کے ہمارے مفسرین کرام نے ایک بدری صحابی کو منافق بنا دیا ہے۔ (العیاذ باللہ) جب کہ ان کے بارے میں امام قرطبی فرماتے ہیں:

وثعلبة بدري انصاري و ممن شهد الله له ورسوله بالايمان، فماروى عنه غير صحيح۔ (تفسیر القرطبی: ۸/۱۹۱)

''سیدنا ثعلبہ بدری انصاری صحابی ہیں جن کے ایمان کی گواہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پس جو کچھ اس کے بارے میں کہا گیا صحیح نہیں ہے۔''

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

Marfat.com

وقول من قال فی ثعلبة رضی الله عنه أنه مانع الزکوٰة الذی نزلت فیه الآیة غیر صحیح۔ (الدرر فی اختصار المغازی والسیر :ص ۸۱)

''جولوگ یہ کہتے ہیں کہ ثعلبہ مانع زکوٰۃ تھے، ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے اور نہ ہی یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے:

لااظن یصح۔ (الاصابہ:۱/۱۹۸)

''میرا گمان نہیں کہ یہ روایت صحیح ہو۔''

یہ تو صرف دو جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہم نے لکھا وگرنہ ان کذاب راویوں نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیتوں کو مجروح کیا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

ابن حبان نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن جحش نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ جب وہ سرزمین حبشہ میں پہنچے تو عبداللہ بن جحش بیمار ہوگیا۔ جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے لیے وصیت کی۔ پس آپ ﷺ نے اس وصیت کے پیش نظر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا اور نجاشی نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں حبشہ سے مدینہ طیبہ روانہ کردیا۔

(ابن حبان حدیث:۲۱۲۸۳من موارد الظمان وفیہ،عبیداللہ)

اس روایت میں دو اشکال ہیں۔

① ایک تو نام کا، وہ یہ کہ اس روایت میں نام عبداللہ منقول ہے حالانکہ صحیح نام عبید اللہ ہے۔ معلوم نہیں ابن حبان نے عبداللہ کہاں سے نقل کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ راوی کی غلطی ہے، اصل نام عبید اللہ ہے، عبداللہ بن جحش نے بھی حبشہ کی پہلی ہجرت کی تھی لیکن سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے نہیں بلکہ عبید اللہ (تصغیر) کے ساتھ ہوا اور اسی کے بارے میں کہا گیا کہ وہ عیسائی ہوگیا۔

② دوسری بات یہ ہے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اسلام پر قائم رہے تھے اور جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ! لہٰذا ابن حبان کی روایت میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش غلط لکھا گیا ہے۔ صحیح عبید اللہ بن جحش

Marfat.com

ہے۔ اور انھوں نے ہی انتقال کے وقت رسول اللہ ﷺ کے لیے وصیت کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے جو پیامِ نکاح سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا تھا وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تھا کیونکہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی اور ان کے والد عفان کی سگی بہن تھی اور یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ (المعجم الکبیر: ۲۳، ۲۱۹، مجمع الزوائد ۹/ ۲۵۰ واسنادہ حسن)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو۔ نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ اس مضمون کا یعنی پیام نکاح آیا ہے۔ اگر تمھیں منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنالو۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے اس پیام کو منظور کرلیا اور خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا اور اس بشارت اور خوش خبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلّے جو سب نقرئی تھے، ابرہہ باندی کو دے دیے۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر کے خود خطبہ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ تھا:

الحمد لله الملك القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار، اشهدان لا اله الاالله وان محمدا عبده و رسوله وانه الذى بشر به عيسى بن مريم صلى الله عليهما وسلم

اما بعد فان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى ان ازوجه ام حبيبة بنت ابى سفيان فاجبت الى مادعا اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد اصدقتها اربع مائة دينار O

''حمد و ستائش ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور عزیز و جبار کی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جن کی بشارت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی اما بعد! اس کے بعد یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خط بھیجا ہے کہ میں اُن کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی

Marfat.com

سفیان رضی اللہ عنہ سے کر دوں۔ میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ ﷺ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔"

اور اسی وقت چار سو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالہ کر دیئے گئے۔ اس کے بعد خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا:

"میں اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے اور اس کے رسول برحق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

امابعد! میں نے سرکار دو عالم ﷺ کے پیام کو قبول کیا اور آپ سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

اس طرح سے یہ نکاح انجام پذیر ہوا۔ نکاح کے بعد لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا، ابھی بیٹھیے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہیے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت ولیمہ سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے۔ مہر کی رقم جب سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی تو ابرہہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے۔ ابرہہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہہ کر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں اور یقین کیجیے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لیے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرہہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ لے کر آپ کے پاس آئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرہہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا اور یہ بھی عرض کرنا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرہہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا۔ چنانچہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچی تو یہ تمام حالات و واقعات آپ سے بیان کیے۔ آپ انھیں سن

Marfat.com

کر مسکراتے رہے۔ آخر میں جب میں نے ابرہہ کا سلام پہنچایا تو جواب میں آپ نے فرمایا علیہا السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ (صفۃ الصفوۃ ابن الجوزی: ۲/۲۲، زرقانی: ۳/۲۴۳)

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نجاشی نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی طرف سے انھیں جہیز بھی دیا اور یہ نکاح ۷ھ میں ہوا۔ بعض نے ۶ھ لکھا ہے۔

بعض روایات میں مہر کی رقم دو سو دینار مرقوم ہے اور بعض میں چار ہزار درہم لیکن صحیح چار سو دینار ہے۔

(نکاح کے بعد سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جہاز میں روانہ ہوئیں اور مدینہ کے قریب اتریں۔ سرکار دو عالم ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶۔۳۷ سال تھی اور یہ سن ۷ ہجری کا اور بقول بعض ۶ ہجری کا واقعہ ہے۔ (مسند احمد: ۶/۴۲۷)

(ذکر البیہقی فی الدلائل: ۳/۳۶۲ عن ابن مندہ ان النجاشی زوجہ ایاھا سنۃ ست وھو نفس ما قالہ ابو عبیدہ ونقلہ عنہ النووی فی تہذیبہ: ۲/۳۵۹)

اس سلسلہ میں ایک روایت صحیح مسلم میں منقول ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھتے اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ آپ میری بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمالیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے تک سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں نہیں آئی تھیں، لیکن یہ راوی کا وہم ہے۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس سے بہت پہلے حریم نبوت میں داخل ہو چکی تھیں اس میں ابوسفیان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ ابن سعد، علامہ ابن حزم، ابن الجوزی، ابن اثیر، بیہقی اور امام منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں اور سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

علاوہ ازیں جمہور کے قول کے مطابق سیدہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حبشہ میں ہوا یا دوسری روایت کے مطابق مدینہ طیبہ آنے پر ہوا۔ ان دونوں صورتوں میں ان کے باپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل یہ سرکار دو عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آچکی تھیں۔ تو مسلم کی یہ حدیث

Marfat.com

کیسے کہتی ہے کہ میں اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ اسی وجہ سے ابن حزم نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(کماذکرذالک النووی فی شرحہ علی المسلم :۱۶/۶۳ وابن القیم فی جلاء الافہام :۱۸۷ وابن کثیر فی الفصول :۲۴۸ ولم یقلہ ھذا احد قبلہ ولا بعدہ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ ان چیزوں کا رد کر کے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن وہ تاویلیں بھی دل کو نہیں لگتیں۔

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ بعض راویوں کا وہم ہے۔

علامہ ابن القیم نے ان سب اقوال کو ذکر کر کے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں تخلیط واقع ہوئی ہے۔

(جلاء الافہام فی فضل الصلوۃ والسلام علی خیر الانام :۱۸۶۔۱۹۵)

ابن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں معصب بن عبداللہ الزبیری سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اس زمانہ میں ابوسفیان مشرک تھے اور سرکار دو عالم ﷺ سے برسرپیکار تھے۔ ان سے کہا گیا کہ محمد ﷺ نے آپ کی بیٹی سے نکاح کر لیا ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا:

فذاك الفحل، لايقدع انفه

جواں مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی یعنی وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

(ابن سعد :۸/۹۹، الاستیعاب :۴/۱۸۴۴)

وفات:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ ہجری میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کے بھائی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا۔

(الاستیعاب :۴/۱۸۴۵ صفۃ الصفوۃ :۲/۴۶، اسد الغابہ :۷/۱۱۶، ۳۱۶)

ابن حبان کا قول ہے کہ ۴۲ھ میں سیدہ نے انتقال فرمایا۔ (الاصابہ :۷/۶۵۴) لیکن

Marfat.com

زیادہ صحیح اور اثبت ۴۴ھ ہے۔ بلاذری نے یہی لکھا ہے۔
(انساب الاشراف: ۱/۴۴۰، عیون الاثر: ۲/۴۰۱)

ابن عساکر کی بعض روایات میں ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کو ملنے دمشق گئیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا اور ان کی قبر دمشق میں ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا انتقال مدینہ میں ہوا اور وہیں ان کی قبر ہے۔ وفات کے وقت ۷۳ برس کا سن ہے۔ قبر کے متعلق یہ آتا ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی۔ چنانچہ سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا جس میں لکھا تھا: ''یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے۔'' چنانچہ میں نے اس کو اسی جگہ رکھ دیا۔ (الاستیعاب: ۲/۷۵۰)

عبید اللہ بن جحش سے دو اولادیں ہوئیں۔ ایک عبد اللہ اور دوسری حبیبہ۔ حبیبہ نے آغوشِ رسالت میں تربیت پائی اور عروہ بن مسعود ثقفی قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم کے بیٹے داؤد سے منسوب ہوئیں۔

فضائل ومناقب:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو سیرت وصورت کی خوبصورتی عطا فرمائی گئی تھی۔ چنانچہ خود ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

عندی احسن العرب واجمله ام حبیبه

''میرے نزدیک عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت ام حبیبہ ہیں۔''

سیدہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی کتابوں میں ۶۵ روایات منقول ہیں۔ ان سے جن لوگوں نے حدیث روایت کی ہے ان کی تعداد بھی کم نہیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

حبیبہ رضی اللہ عنہا (بیٹی) معاویہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے بیٹے اور سیدہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (غلام) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بن ام سلمہ رضی اللہ عنہا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ابو صالح السمان، اور شہر بن حوشب۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے بہت محبت تھی۔ ان کی زندگی کا یہ واقعہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے محبت کا منہ بولتا ثبوت اور ان

Marfat.com

کے جوش ایمانی کا قابل دید منظر ہے کہ جب فتح مکہ سے قبل سیدہ رضی اللہ عنہا کے بابا ابوسفیان (جو کہ ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) تجدید صلح کے لیے مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے اور سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ ابوسفیان مکہ سے مدت صلح کو بڑھانے اور عہد کو مضبوط کرنے کے لیے آرہا ہے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور وہاں بستر پر بیٹھنے لگے تو سیدہ نے فوراً بستر لپیٹ دیا۔ ابو سفیان نے برہم ہو کر پوچھا: بیٹی تو نے بستر کیوں لپیٹ دیا۔ کیا تو نے بستر کو میرے قابل نہ سمجھا یا مجھے بستر کے قابل نہ سمجھا؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ سرکار دو عالم ﷺ کا بستر ہے، اس پر ایک مشرک جو شرک کی نجاست میں ملوث اور آلودہ ہو، نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان نے جھلا کر کہا: ''خدا کی قسم تو میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ شر میں نہیں بلکہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کے نور اور ہدایت کی روشنی میں داخل ہوگئی۔ اور تعجب ہے کہ آپ سردار قریش ہو کر پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

(صفۃ الصفوہ:۲/۴۶، طبقات ابن سعد:۸/۹۹، من طریق الواقدی زرقانی:۲/۲۹۳)

حدیث پر نہایت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی اس کی بہت تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انھوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں۔ تم کو وضو کرنا چاہیے کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شے کو آگ پکا دے اس کے استعمال سے وضو لازم ہوتا ہے۔ (مسند احمد:۳۲۶)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت انھوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ مجھ میں اور تم میں وہ تعلقات تھے جو باہم سوکنوں میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو معاف فرمائے اور تم سے درگزر فرمائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش رکھے۔'' اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی بلا کر کہا۔

(مستدرک حاکم:۴/۲۲، صفۃ الصفوۃ:۲/۴۲، طبقات ابن سعد:۸/۱۰۰)

زیب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئی۔ انھوں نے اپنی لونڈی کے ہاتھ زرد رنگ کی خوشبو اپنے رخساروں پر

Marfat.com

ملی (یہ اس زمانہ میں عورتیں سوگ کا اظہار کرنے کے لیے ملتی تھیں) پھر فرمایا: مجھے تو اس خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا کہ:

''کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مرنے والے کا تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کے لیے چار ماہ دس روز سوگ کرنا چاہیے۔''

(بخاری حدیث: ۱۲۸۰، مسلم حدیث: ۱۴۸۶ جامع الاصول: ۸/۱۴۹)

سیدہ رضی اللہ عنہا فطرتاً نہایت نیک مزاج تھیں۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری بہن سے نکاح فرما لیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمھیں یہ منظور ہے؟'' جواب دیا۔ کیا مضائقہ ہے، میں اور کسی بہن کو بھلائی میں دیکھنے سے مانع نہیں ہونا چاہتی۔''

(بخاری حدیث: ۵۱۰۷، مسلم حدیث: ۱۴۴۹)

یہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طبعی نیکی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات کہہ دی وگرنہ انھیں پتہ تھا کہ ایک نکاح میں دو بہنیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ (القرآن: ۷: ۵۱)

علامہ ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیٹی سے نکاح فرما لیجیے۔ (مسلم حدیث: ۲۵۰۱) وہ اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی میں اپنی عزت و وجاہت دیکھی تو انھوں نے چاہا کہ اپنی دوسری بیٹی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں دے دی جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سہارا ڈھونڈا۔ لیکن یہ تاویل دل کو نہیں لگتی ہے۔ بہرحال سیدہ رضی اللہ عنہا کی نیک مزاجی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

(استعرض ابن کثیر فی کتاب الفصول: ۲۴۸ اقوال العلماء فی تاویل ما وقع فی ھذا الحدیث)

ایک اور حدیث میں ان کی دین سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ فرماتی ہیں کہ ''میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جو شخص دن اور رات میں ۱۲ رکعت نماز نوافل ادا کرے، اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔''

سیدہ فرماتی ہیں میں نے جب سے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ان کو ہمیشہ پڑھا اور کبھی

Marfat.com

ترک نہیں کیا۔ (مسلم حدیث:۶۲۸۷)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں سے یہ بھی شمار ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی:

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ﴾

(الممتحنہ:۶۰:۷)

اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمھاری عداوت ہے، دوستی کر دے۔

ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم ﷺ کا سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔

(طبقات ابن سعد:۸/۹۹، دلائل النبوہ:۳/۴۵۹، الدر المنثور:۸/۱۳۰)

Marfat.com

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی

نام ونسب:

آپ کا نام نام زینب تھا۔ آپ خیبر میں خاص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا ''صفیہ'' کہتے تھے اس لیے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے:

صفیہ بنت حیبن اخطب بن سعید بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن النحام بن ینحوم۔ (عیون الاثر:۲/۴۰۱)

ماں رئیس قریظہ کی بہن تھی اور یہ دونوں خاندان (بنونضیر اور بنوقریظہ) بنو اسرائیل کے ان ممتاز قبائل سے سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

ابن زبالہ نے المنتخب میں کہا ہے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام حبیبہ تھا لیکن بعد میں ان کا نام صفیہ مشہور ہوگیا کیونکہ وہ خیبر کی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی تھیں اور ان کی کنیت ام یحییٰ تھی۔ (فتح الباری عند شرح حدیث:۲۰۳۵)

حریم نبوت میں داخلہ:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا۔ سلام نے طلاق دے دی پھر

Marfat.com

ان کا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ پہلے دونوں خاوندوں سے سیدہ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(عیون الاثر: ۲/۴۰۱)

طبرانی میں زہری سے روایت ہے کہ جنگ خیبر میں صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی اخطب قیدی ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں۔ یہ اس وقت کنانہ ابن الحقیق کی بیوی تھیں۔

(المعجم الکبیر: ۲۴/۶۶)

حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو اس کے مال غنیمت کی تقسیم میں صفیہ رضی اللہ عنہا سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ ان کا خاوند اس جنگ میں قتل ہو چکا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی تعریف کی اور کہا کہ ہم نے قیدیوں میں اس جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ آپ نے دحیہ رضی اللہ عنہ کو دوسری لونڈی عنایت فرما دی اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا اور تین دن ولیمہ کیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔

(مجمع الزوائد: ۹/۲۵۱، ابن ماجہ حدیث: ۱۹۱۵، ترمذی حدیث: ۱۰۹۷، تحفۃ الاشراف: ۳/۱۸۸، تلخیص الحبیر: ۳/۲۲۰)

خیبر سے چل کر آپ مقام صہبا میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے، وہاں پہنچ کر رسم عروسی ادا فرمائی اور یہیں ولیمہ کیا۔ (عیون الاثر: ۲/۴۰۱، زرقانی: ۳/۲۵۵)

سیدہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ عجب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے۔ چنانچہ کوئی کھجور لایا، کوئی پنیر اور کوئی ستو اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح کچھ سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا۔ اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا۔

ابو یعلی نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کو آزاد کر کے نکاح فرمایا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا اور تین روز تک ان کا ولیمہ لوگوں کو کھلایا۔ (مسند ابو یعلی: ۴/۶۲، مجمع الزوائد: ۴/۴۹)

Marfat.com

مقام صہبا میں آپ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پردہ میں رہیں، جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے خود سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے، گویا کہ یہ اعلان تھا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں ام الولد نہیں۔ (زرقانی:۳/ ۲۵۷)

اوپر کی یہ تفصیل ان روایات سے لی گئی ہے۔

بخاری حدیث:۴۲۱۱، حدیث نمبر ۳۷۱، مسلم حدیث ۱۳۶۵، مسند احمد:۳/ ۱۲۳/ ۳۳۳/ ۳۴۶، ابو داؤد حدیث:۲۹۹۵، ۲۹۹۸، نسائی:۶/ ۱۳۱/ ۱۳۴، مسند ابو یعلی:۴/ ۴۵، ۴۶، ۶۲ و ابن حبان کما فی الاحسان:۹/ ۱۷۰۔ ۱۷۱ المعجم الکبیر:۲۴/ ۶۸، ۷۳، ۷۴، ۷۷، مسند ابو یعلی:۶/ ۳۴۳، السنن الکبری:۷/ ۱۲۸۔ ۱۲۹، المطالب العالیہ:۴/ ۱۳۴۔ ۱۳۵، فتح الباری:۹/ ۳۲، طبقات ابن سعد:۸/ ۱۲۴، مسند ابو یعلی:۲/ ۴۶۰)

بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو خود اپنے لیے منتخب فرمایا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ سے انھیں خریدا کیونکہ یہ تقسیم میں ان کے حصہ میں آچکی تھیں۔ ان دونوں روایات میں کوئی معارضہ نہیں ہے۔ آپ نے تقسیم سے قبل دحیہ رضی اللہ عنہ سے انھیں حاصل کیا تھا اور انھیں جو رقم دی تھی وہ قیمت خرید نہیں تھی بلکہ انعام اور ہبہ کے طور پر تھی۔ (روض الانف:۴/ ۶)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو ایک دفعہ آپ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ میں ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا۔ صفیہ رضی اللہ عنہا! یہ کیسی سبزی ہے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے سو رہی تھی کہ میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک تھپڑ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ سرور کائنات ﷺ کی طرف تھا۔

(المعجم الکبیر:۲۴/ ۲۷، مجمع الزوائد:۹/ ۲۵۱ ورجالہ رجال الصحیح واخرجہ ابن حبان من حدیث طویل فی غزوہ خیبر رقم ۱۲۹۷، ابن ہشام:۳/ ۳۳۶، زرقانی:۳/ ۲۵۸، عیون الاثر:۲/ ۴۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب سرور کائنات ﷺ خیبر تشریف لے گئے اور صفیہ رضی اللہ عنہا اس وقت دلہن تھی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ سورج اس کے سینے پر آگرا۔ اس نے یہ خواب اپنے خاوند کو سنایا۔ (ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنے باپ کو سنایا) اس نے

Marfat.com

جھڑک کر کہا: خدا کی قسم! تو اس بادشاہ کی تمنا کرتی ہے جو یہاں آیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو فتح کرلیا اور اس کے خاوند کی گردن ماردی۔

(المعجم الکبیر:۲۴/ ۲۷، مجمع الزوائد:۹/ ۲۵۱، وذکر الحافظ ابن حجر فی الاصابہ:۷/ ۴۰ وابن طولون فی مرشد المختار:۳/ ۲۷عن ابن ابی عاصم)

ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ پہلے سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب اپنے باپ کو سنایا اور پھر اپنے شوہر کو۔

اور سب کتابوں میں تو یہ ہے کہ یہ خواب انھوں نے اپنے خاوند کو سنایا لیکن ابن اثیر نے اسد الغابہ:۷/ ۳۹ میں لکھا ہے کہ اپنی ماں کو سنایا۔ لیکن سیرۃ ابن ہشام:۳/ ۳۳۶ میں اور ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ:۴/ ۱۹۸ میں ابن اسحاق سے یہی نقل کیا ہے کہ خواب اپنے خاوند کو سنایا تھا۔ واللہ اعلم!

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں جب (ایک قیدی کی حیثیت سے) رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہوئی تو آپ ﷺ سے زیادہ کوئی اور ناپسندیدہ انسان میری نگاہ میں نہیں تھا۔ (کیونکہ میرا باپ اور خاوند اور کئی دوسرے رشتہ دار قتل ہو چکے تھے) حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تمھاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (حضور ﷺ کی شخصیت اور اخلاق کا وہ اثر مجھ پر پڑا کہ) جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو آپ ﷺ سے زیادہ اور کوئی محبوب اور پسندیدہ شخص میری نگاہ میں نہیں تھا۔

(سندابویعلی ۶/ ۳۲۴ حدیث ۷۰۸۸، المطالب العالیہ:۲/ ۲۴-۲۵)

ایک اور روایت میں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسن اخلاق کا مجسمہ اور کوئی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ رات کو میرے ساتھ خیبر سے ایک اونٹنی پر سوار ہوئے۔ مجھے اونگھ آرہی تھی، آپ ﷺ مجھے بار بار جگاتے (تاکہ میں اونٹ سے گر نہ جاؤں) آپ ﷺ مجھے فرماتے: اے بنت حیی! تھوڑی دیر انتظار کرو، حتی کہ ہم صہبا میں پہنچ گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے صفیہ رضی اللہ عنہا! جو کچھ میں نے تیری قوم کے ساتھ کیا، مجھے اس کا افسوس ہے لیکن انھوں نے بھی ہمارے ساتھ یہ یہ کیا۔

(مسند ابویعلی حدیث:۷۰۸۳، ۷۰۸۴، مجمع الزوائد:۹/ ۲۵۲)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب خیبر سے مدینہ آئیں تو حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر اتاری

Marfat.com

گئیں۔ ان کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر انصار کی عورتیں دیکھنے کے لیے آئیں اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی نقاب اوڑھ کر آئیں، لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے پہچان لیا۔ جب واپس گئیں تو آپ ﷺ نے پوچھا، اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا دیکھا، جواب دیا ہاں ایک یہودیہ کو دیکھ آئی ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایسا مت کہو وہ اسلام لے آئی ہے اور اس کا اسلام نہایت اچھا اسلام ہے۔ (الاصابہ: ۴/ ۳۴۷، ترجمہ صفیہ)

وفات:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی۔ بعض حضرات کے نزدیک ۵۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی۔

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۲۸، انساب الاشراف: ۱/ ۴۴۴، فتح الباری عند شرحہ لحدیث البخاری رقم: ۲۰۳۵، صفۃ الصفوۃ: ۲/ ۵۲، نووی فی التہذیب: ۲/ ۳۴۹)

ابن خیثمہ کہتے ہیں کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا انتقال سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ ایک لاکھ درہم ترکہ میں چھوڑا جو ایک زمین کی قیمت کا تھا اور ایک تہائی کی اپنے یہودی بھانجے کے لیے وصیت کر گئیں۔

(زرقانی: ۳/ ۲۹۶، طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۲۸ عن الواقدی، عیون الاثر: ۲/ ۴۰۱)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا لیکن چہرے سے حسن و جمال ٹپکتا تھا۔ (مسلم: ۱/ ۵۴۸)

فضائل و مناقب:

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے چند احادیث مروی ہیں جن کو سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرح سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی علم و عرفان کا مرکز تھا۔ چنانچہ جب صہیرہ بنت جیفر حج بیت اللہ کر کے مدینہ طیبہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کے لیے ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ صہیرہ بھی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے آئی تھیں۔ اس لیے انھوں نے کوفہ کی عورتوں سے مختلف سوالات کرائے۔ ایک فتویٰ نبیذ کے متعلق تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: ”اہل

Marfat.com

عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔'' (مسند احمد: ۳/۳۳۷)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں حق تعالیٰ شانہ نے بہت سے محاسن اخلاق جمع کر رکھے۔ چنانچہ ''اسد الغابہ'' میں ہے۔

كانت عاقلة من عقلاء النساء

''وہ نہایت عقل مند تھیں۔'' (عیون الاثر: ۲/۴۰۲)

زرقانی نے نقل کیا ہے کہ:

كانت صفية عاقلة حليمة فاضلة (الاستیعاب: ۴/۱۸۷۱)

''سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا عاقلہ، فاضلہ اور حلیم تھیں۔'' (زرقانی: ۳/۲۹۶)

تحمل اور بردباری بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھی۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب شوہر کی لاش کے قریب سے گزریں لیکن اب بھی وہ اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی تھیں۔ اس طرح کے اور کئی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ تحمل و بردباری ان کی کتاب مناقب کا ایک جلی اور اہم باب تھا۔

ایک مرتبہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور کہا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس تحقیق احوال کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا جب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ کا روز عطا فرمایا ہے میں یوم السبت کو بالکل پسند نہیں کرتی۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں کیوں کہ وہ میرے خویش اور اقارب ہیں اس کے بعد اس لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے عمر رضی اللہ عنہ سے میری شکایت کس کے اکسانے پر کی۔ اس نے کہا شیطان کے اکسانے پر۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہو گئیں اور پھر بولیں: جاؤ تم آزاد ہو۔

(الاستیعاب: ۴/۱۸۷۱، عیون الاثر: ۲/۴۰۲، سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۲۲، الاصابہ: ۷/۷۴۱)

میاں بیوی کی باہمی محبت سے زندگی کی گاڑی اچھے طریقے سے چلتی ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو سرکار دو عالم ﷺ سے نہایت محبت تھی۔ اپنی جان تک آپ ﷺ پر قربان کرنے

Marfat.com

کے لیے تیار تھیں۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوئی تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے نہایت حسرت سے کہا کاش آپ کی بیماری مجھے لگ جاتی۔ یہ کہنا تھا کہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: ''بخدا، صفیہ رضی اللہ عنہا سچ کہہ رہی ہے۔'' (زرقانی: ۳/ ۲۹۶، ابن سعد: ۸/ ۱۲۸)

سرکار دو عالم ﷺ کو بھی آپ ﷺ سے بہت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ساتھ تھیں۔ سوء اتفاق سے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس فالتو اونٹ تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو۔ انھوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ذوالحجہ اور محرم دو ماہ تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو چھوڑے رکھا۔ یہ اس بات کی ناراضگی کی وجہ سے تھا۔

(مسند احمد: ۶/ ۱۳۱، ۱۳۲، ۲۶۱، ۳۳۷، ۳۳۸، ابو داؤد حدیث نمبر ۴۶۰۲ زرقانی: ۳/ ۳۴۷، طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۲۶۔ ۱۲۷، الکاشف الذہبی: ۳/ ۴۷۳، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۵۵، مجمع الزوائد: ۴/ ۳۲۱، الاصابہ: ۸/ ۱۲۶)

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے یعنی اس کو بھی گدلا کر دے۔ (ابوداؤد: ۲/ ۱۹۳)

ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ فرمایا صفیہ رضی اللہ عنہا! کیوں روتی ہو۔ کہا عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا مجھ کو چھیڑتی ہیں اور یہ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو۔ میرے باپ ہارون علیہ السلام ہیں اور موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں۔ (کیف تکن خیر امنی ابی هارون وعمی موسی و زوجی محمد صلوٰۃ الله علیهم)

(زرقانی: ۳/ ۲۵۹، مستدرک حاکم: ۴/ ۲۹، ترمذی حدیث: ۳۸۹۰، اصابہ: ۴/ ۳۴۷، عیون الاثر: ۲/ ۴۰۱)

Marfat.com

اسی مضمون کی ایک اور روایت ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات پہنچی کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انھیں یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس لفظ سے بہت صدمہ پہنچا اور وہ رونے لگیں۔ اتنے میں سرکار دوعالم ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تو تو ایک نبی کی بیٹی ہے اور تیرا چچا بھی نبی ہے اور تو ایک نبی کی بیوی ہے وہ کس بات میں تم پر فخر کرسکتی ہے؟''

پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے حفصہ رضی اللہ عنہا! اللہ سے ڈرتی رہو۔

(ترمذی حدیث:۳۸۹۱، وقال ھذا حدیث حسن صحیح، نسائی فی عشرۃ النساء حدیث نمبر:۳۳، ابن حبان:۹/۱۷۰من الاحسان، مسند احمد:۳/۱۳۵۔۱۳۶)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حج کا سفر تھا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ راستہ میں میرا اونٹ بیٹھ گیا اور میں سب سے پیچھے رہ گئی۔ میں رونے لگی۔ اتنی دیر میں سرکار دوعالم ﷺ تشریف لے آئے اور انھوں نے مجھے روتے دیکھا تو اپنے ہاتھوں اور اپنی رداء مبارک سے میرے آنسو پونچھنے لگے۔ آپ ﷺ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور میں بے اختیار روتی جاتی تھی۔ آپ ﷺ بار بار مجھے رونے سے روکتے، لیکن جب میرا رونا بند نہ ہوا تو پھر آپ ﷺ نے مجھے ذرا سختی سے کہا۔

(زرقانی:۳/۲۹۶، مسند احمد ۶/ ۳۳۷، اسد الغابہ:۷/۱۷۰)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا چونکہ یہود کے سردار کی بیٹی تھیں اور ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھیں۔ ماں کی گود میں آنکھ کھولی ہی تھی کہ چاروں طرف دولت کے انبار تھے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے طبیعت میں فیاضی اور سیر چشمی عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ سعید بن المسیب مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ سیدہ رضی اللہ عنہا جب ام المومنین بن کر مدینہ طیبہ تشریف لائیں تو آپ ﷺ کے کانوں میں سونے کے کچھ زیورات تھے۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیئے اور کچھ دوسری عورتوں میں تقسیم کیے۔

(زرقانی:۳/۲۹۶، الاصابہ:۴/۳۴۷)

Marfat.com

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے امت کے لیے ایک مسئلہ کا پتہ چلا اور قیامت کے لیے ایک وہ امت کی عورتوں کے لیے سند کا کام دینے لگا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دوران حج حیض آ گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہی ہمیں روک رکھے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: وہ طواف الزیارت کر چکی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اب رکنے کی ضرورت نہیں۔

(بخاری باب اذا حاضت المراۃ بعد ماافاضت حدیث نمبر ۱۷۵۷، مسلم حدیث نمبر ۱۲۱۱، ترمذی حدیث ۹۴۳، ابوداؤد حدیث: ۳۰۰۳، نسائی: ۱/۱۹۴، موطا امام مالک: ۱/۴۱۲، مسند احمد: ۶/۳۸)

سرکار دوعالم ﷺ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بڑی تکریم فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جب کہ سرور کائنات ﷺ مسجد میں اعتکاف فرما رہے تھے ان سے ملنے کے لیے گئیں۔ انھوں نے کچھ وقت آپ سے گفتگو کی۔ پھر اٹھ کر گھر آنے لگیں تو آپ ﷺ انھیں گھر تک چھوڑنے کے لیے اٹھے یہاں تک کہ آپ ﷺ انھیں لے کر مسجد کے دروازے تک پہنچے۔ اسی دوران میں انصار کے دو آدمی آپ کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے حضور ﷺ کو سلام کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے انھیں فرمایا۔ ذرا ٹھہرو اور دیکھ لو یہ میری بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی ہے۔ (کہیں کچھ اور نہ سمجھ لینا کہ پیغمبر رات کی تاریکی میں معلوم نہیں کسی عورت کے ساتھ کھڑا ہے) ان دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کیوں ایسا سمجھیں گے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تم دونوں کے دلوں میں کوئی ایسی بات نہ ڈال دے۔ (لہٰذا میں نے دفع دخل مقدر کے طور پر پہلے ہی تم کو واضح کر دیا ہے)۔

(بخاری حدیث: ۲۰۳۵، مسلم حدیث نمبر: ۲۱۷۵، ابوداؤد حدیث: ۲۴۷۰، مسند احمد: ۶/۳۳۷)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ایام محاصرہ میں، جو ۳۵ھ میں ہوا تھا، سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بے حد مدد کی۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں یہاں تک کہ پانی بھی بند کر دیا گیا اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تا کہ باہر سے کوئی اندر نہ جا سکے تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چل دیں۔ غلام کنانہ ساتھ تھا، مالک الاشتر کی نظر پڑی تو اس نے آ کر خچر کے منہ پر مارنا شروع کیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! مجھے ذلیل

Marfat.com

ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے واپس جانے دو، تم خچر کو چھوڑ دو۔ گھر واپس آئیں تو سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین ایک لکڑی رکھ دی جس کے اوپر سے کھانا اور پانی جاتا تھا۔

(اخرجہ ابن سعد برجال ثقات: ۸/ ۱۲۸، حسن الحافظ اسنادہ فی الاصابہ: ۷/ ۷۴۲)

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور گاہے گاہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انھوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آیا ہے اور گزشتہ صفحات میں وہ روایت بیان کر دی گئی ہے۔

Marfat.com

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث

نام ونسب:

نام برہ، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ نام رکھا۔ (میمونہ یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں برکت اور میمون اور میمونہ کے معنی ہیں مبارک۔

(قالہ الامام النووی نے تہذیب: ۲/۳۵۲، عیون الاثر: ۲/۴۰۲، طبقات ابن سعد: ۸/۱۳۷، مستدرک حاکم: ۴/۳۰)

باپ کی طرف سے نسب نامہ حسب ذیل ہے:

میمونہ بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان ...... الہلالیہ۔

ہلال بن عامر پر ان کا نسب بھی سیدہ زینب بنت خزیمہ سے جاملتا ہے اس وجہ سے یہ بھی الہلالیہ ہیں۔ (عیون الاثر: ۲/۴۰۲)

والدہ کی طرف سے نسب نامہ یوں ہے۔

ہند بنت عوف (نووی نے تہذیب: ۲/۳۵۶ میں عمرو لکھا ہے) بن زہیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر۔

اس لحاظ سے والدہ کا تعلق قبیلہ حمیر سے تھا۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی حقیقی خالہ تھیں۔ کیونکہ ان کی بڑی بہن لبابہ الکبریٰ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ جن کی کنیت ام الفضل تھی۔ جو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کی والدہ تھیں اور دوسری بہن لبابہ الصغریٰ جو عصماء بنت الحارث کے نام سے موسوم تھیں، ولید بن مغیرہ المخزومی کی بیوی تھیں اور خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی

Marfat.com

والدہ تھیں۔ سیدہ میمونہ سلام اللہ علیہا کی کئی بہنیں تھیں۔ بعض تو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے تھیں اور بعض صرف ماں کی طرف سے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① ام الفضل لبابہ الکبریٰ: یہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب یعنی رسول اللہ ﷺ کے چچا کی اہلیہ محترمہ تھیں اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرھم کی والدہ تھیں۔

② لبابہ الصغریٰ: یہ ولید بن مغیرہ کی بیوی اور سیدنا خالد بن ولید کی والدہ تھیں۔

③ عصماء بنت الحارث: (بعض حضرات کے نزدیک لبابہ الصغریٰ کا نام ہی عصماء بنت الحارث تھا (ملاحظہ ہو طبقات: ۲۷۹/۸، انساب الاشراف: ۴۴۸/۱) اور بعض کے نزدیک یہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی الگ بہن تھیں) ان کا نکاح ابی بن خلف سے ہوا تھا۔

④ عزہ بنت الحارث: یہ زیاد بن عبداللہ بن مالک الھلالی کی بیوی تھیں۔ یہ سب بہنیں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہنیں تھیں یعنی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے۔

سیدہ کی کچھ بہنیں ماں کی طرف سے تھیں۔

① اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا: ان کا پہلا نکاح سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے ہوا تھا۔ ان سے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے جو بچے پیدا ہوئے ان کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ، محمد رضی اللہ عنہ اور عون رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ جب جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔ ان سے ان کا ایک بیٹا محمد پیدا ہوا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ربیب تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اور ان سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا۔ بلاذری نے ایک اور بچے کی ولادت کا بھی لکھا ہے جس کا نام عون تھا۔ (ملاحظہ ہو انساب الاشراف: ۴۴۸/۱، ابن اثیر: ۱۵/۷)

② سلمٰی رضی اللہ عنہا بنت عمیس: ان کی یہ بہن سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی اہلیہ تھیں اور ان سے ان کی ایک بیٹی امامہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ بعض نے اس لڑکی کا نام امۃ اللہ اور بعض نے عمارہ اور بعض نے فاطمہ بتایا ہے۔

(الاستیعاب: ۱۸۶۱/۴، انساب الاشراف: ۴۴۷/۱، الاصابہ: ۵۰۰/۷، المحبر: ۱۰۷/۶۴، طبقات ابن سعد: ۴۸/۸، ۲۸۵، مغازی الواقدی: ۷۳۸/۲)

Marfat.com

جنگ احد میں سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شداد رضی اللہ عنہ بن اسامہ بن الھاد اللیثی نے ان سے نکاح کیا اور ان سے ان کے دو لڑکے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

(۳) سلامہ بن عمیس: یہ عبداللہ بن کعب بن منبہ الخثعمی کے نکاح میں تھیں۔

(۴) زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا (ام المومنین) ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ بھی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔

(الاستیعاب:۴/۱۸۵۳)

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پوری روئے زمین میں ہند بنت عوف سے زیادہ کوئی عورت اپنے دامادوں کے لحاظ سے بزرگ اور خوش قسمت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے دامادوں میں مندرجہ ذیل شخصیات تھیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ اس کے داماد تھے بلکہ طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق اس کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کے نکاح میں تھیں۔

(۲) سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ بھی اس کے داماد تھے۔

(۳) سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اس کے داماد تھے۔

(۴) سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اس کے داماد تھے۔

(۵) سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اس کے داماد تھے۔

(۶) سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب اور

(۷) شداد رضی اللہ عنہ بن الھاد اس کے داماد تھے۔ (المعارف:۱۳۸)

حریمِ نبوت میں داخلہ:

روایات کے مطابق سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا جاہلیت میں مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے نکاح میں تھیں لیکن کسی وجہ سے دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ (زرقانی:۳/۳۸۸، عیون الاثر:۲/۴۰۲) بعد میں آپ نے ابو رھم بن عبدالعزی بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی سے نکاح کیا۔ ابو رھم نے ۷ھ میں انتقال کیا تو پھر شوال ۷ھ میں سرکار دو عالم ﷺ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ (عیون الاثر:۲/۴۰۲)

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے حرم میں آنے سے قبل آپ ابو رھم

Marfat.com

کے نکاح میں نہ تھیں بلکہ سبرہ بن ابی رھم کے نکاح میں تھیں۔

(فی الاستیعاب:۴/۱۹۱۶انساب الاشراف:۱/۴۴۴، والمعارف:۱۳۷عند ابی سبرۃ وامافی اسد الغابہ:۷/۲۷۲، والاصابہ:۸/۱۲۶)

اگر سبرہ سے مراد ابو سبرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ ابو سبرہ رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں سے ہیں۔ انھوں نے ہجرت حبشہ بھی کی اور تمام جنگوں میں بھی شرکت فرمائی اور خلافت عثمانی میں انتقال فرمایا اور کسی نے انھیں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا خاوند نہیں لکھا اور اس بات پر بھی تمام راویوں کا اتفاق ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

روایات میں آتا ہے کہ ذی قعدہ ۷ھ میں سرور کائنات ﷺ عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تھے، اسی احرام کی حالت میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ (بخاری:۲/۶۱۱) لیکن روایات میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ کا یہ نکاح حالت احرام میں ہوا یا حلال میں یعنی احرام نہ ہونے کی حالت میں ہوا)۔

قتال سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث سے نکاح فرمایا جب انھوں نے مکہ کی جانب روانگی کے لیے (عمرۃ القضاء کے موقع پر) احرام باندھا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کو سرکار دو عالم ﷺ کے حضور نکاح کے لیے پیش کر دیا اور اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر ﷺ کو دے دے یعنی نکاح میں آنا چاہے بشرطیکہ پیغمبر ﷺ اس کو نکاح میں لانا چاہے، یہ سب آپ کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں نہ کہ اور مومنوں کے لیے۔'' (احزاب:۳۳:۵۰)

پھر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ چلی آئیں۔

(الاستیعاب:۴/۱۹۱۷، اسد الغابہ:۷/۲۷۴، الاصابہ:۸/۱۲۷، السیرۃ النبویہ ابن ہشام:۴/۶۴۶)

ابو خیثمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو جب نکاح کا پیغام بھیجا تو انھوں نے اپنا اختیار اور ولایت اپنی بہن ام الفضل رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے یہ اختیار اپنے شوہر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو دیا اور انھوں نے پھر سیدہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔

Marfat.com

ابن خیثمہ ہی سے ایک اور روایت ابو عمر نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح عمرۃ القضاء میں کیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ ﷺ عمرہ کے لیے قریش سے طے شدہ شرائط کے مطابق مکہ مکرمہ میں تین روز ٹھہرے تو تیسرے روز حویطب بن عبدالعزیٰ (جو اس وقت تک دولت ایمان سے مشرف نہیں ہوا تھا) قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ ﷺ کی مدت قیام ختم ہو چکی ہے لہٰذا آپ ﷺ اب مکہ چھوڑ دیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم مجھے تھوڑا سا وقت قیام مکہ کے لیے اور دو تو میں تمہارے سامنے شادی کر لوں اور تمہیں (ولیمے کا) کھانا بھی کھلاؤں اور تم بھی اس شادی میں شریک ہو جاؤ۔ حویطب اور اس کے ساتھیوں نے جواب دیا ہمیں آپ کے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا آپ مکہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ مکہ سے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکل آئے اور مقام سرف پر آپ ﷺ نے سیدہ سے نکاح کیا۔ (السیرۃ النبویہ: ۴/۳۷۲، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۴/۳۳۳)

اس روایت سے یہ پتہ چلا کہ آپ نکاح کے وقت احرام میں نہ تھے بلکہ عمرہ کر کے احرام کھول چکے تھے۔ چنانچہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مقام سرف پر نکاح فرمایا اس وقت ہم دونوں حلال تھے یعنی احرام نہ باندھے ہوئے تھے۔''

(ابوداؤد حدیث: ۱۸۴۳، ترمذی حدیث: ۸۴۵، ابن ماجہ حدیث: ۱۹۶۴، والحدیث عند مسلم ایضاً)

اسی ابو رافع کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اس حالت میں کہ آپ ﷺ بغیر احرام کے تھے یعنی حلال تھے اور میں اس وقت ان دونوں کے مابین سفیر کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔

(ترمذی حدیث: ۸۴۱، تحفۃ الاشراف: ۹/۲۰۰، وعزاہ الی النسائی، التمہید لابن عبدالبر: ۳/۱۵۲)

امام مسلم رضی اللہ عنہ نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا تو آپ اس وقت حلال تھے۔ (مسلم حدیث: ۱/۱۴۱۱)

ان تمام روایات کے برعکس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے محرم ہونے کی حالت میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(بخاری حدیث: ۱۸۳۷، ۴۲۵۹، مسلم حدیث: ۱۴۱۰، ابو داؤد حدیث: ۱۸۴۴، ترمذی حدیث: ۸۴۲، نسائی: ۵/۱۹۱، ابن ماجہ حدیث: ۱۹۶۵، مسند احمد بن حنبل جلد: ۱/۲۴۵، ۲۵۲)

Marfat.com

ان دونوں قسم کی روایات کے مابین تطبیق کی صورت یہ ہے کہ بقول علامہ ابن عبدالبر سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کہ حضور ﷺ نے مجھ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا متواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہے۔ پھر اس روایت کی مزید تائید ابو رافع کی حدیث بھی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابن شہاب الزہری اور جمہور علمائے مدینہ کا مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلال ہونے کی حالت میں یہ نکاح کیا اور سوائے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی سے یہ مروی نہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے محرم ہوتے ہوئے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس لیے ایک فرد واحد کے مقابلہ میں جماعت کی روایت کی طرف دل زیادہ مائل ہوتا ہے کیونکہ ایک شخص غلطی کے زیادہ قریب ہوتا ہے بمقابلہ ایک جماعت کے۔ علاوہ ازیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اکثر احوال ہماری دوسری ذکر کردہ روایات سے متعارض ہیں۔ چنانچہ اس حالت میں سب روایات سے احتجاج ساقط ہو جاتا ہے (اذا تعارضا تساقطا) لہٰذا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں کسی اور دلیل سے احتجاج کیا جائے۔ چنانچہ اس بارے میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محرم کے نکاح سے منع فرمایا اور آپ نے یہ فرمایا کہ ''محرم نہ خود نکاح کرے اور نہ اس کا نکاح کیا جائے۔''

چنانچہ اس غیر معارض روایت کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک امر محال ہے کہ حضور ﷺ ایک کام سے منع فرمائیں اور خود اس کو کریں۔ پھر خلفائے راشدین سید: عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور اکثر اہل مدینہ کا قول بھی یہی ہے۔ (التمہید: ۳/۱۵۲-۱۵۳)

اس بارے میں حافظ ابن القیم نے بھی سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں وہم ہو گیا ہے کیونکہ ان دونوں کے مابین جو سفیر ابو رافع تھا وہ اس بات کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ علاوہ ازیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی عمر بھی اس وقت دس سال کے قریب تھی اور وہ اس واقعہ میں موجود بھی نہ تھے بلکہ غائب تھے۔'' (زاد المعاد: ۱/۱۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (نمبر حدیث ۵۱۱۴) کی

Marfat.com

شرح بیان کرتے ہوئے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خصائص نبوت پر محمول کیا ہے اور پھر وہی کہا ہے جو حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

چنانچہ ان روایات پر فقہی حکم بھی یہ مرتب ہوا ہے کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ محرم کے لیے نکاح کرنا صحیح نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محرم کا نکاح جائز ہے۔

(المجموع ۷/ ۲۸۷۔ ۲۸۸، المغنی: ۳/ ۳۳۲، نیل الاوطار: ۵/ ۱۴)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سب سے آخری بیوی تھیں۔

(طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۳۲، تفسیر القرطبی: ۱۴/ ۱۶۷، زاد المعاد: ۱/ ۱۱۳)

واقدی کا بیان ہے کہ آپ نبی اکرم ﷺ کی وہ بیوی تھی جن کا سب سے آخر میں انتقال ہوا۔ (قال الواقدی کما فی الطبقات ابن سعد: ۸/ ۱۴۰ و البلاذری فی انساب الاشراف: ۱/ ۴۴۶)

وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مقام سرف میں ہوا اور سرف کے مقام پر ہی ان کا انتقال بھی ہوا۔

(طبقات: ۸/ ۱۴۰ بخاری: ۲/ ۲۱۱ مسند احمد: ۶/ ۳۳۳، انساب الاشراف: ۱/ ۴۴۲)

طبرانی نے بھی اپنی الاوسط میں اس طرح نقل کیا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۹/ ۲۵۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ بخاری میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ رسول اکرم ﷺ کی اہلیہ محترمہ ہیں لہٰذا جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ ادب کے ساتھ آہستہ لے چلو۔ (بخاری: ۲/ ۷۵۸)

سیدہ رضی اللہ عنہا کے سال وفات میں اختلاف ہے، بعض نے ۶۱ ھ لکھا ہے یہ واقدی کی روایت ہے۔ محمد بن اسحاق کی روایت ۶۳ ھ کی ہے۔ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ صفحہ ۲۱۸ میں سن وفات ۵۱ ہجری دیا ہے اور امام نووی نے اپنی تہذیب: ۲/ ۳۵۶ میں اسی کو ترجیح دی ہے اور دوسرے تمام سنین وفات کا ابطال کیا ہے۔ بعض نے ۴۹ ھ دیا ہے۔ بسوی نے اپنی کتاب میں ۶۶ ھ سن وفات دیا ہے اور ابن عبدالبر نے بھی التمہید: ۳/ ۱۵۱ میں اس کو اختیار کیا ہے لیکن

Marfat.com

ہمارے نزدیک صحیح ۵۱ ھ ہے اور تواریخ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد:۱۴۰/۸، انساب الاشراف:۴۴۶/۱، الاصابہ:۱۲۸/۸، تاریخ خلیفہ بن خیاط:۲۱۸، بسوی:۴۱۵/۳، التمہید لابن عبدالبر:۱۵۱/۳، تہذیب للنووی:۱۳۵۶/۲، المعجم الکبیر:۴۲۲/۲۳، مجمع الزوائد۲۴۹/۹ وغیرھم)

فضائل واخلاق:

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۴۶ احادیث نبوی مروی ہیں جن میں سے بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

سیدہ رضی اللہ عنہا سے جن حضرات نے روایت کی ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن شداد بن الہاد، سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن السائب، سیدنا یزید بن اصم۔ (یہ سب ان کے بھانجے تھے)۔

عبیداللہ ابن خولانی رضی اللہ عنہ (یہ ربیب تھے) ندبہ (کنیز تھیں) عطاء بن یسار، سلیمان بن یسار غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس رضی اللہ عنہ، کریب (ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع وغیرھم۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن بہنیں یہ ہیں۔ حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا، (سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ) اور سلمٰی، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ، اور ان کی ماں کی طرف سے بہن اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔

(نسائی فی فضائل الصحابہ حدیث:۲۸۱، تحفۃ الاشراف:۲۰۰/۵ المعجم الکبیر:۴۱۵/۱۱، مجمع الزوائد: ۲۶۰/۹، متدرک حاکم:۳۲/۴۔۳۳ صحیح علی شرط المسلم ووافقہ الذہبی، طبقات ابن سعد:۱۳۸/۸، الاصابہ:۱۲۸/۸)

ایک دفعہ آپ کے بھانجے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں اس حالت میں آئے کہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: بیٹا! پراگندہ ہونے کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا کہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نسوانی امراض میں مبتلا ہے۔ وہی کنگھی کرتی تھیں۔ فرمایا: ''بہت خوب۔ سرکار دو عالم ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں۔ اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتی تھیں۔ بیٹا! کہیں ہاتھ

Marfat.com

میں بھی مرض ہوتا ہے۔'' (مسند احمد:۶/۳۳۱)

ایک دفعہ ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی کہ وہ شفایاب ہونے پر بیت المقدس جا کر نماز پڑھے گی۔ کچھ دنوں کے بعد وہ صحت یاب ہوگئی اور اپنی منت کے مطابق بیت المقدس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب رخصت ہونے کے لیے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم یہیں مسجد نبوی میں جا کر پڑھ لو کیونکہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ (مسند احمد:۶/۳۳۳)

نبی اکرم کے احکام کی تعمیل ہر وقت ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر گئی تو دیکھا کہ دونوں میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں۔ خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش اور لڑائی جھگڑا ہوگیا ہے لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رنجش تو کوئی نہیں البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہ امراض نسوانی کی حالت میں اپنا بستر الگ کر لیتے ہیں۔ اس کنیز نے واپس آ کر یہ بات سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی۔ انھوں نے فرمایا: ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے اس قدر اعراض کیوں ہے؟ آپ ﷺ اس حالت میں ہم لوگوں کے بستروں پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ (مسند احمد:۱/۳۳۲)

آپ کے ایک بھانجے (برزہ بنت الحارث) یزید بن اصم جو کہ تابعی اور بہت بڑے محدث تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے اور اپنے بھانجے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ کے صاحب زادے سے فرمایا تھا:

انها كانت من اتقانالله واوصلنا للرحم

میمونہ ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھی۔

(مستدرک حاکم:۴/۳۲ صحیح وافقہ الذہبی، طبقات ابن سعد:۸/۱۳۸، الاصابہ:۸/۱۲۸)

آپ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ ایک لونڈی کو آزاد کیا تو سرکار دو عالم ﷺ نے بڑے ثواب کی نوید سنائی۔ (مسند احمد:۶/۳۳۲)

سیدہ رضی اللہ عنہا کبھی کبھی قرض بھی لے لیتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرض لے لیا۔ رقم کچھ زیادہ تھی۔ کسی نے پوچھا آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی۔ فرمایا: سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو تو حق تعالیٰ خود اس کا قرض ادا فرما دیتے ہیں۔ (مسند احمد:۶/۳۳۲)

Marfat.com

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام شمعون تھا۔ یہ مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجی تھی۔ چنانچہ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے حملوں سے اطمینان ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نواح عرب کے حکمرانوں اور رؤساء کو اسلام کی دعوت کے خطوط مختلف صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بھیجے۔ عزیز مصر مقوقس کو جو خط لکھا گیا وہ مشہور صحابی سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ شاہ مقوقس سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے بہت عزت سے پیش آیا اور آپ کے والا نامہ کے جواب میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

''محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے۔

سلام علیک کے بعد واضح ہو کہ میں نے آپ کا والا نامہ پڑھا اور جو کچھ اس کا مضمون اور مفہوم ہے، وہ میں نے سمجھ لیا۔ مجھ کو یہ تو معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے لیکن مجھے گمان تھا کہ وہ ملک شام میں ظاہر ہوں گے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی نہایت عزت وتکریم کی ہے اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں میں بہت تکریم کی جاتی ہے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کپڑے اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔ والسلام علیک۔

یہ دونوں لڑکیاں کون تھیں؟ ان میں ایک ماریہ اور دوسری اس کی بہن سیرین تھی۔ شاہ مقوقس نے ان دونوں لڑکیوں کے ساتھ ہزار مثقال سونا، بیس سفید کپڑے کے تھان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے دلدل نامی ایک خچر ارسال کیا۔

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین وجمیل اور سفید رنگ کی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں

Marfat.com

بالا خانے میں ٹھہرایا جس کا نام بعد میں ''مشربہ اُم ابراہیم'' پڑ گیا کیونکہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا نے اسی بالا خانے میں رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو جنم دیا تھا۔

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے سرکار دو عالم ﷺ کی سب سے آخری اولاد سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ماہ ذی الحجہ ۸ ھ میں ہوئی۔ ساتویں روز آپ ﷺ نے ان کا عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کیے، سر منڈایا گیا اور بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بال زمین میں دفن کیے گئے۔ اس بیٹے کا نام آپ ﷺ نے اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رضی اللہ عنہ رکھا۔ لڑکا بہت خوبصورت اور تندرست تھا۔ ابو رافع نے جب ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش کی آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ اتنا خوش ہوئے کہ ابو رافع کو ایک غلام انعام میں دے دیا۔ آپ ﷺ ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لے کر کھلاتے اور پیار کرتے۔

عرب کے قاعدے کے مطابق ابراہیم رضی اللہ عنہ کو ایک دایہ ام بردہ رضی اللہ عنہا بنت المنذر انصاری کے حوالے کیا گیا تاکہ وہ اسے دودھ پلائیں۔ یہ دایہ ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ ان کے چھوٹے سے گھر میں اکثر بھٹی کا دھواں رہتا۔ آپ ﷺ بچے کو دیکھنے کے لیے لوہار کے گھر جاتے اور وہاں دھواں آپ کی آنکھ اور ناک میں گھستا رہتا اور آپ ﷺ انتہائی نازک طبع ہونے کے باوجود اس کو بچے کی خاطر برداشت کرتے۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ ابھی ۱۷ یا ۱۸ ماہ کے ہوئے تھے کہ ہجرت کے دسویں سال (جنوری ۶۳۲ ھ) ان کا انتقال ہو گیا۔ بچے نے آپ کے ہاتھوں میں جان دی۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے لیکن آپ ﷺ نے زبان مبارک سے فرمایا:

''بخدا! ابراہیم! ہم تمھاری موت سے نہایت غمگین ہیں۔ آنکھ رو رہی ہے اور دل غمزدہ ہے مگر ہم ایسی کوئی بات زبان سے نہ کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی نہ ہو۔''

جس روز سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اتفاق سے اسی روز سورج گرہن ہو گیا۔ قدیم زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت سے ہوا کرتے ہیں۔ اس اعتقاد کے تحت مدینہ کے مسلمان بھی یہ کہنے لگے کہ یہ سورج گرہن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحب زادے کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ ﷺ کو یہ بات بہت ناپسند ہوئی کیونکہ یہ انسان کی عاجزانہ حیثیت کے خلاف تھی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو اکٹھا

Marfat.com

کر کے ایک تقریر فرمائی اور اس میں فرمایا:

''سورج اور چاند کو کسی انسان کی موت سے گرہن نہیں لگتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور اللہ جل شانہ کے حضور جھک جاؤ۔''

بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد ایک دفعہ جبریل امین علیہ السلام آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا: ''السلام علیک یا ابا ابراہیم رضی اللہ عنہ (اے ابراہیم کے ابا! السلام علیکم)۔ (کشف الاستار للبزار: ۲/۱۸۹، طبقات ابن سعد: ۸/۲۱۴)

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت ۱۶ھ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ (طبقات: ۸/۱۱۲، ۲۱۶، الاصابہ: ۸/۱۱۱، متروک: ۴/۳۹)

Marfat.com